روزانہ درس قرآن

تفسیر

سورۃ صٓ ——— (مکمل)

سورۃ الزمر ——— (مکمل)

سورۃ المؤمن ——— (مکمل)

سورۃ حٰمٓ السجدۃ ——— (مکمل)

سورۃ الشورٰی ——— (مکمل)

سورۃ الزخرف ——— (مکمل)

سورۃ الدخان ——— (مکمل)

سورۃ الجاثیۃ ——— (مکمل)

سورۃ الاحقاف ——— (مکمل)

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجدہم

خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ پاکستان

طبع گیارہ

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ ص تا سورۃ الاحقاف) جلد ۱۶
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین ۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۔/۲۸۵ (دو سو پچاسی روپے)
تاریخ طبع گیارہ	ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ بمطابق اپریل ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ

(۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور

(۳) مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ لاہور

(۴) مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

(۵) کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

(۶) کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۲ کراچی

(۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد

(۹) مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

(۱۰) مکتبۃ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۶

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى . اَمَّا بَعْدُ

تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی سولھویں جلد پورے تین پاروں پر مشتمل ہے۔ اس میں سورۃ ص، سورۃ زمر، سورۃ مومن، سورۃ حٰم السجدۃ، سورۃ شوریٰ، سورۃ زخرف، سورۃ دخان، سورۃ جاثیہ اور سورۃ احقاف، ان نو سورتوں کی تفسیر و تشریح درج ہے۔ اس جلد میں بھی حسب سابق قرآن و سنت خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ دینؒ، سلف صالحینؒ اور بزرگان دین کے طرز پر نہایت آسان زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ خصوصاً امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کی غامض، پیچیدہ اور دقیق علمی اصطلاحات کو بڑے احسن پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے جس سے ہر خاص و عام بخوبی استفادہ کر سکتا ہے۔

سورۃ ص سورۃ ص میں قرآن کریم کی صداقت و حقانیت، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، اسماعیل، الیسع اور ذالکفل علیہم السلام کا تذکرہ، اہل جنت کے انعامات اور جہنمیوں کی سزا، توحید باری تعالیٰ اور شیطان کے تکبر و غرور کا تذکرہ اور اس کی تفصیلات مذکور ہیں جن کی تشریح کے ضمن میں بہت سے بنیادی عقائد اور مسائل کا تذکرہ بھی آ گیا ہے۔ عصمت انبیاءؑ کے سیر حاصل مباحث اور اس سلسلہ میں پیدا کردہ شکوک و شبہات کا تشفی بخش ازالہ اس جلد کا طرۂ امتیاز ہے۔

سورۃ زمر سورۃ زمر میں نزول قرآن، دین خالص، تخلیق ارض و سما، تخلیق انسانی، توحید باری تعالیٰ، عبادت الٰہی کی دعوت اور طاغوت سے اجتناب۔ افتراء علی اللہ سے گریز، موت و حیات کا اختیار، رحمت خدا، رحمت ایزدی سے مایوسی کی ممانعت، نفخ صور، جہنمی اور جنتی گروہوں کا تذکرہ اور ان کی تشریح موجود ہے اس سورۃ میں زیادہ تر بنیادی عقائد کا تذکرہ ہے

اس لیے اس سورۃ کو اس کے مابعد آمدہ، حوامیم سبعہ کی تمہید بھی کہا جا سکتا ہے۔

حوامیم سبعہ سورۃ مومن، سورۃ حم السجدۃ، سورۃ شوریٰ، سورۃ زخرف، سورۃ دخان، سورۃ جاثیہ اور سورۃ احقاف کو حوامیم سبعہ کہا جاتا ہے۔ ان سورتوں کو حوامیم سبعہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سات ہے اور یہ سب کی سب لفظ مقطعات حم سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ سات سورتیں لباب القرآن یعنی قرآن کریم کا لب لباب، نچوڑ اور خلاصہ ہیں ان میں زیادہ تر بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد، جزائے عمل، جنت دوزخ وغیرہ کے تذکرہ کے ضمن میں بڑے بڑے قیمتی نکات بیان کیے گئے ہیں۔ تذکرہ انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں احادیث صحیحہ اور معتبر تاریخی حوالہ جات، اکابر و اسلاف خصوصاً علمائے حق علمائے دیوبند کی قربانیوں اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ بھی ان سورتوں کی تفسیر میں بعض مقامات پر آیا ہے اس جلد کی اشاعت کے بعد غالب امکان یہ ہے کہ مزید چار جلدوں میں دروس القرآن کا یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں احقر کے ساتھ حافظ محمد اشرف یاسین گجراتی نے حصہ لیا اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ دروس القرآن کی تکمیل کے سلسلہ میں خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اسے جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے جملہ احباب کے تعاون اور کوششوں کو قبول و منظور فرمائے اور ہم سب کے لیے باعث نجات بنائے۔ آمین یا رب العلمین۔

از احقر :۔ **محمد فیاض خان سواتی**

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

۳ شوال ۱۴۱۵ھ بمطابق ۵ مارچ ۱۹۹۵ء

۱۔ یہ تفسیر مکمل تین جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے (فیاض)

سُورة

ص

مکمل

وما لی ۲۳ — صٓ ۳۸

درس اول ۱ — آیت ۱ تا ۷

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ صٓ مکی ہے یہ اٹھاسی آیتیں ہیں اور اس کے پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

ترجمہ:۔ صٓ۔ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی ۝۱

بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں

پڑے ہوئے ہیں (۲) ہم نے اُن سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کیں۔ پس پکارا انہوں نے اور نہ رہا وقت خلاصی کا (۳) اور تعجب کیا انہوں نے (اس بات پر) کہ آیا ہے اُن کے پاس ایک ڈر سنانے والا انہی میں سے، اور کہا کفر کرنے والوں نے کہ یہ جادوگر اور جھوٹا ہے (۴) کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود۔ بیشک یہ ایک عجیب چیز ہے (۵) اور چل کھڑا ہوا ایک گروہ اُن میں سے (اور کہنے لگا) چلو اور جمے رہو اپنے معبودوں پر۔ بیشک یہ ایک چیز ہے جس میں کوئی غرض ہے (۶) نہیں سُنا ہم نے اس بات کو پچھلے دین میں۔ نہیں ہے یہ مگر گھڑی ہوئی چیز (۷)

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ صٓ ہے جو کہ اس کے پہلے حرف سے ماخوذ ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے۔ مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ نبوت کے چوتھے یا دسویں سال میں نازل ہوئی اور اس طرح یہ سورۃ گویا ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی اٹھاسی ۸۸ آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ اور یہ سورۃ ۷۳۱ الفاظ اور ۳۶۶۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

مکی سورۃ ہونے کے ناطے سے اس میں بھی زیادہ تر بنیادی مضامین یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت و صداقت ہی بیان ہوئے ہیں۔ اثبات توحید کے سلسلے میں گذشتہ سورۃ کی ابتداء میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا تھا کہ اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ یعنی تمہارا معبودِ برحق

لے۔

صرف ایک ہی ہے۔ اور اس سورۃ کی ابتداء میں کفار کے تعجب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا کیا اس شخص نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے؟

اس سورۃ مبارکہ میں مسئلہ رسالت پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور تکذیب رسالت کو مہلک قرار دیا گیا ہے۔ تاریخ رسالت کے ضمن میں بعض انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، الیسع، ذوالکفل، داؤد، اور سلیمان علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر مقام شکر کے طور پر اور بعض کا صبر و استقامت کے مقام میں ذکر ہوا ہے۔ اس سورۃ میں شیاطین اور جنات کا ذکر بھی آیا ہے اور ابلیس کی سرکشی اور نافرمانی کا تذکرہ بھی ہے۔ فرشتوں کی بلند ترین جماعت ملاء اعلیٰ کا ذکر بھی اس سورۃ میں کیا گیا ہے اللہ سے ڈرنے والوں اور مجرم لوگوں کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے اور معاند لوگوں کے شکوک و شبہات کا تدارک ہے۔ حضور علیہ السلام کے لئے تسلی کا مضمون بھی اس سورۃ کا حصہ ہے۔

شانِ نزول

ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں یہ صحیح حدیث[1] موجود ہے کہ حضرت علیؓ کے والد اور حضور علیہ السلام کے چچا ابو طالب حضور علیہ السلام کے بڑے خیر خواہ اور ہمدرد تھے مگر آخر دم تک ایمان قبول نہیں کیا۔ جب ابو طالب بیمار ہوئے۔ تو سرداران قریش مع ابوجہل ان کے پاس آئے اس وقت حضور علیہ السلام بھی اپنے چچا کے پاس موجود تھے۔ سرداران قریش نے ابوطالب سے شکوہ کیا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کی مذمت کرتا ہے۔ لہٰذا آپ اسے سمجھائیں کہ یہ ہمارے جذبات کو مجروح نہ کیا کرے۔ اس پر ابوطالب نے حضور علیہ السلام سے استفسار کیا يَا ابْنَ اَخِيْ مَا تُرِيْدُ مِنْ قَوْمِكَ اے میرے بھتیجے! تم قوم سے کیا چاہتے ہو۔ قَالَ اُرِيْدُ كَلِمَةً تَدِيْنُ بِهَا لَهُمُ الْعَرَبُ

---

[1] ترمذی ص ، و مستدرک حاکم ص

وَتُؤَدِّیْ اِلَیْھِمُ الْعَجَمُ الْجِزْیَۃَ آپ نے فرمایا، میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں، اگر یہ اس کو تسلیم کر لیں تو پورا عرب ان کے تابع ہو جائے گا اور عجم کے لوگ ان کو جزیہ ادا کرنے لگیں گے یعنی اس ایک کلمہ کو اپنا لینے سے ان کی کایا پلٹ جائے گی۔ ابو طالب نے نہایت تعجب سے پوچھا، کیا صرف ایک کلمہ کی وجہ سے؟ فرمایا، ہاں۔ یَا عَمِّ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اے چچا! تم سب کہدو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، یہی وہ عظیم کلمہ ہے جس کی وجہ سے عرب و عجم تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔ اس موقع پر وہ سب کہنے لگے اِلٰهًا وَّاحِدًا مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ کیا صرف ایک معبود؟ ہم نے تو یہ بات اپنے آباؤ اجداد سے کبھی نہیں سنی۔ کہنے لگے اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ یہ تو من گھڑت بات معلوم ہوتی ہے، اور پھر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیے اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرما کر کفر و شرک کا رد اور کفار و مشرکین کی مذمت بیان کر دی۔

حروف مقطعات

اس سورۃ کی ابتدا حرف مقطع صٓ سے ہوتی ہے۔ مختلف سورتوں کی ابتدا میں آنے والے حروف مقطعات کے متعلق اپنے اپنے مقام پر کچھ تشریح کر دی گئی ہے اور لوگوں کی تقریب فہم کے لیے مفسرین کے بیان کردہ بعض معانی بھی بیان کیے جا چکے ہیں۔ تاہم سلامتی والا راستہ وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام نے اختیار کیا ہے کہ ان حروف کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہیئے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا یعنی ان حروف کی حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور

لے جلالین ص۳

اُس کی تصدیق کرتے ہیں

جب کسی کو یہ ... جائے کہ قرآنِ پاک میں بعض ایسے حروف بھی وجود ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہے یا وہ سمجھ میں نہیں آسکتا تو یہ چیز بعض ناپختہ اذہان کے لیے شک و تردد کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ مفسرین کرام نے ایسے لوگوں کے اذہان کو ان حروف سے قریب تر کرنے کے لیے ان کے بعض معانی بیان کیے ہیں۔ یہ معانی اگرچہ قطعی اور یقینی نہیں ہیں۔ تاہم چونکہ صحابہ کرام میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی کچھ وضاحت منقول ہے۔ لہٰذا بعد کے مفسرین نے بھی لوگوں کے تقریبِ فہم کے لیے کچھ معانی بیان کیے ہیں۔

حرف ص

بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ ص سورۃ کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سورۃ اسی نام سے موسوم ہے۔ تاہم بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ حرف ص اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے اسم پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں حرف ص آتا ہے جیسے صمد۔ اس سورۃ مبارکہ میں توحید خداوندی کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یہ خدا تعالیٰ کی صمدیت کا ذکر ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بوستان میں کہا ہے ؎

دل اندر صمد باید اے دوست بست
کہ عاجز تر است از صنم ہر کہ ہست

اے دوست! صرف صمد کی ذات میں دل لگانا چاہیے کیونکہ اس کے سوا تمام چیزیں صنم سے بھی زیادہ عاجز ہیں۔ اگر کوئی مختارِ مطلق، قادرِ مطلق، ہمہ دان اور ہمہ بین ہستی ہے تو وہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو صمد ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حرف ص لفظ صانع میں بھی آتا ہے۔

لہ   تہ

کہ بوستان ص   سے

اور صانع مخلوقات اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا یہ اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ صٓ سے مراد صدق بھی ہو سکتا ہے یعنی صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے وہ سچ ہے اس سورۃ کی پہلی آیت ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ اس میں صٓ سے مراد نصیحت بھی ہو سکتی ہے، اور دوسری اس آیت میں خبر محذوف یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں۔ قرآن بھی سراپا نصیحت ہے اور اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ دین بھی نصیحت کو ہی کہا جاتا ہے، لہٰذا صٓ سے دین بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو مشرک لوگ شور و غل پیدا کرنے کے لیے بیٹیاں یعنی صفیر بجایا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مشرکین کی مذمت کی طرف اشارہ ہو۔ حرف صٓ صد یا صار فہ میں بھی آتا ہے جس کا معنیٰ رکاوٹ اور ہٹا دینا ہوتا ہے ممکن ہے صٓ کا اشارہ اس طرف ہو۔ صٓ کا حرف قصص میں بھی پایا جاتا ہے۔ امکان ہے کہ اس کا اشارہ اس سورۃ میں مذکور عبرت آمیز واقعات کی طرف ہو۔

حرف صٓ کا تعلق اس سورۃ میں آمدہ بعض کلمات سے بھی ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ صٓ کا اشارہ ان کلمات کی طرف ہو۔ مثلاً اللہ نے اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ (آیت ۔ ۱۷) کہہ کر حضور علیہ السلام کو کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں پر صبر کی تلقین کی ہے۔ اس سورۃ میں آمدہ سَوَآءِ الصِّرَاطِ (آیت ۔ ۲۲) یعنی سیدھے راستے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ اس حرف صٓ کا اشارہ اللہ کے مخلص بندوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہاں یہ آیت بھی ہے۔ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ اس سورۃ مبارکہ میں نَبَؤُا الْخَصْمِ (آیت ۔ ۲۱) کا ذکر بھی ہے جب کہ بعض دو جھگڑتے ہوئے داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے۔ اس لفظ میں بھی حرف صٓ آتا ہے

؎ دارمی ص ۲۲۰/۲

آیت ۵۶ میں یَصۡلَوۡنَهَا کا لفظ آتا ہے۔ جس میں کافروں کے جہنم میں داخلے کا ذکر ہے۔ یہاں بھی صؔ موجود ہے۔ پھر آیت نمبر ۵۲ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ کا لفظ ہے جس سے مراد نیچی نگاہیں رکھنے والی حوریں ہیں جو جنت میں حاصل ہوں گی۔ ممکن ہے یہ اُس طرف اشارہ ہو۔ آیت ۴۱ میں حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ مجھے شیطان نے اذیت پہنچائی ہے بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍ آیت ۳۷ میں غَوَّاصٍ کا لفظ آتا ہے یعنی غوطہ خور جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے مفید چیزیں سمندر سے نکال کر لاتے تھے۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عمدہ گھوڑوں کا ذکر بھی آیت ۳۱ میں آیا ہے اَلصّٰفِنٰتُ الۡجِیَادُ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فَصۡلَ الۡخِطَابِ کا تذکرہ آیت ۲۰ میں آیا ہے۔ اسی طرح اَصۡحٰبُ الۡئَیۡکَةِ کا ذکر آیت ۱۳ میں ہے۔ آیت ۱۵ میں صَیۡحَةً وَّاحِدَةً کا ذکر ہے کہ ایک ہی چیخ نافرمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے کافی ہے آیت ۳ میں حِیۡنَ مَنَاصٍ کے الفاظ آئے ہیں جس کا معنی خلاصی اور رہائی ہے یعنی جب کسی قوم پر عذاب آجاتا ہے تو پھر رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ غرضیکہ مذکورہ تمام کلمات میں حرف صؔ کی موجودگی ان کلمات کی طرف اشارہ پہ دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کشفی اور ذوقی طریقے پر اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ حرف صؔ کا اشارہ انبیاء علیہم السلام کے مقام قدسی کی طرف ہے جو انہیں اُن کے علوم اور وجاہت کے اعتبار سے حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ذوقی طریقے سے بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو عقلی یا نقلی دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اللہ نے بذریعہ کشف یہ معانی

لے

آپ کے ذہن میں منکشف کر دیے ہیں۔ گویا حروف حق میں عالمِ بالا کے صعود، ارتفاع یا بلندی کا ذکر کیا گیا ہے، تاہم اس میں انتہائی درجے کی صفائی اور نظافت بھی شامل ہوتی ہے۔ چونکہ یہ تمام چیزیں سورۃ ہذا میں موجود ہیں۔ لہٰذا شاہ صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ اس سورۃ کا لب لباب ایسے حروف کے ذریعے بیان کر دیا جاتا ہے۔

قرآن ذی الذکر

ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ ظاہر ہے کہ قرآن سراسر نصیحت ہے۔ اس کے لیے ذکر اور تذکرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ذِی الذِّكْرِ کا معنیٰ شرف والا بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ الزخرف میں ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (آیت ۔ ۴۴) بیشک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے عزت و شرف کا باعث ہے، اس طرح آیت کا مطلب ہوگا قسم ہے شرافت والے قرآن کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن سے بڑھ کر شرافت والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے

کفار کی بدبختی

فرمایا بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ بالکل سچ فرماتے ہیں بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ مگر کفر کرنے والے لوگ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا قرآن کی قسم کی خبر محذوف ہے اور یہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت پر اللہ کی طرف سے گواہی ہے۔ عزت کا معنیٰ غلبہ ہوتا ہے۔ اور عزیز اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے۔ تاہم اس آیت مبارکہ میں عزت سے مراد اکڑ اور تکبر ہے جو کہ صرف خدا تعالیٰ کو سزاوار ہے اور کسی مخلوق کے لیے روا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ قرآن پاک کی ہدایت اور نصیحت کے مقابلے میں غرور و تکبر کا اظہار کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ شقاق یعنی مخالفت میں پڑے ہوئے تھے۔

اللہ نے فرمایا کیا کفار اس عالم میں غور نہیں کرتے کہ کَمْ اَهْلَكْنَا
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا جب
انہوں نے سرکشی کی۔ اللہ کی توحید کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ پھر
جب ہمارا عذاب آن پہنچا فَنَادَوْا تو وہ پکارنے لگے اور اپنے گناہوں کی معافی
مانگنے لگے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ مگر خلاصی اور رہائی کا وقت گذر چکا
تھا۔ لہذا ہماری گرفت آکر رہی۔

یہاں پر آمدہ لفظ لَاتَ دراصل لَا ہی ہے اور اس میں تَ زائد ہے
لَاتَ لَيْتَ کے معنی میں آیا ہے جس کا معنی نہ ہے۔ حین کا معنی وقت اور
مناص کا معنی خلاصی ہے۔ مطلب یہی ہے کہ نافرمان لوگوں نے عذاب کو
دیکھ کر اُس وقت چیخ و پکار کی، جب خلاصی کا وقت گذر چکا تھا۔

تکذیبِ رسالت

کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرنے کے لیے تیار
نہ تھے کیونکہ اس طرح اُن کی قیادت و سیادت ختم ہوتی تھی۔ اگلی آیت میں
اللہ تعالیٰ نے کفار کے نظریہ تکذیب رسالت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ کیا یہ لوگ اس بات پر
تعجب کرتے ہیں کہ اُن کے پاس انہی میں سے ایک ڈر سنانے والا آگیا
ہے۔ مکے کے بڑے بڑے رؤسا یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے کہ
انہی کی برادری اور خاندان کا ایک کمزور آدمی جو انہی کی زبان بولتا ہے، نبی
بن کر آجائے۔ کہتے تھے کہ یہ ہمارے ہاتھوں پیدا ہوا، بڑھا اور جوان ہوا،
اور آج ہمارے ہی سامنے نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ بھلا اس میں کون
سی خوبی ہے جو ہم سے زیادہ ہے اور جس کی بنا پر اسے رسول منتخب کیا گیا ہے
کہتے تھے اگر اللہ نے کسی کو نبی ہی بنانا تھا، تو اس منصب کے لیے ابو طالب
کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ
مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف - ۳۱) کہتے تھے۔ یہ قرآن مکے

اور طائف کی بستیوں میں سے کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا؟ فرمایا
وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ کافر کہتے تھے کہ نبوت کا دعویدار
یہ شخص جادوگر ہے اور جھوٹا ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہی بات فرعون نے حضرت
موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق بھی کی تھی۔ بہرحال مشرکین مکہ نے نبی
آخر الزمان کی رسالت کا نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ الزام تراشی بھی کی۔

وحدانیت پر تعجب

ان ظالموں نے رسالت کا ہی انکار نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی
بھی عجیب طریقے سے تردید کی۔ کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا
وَّاحِدًا کیا اس نے سب معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ کیا ہم
اتنے سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔ اِنَّ
هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ یہ تو بڑی تعجب انگیز بات ہے جو اس سے پہلے
کسی نے نہیں کی اور نہ ہی ہم نے اپنے بڑوں سے ایسی کوئی بات سنی ہے
ہمارے آباؤ و اجداد تو مختلف معبودوں کو نذر و نیاز پیش کرتے آئے ہیں
ان سے مرادیں مانگتے رہے ہیں۔ ان کی مختلف حاجات مختلف معبود پوری
کرتے تھے۔ بھلا ان سب کی بجائے یہ سارے کام صرف ایک معبود کیسے
انجام دے سکے گا۔ یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔

اس قسم کی بات کرنے کے بعد وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ ان میں
میں سے ایک گروہ چل کھڑا ہوا اور کہنے لگا، اس شخص کی باتوں پر غور نہ
کرو بلکہ اَنِ امْشُوْا یہاں سے چلے آؤ وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ
اور اپنے انہی معبودوں پر جمے رہو جن کی یہ مذمت بیان کرتا ہے۔ صبر کا
معنی برداشت کرنا ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اپنے پرانے معبودوں کو
ہی برداشت کرو، انہی پر ٹکے رہو اور اس شخص کی باتوں میں نہ آنا۔ اِنَّ
هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں کوئی غرض مخفی ہے۔
یہ شخص تمہیں تمہارے معبودوں سے جدا کر کے اپنے دین پر لانا چاہتا

ہے اور تمھاری قیادت اور سیادت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس کی باتوں میں نہ آنا اور اپنے معبودوں پر پختہ یقین رکھنا۔ آیت کے اس حصے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے سابقہ معبودوں پر ڈٹے رہنا ایک مقصود چیز ہے اس کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ یہ شخص تمھیں تمھارے دین سے برگشتہ کر کے تمھارے مال و دولت اور اقتدار پر بھی قابض ہونا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کی دعوت کو قبول نہ کرنا۔

پھر کہنے لگے، مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ پچھلی امت میں تو ہم نے ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ پچھلی ملت سے مراد یا تو ان کے آباؤ اجداد ہیں اور یا پھر اس سے نصاریٰ مراد ہیں۔ کہتے تھے کہ عیسائی بھی تو صاحب کتاب ہیں مگر انہوں نے تو کبھی ایک معبود کو ماننے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ بھی تثلیث یعنی تین خداؤں باپ، بیٹا اور روح القدس کے قائل ہیں۔ معلوم نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معبود کا نظریہ کہاں سے پیش کر دیا کہ نہ ہمارے باپ دادا اس نظریہ سے واقف تھے اور نہ پچھلے مذاہب والے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ یہ تو محض من گھڑت نظریہ ہے کہ معبود برحق صرف ایک ہے۔ بھلا ایک ہی خدا کائنات کے سارے امور کیسے انجام دے سکتا ہے اس بات کو ذہن بھی قبول نہیں کرتا۔ یہ سلسلہ کلام آگے دور تک چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی گندی ذہنیت کا پردہ چاک کیا ہے۔

ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝۱۲ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝۱۳ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝۱۴ ع وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝۱۵ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝۱۶

ترجمہ :- کیا اتاری گئی ہے اس پر نصیحت ہم سب کے درمیان سے ؟ بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں میری نصیحت سے ۔ بلکہ انہوں نے ابھی چکھا نہیں

عذاب کا مزا (۸) کیا اِن کے پاس خزانے ہیں تیرے رب کی رحمت کے جو کمال قدرت کا مالک اور بخشش کرنے والا ہے ؟ (۹) کیا اِن کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے پس چاہیئے ان کو کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر (۱۰) یہ بھی ایک لشکر ہے شکست خوردہ لشکروں میں سے (۱۱) جھٹلایا قومِ نوح نے اِن سے پہلے اور قومِ عاد نے اور فرعون نے جو میخوں والا تھا (۱۲) اور قومِ ثمود نے اور قومِ لوط نے ، اور ایکہ والوں نے کہ یہی بڑے بڑے گروہ تھے (۱۳) اِن میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا ۔ پس ثابت ہو گیا عذاب (۱۴) اور نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر ایک چیخ کا جس کے لیے کوئی وقفہ نہیں ہو گا (۱۵) اور کہتے ہیں یہ کہ اے ہمارے پروردگار جلدی کر دے ہمارے لیے ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی (۱۶)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا ، جب اللہ کے نبی نے اُن کو کفر اور شرک سے منع کر کے توحید کا درس دیا تو انہوں نے انکار کر دیا ۔ اور تعجب کرنے لگے کہ کیا ہم بہت سے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود پر اکتفا کر لیں ، یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ پھر وہ اُس مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اس شخص کی دعوت خود غرضی پر مشتمل ہے ، لہٰذا اس کی بات نہ ماننا اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہنا کہنے لگے یہ اُس شخص کی من گھڑت بات ہے جو ہم نے پہلے کبھی کسی سے نہیں سنی

رسالت پر اعتراض

گذشتہ درس میں مشرکین کی طرف سے توحید کے انکار کا بیان تھا اب
آج کی آیات میں رسالت کا انکار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید کا ذکر ہے
ارشاد ہوتا ہے ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا کیا ہم میں سے
صرف اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نصیحت یعنی قرآن پاک اتارا گیا ہے؟
کیا اللہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ رسالت کا اور کوئی حقدار نہیں ملتا تھا
جس پر قرآن نازل کیا جاتا؟ کہنے لگے کہ ہم تو اس کو نبی اور رسول تسلیم کرنے کے
لیے تیار نہیں۔ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (حم السجدۃ ١٤)
کہنے لگے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم پر کوئی فرشتہ نازل کر دیتا تو ہم مان بھی
لیتے۔ ہم اپنے میں سے ایک شخص کی باتیں کیسے تسلیم کر لیں۔ سورۃ القمر میں
ہے فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ
ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (آیت ٢٤) کہنے لگے، بھلا ہم اپنے میں سے ایک
شخص کی پیروی کریں، یوں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔ غرضیکہ وہ لوگ
انسان کے رسول ہونے پر تعجب کرتے تھے جیسا کہ اس سورۃ کی ابتداء میں
بھی گزر چکا ہے وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ
(ص ٤) کتنی عجیب بات ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک
ڈرانے والا آ جائے۔ اللہ نے فرمایا۔ حقیقت یہ ہے بَلْ هُمْ فِیْ
شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ کہ یہ لوگ میری نصیحت (قرآن) کی طرف
سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو تردد ہے کہ اللہ نے انسانوں میں
سے بعض ہستیوں کو منتخب فرما کر ان پر اپنا کلام نازل کیا ہے اور ان
کو منذر اور مبشر بنایا ہے۔ فرمایا اصل بات یہ ہے بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا
عَذَابِ کہ انہوں نے ابھی سزا کا مزا چکھا ہی نہیں۔ جب ان پر عذاب
آئے گا تو پتہ چلے گا کہ نبوت و رسالت اور نصیحت کا کس طرح انکار
کیا جاتا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

فرمایا کہ یہ لوگ نزول قرآن کا انکار کس بنا پر کرتے ہیں اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو کہ کمال قدرت کا مالک اور بخشش کرنے والا ہے؟ کیا یہ اللہ کی رحمت کے خزانے خود تقسیم کرکے جس کو چاہیں رسول بنا دیں گے۔ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا یا اُن کے پاس زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی بادشاہی ہے کہ اس بادشاہی کے تحت حاصل شدہ اختیارات سے وہ جس کو چاہیں نبی بنا دیں اور جس پہ چاہیں نصیحت اتار دیں۔ یا پھر جس کے متعلق چاہیں اُسے نبی بننے اور کتاب لانے سے روک دیں۔ آخر ان کے پاس کون سے اختیارات ہیں جن کی بناء پر یہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور اس پہ نازل شدہ نصیحت کا انکار کر رہے ہیں؟

فرمایا یہ سب اُن کے تعصب، عناد اور ضد کا نتیجہ ہے ورنہ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں۔ اور اگر ان کو کوئی اختیار حاصل ہے فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ تو اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لاکر آسمان پہ چڑھ جائیں۔ رسیاں تان لیں یا کسی اور ذریعے سے آسمان تک رسائی حاصل کریں اور پھر حضور علیہ السلام پہ نازل ہونے والی وحی کو روک دیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ نہیں اور ان کا انکار بلا دلیل اور محض ہٹ دھرمی کا مظہر ہے۔ اللہ نے فرمایا دراصل جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ یہ بھی یہاں ایک لشکر ہے اُن لشکروں اور گروہوں میں سے جن کو شکست دی جائیگی۔ اللہ کی وحدانیت، اس کے رسول کی رسالت اور کتاب کا انکار کرنے والوں کا یہ ایک گروہ ہے جو ڈینگیں مار رہا ہے عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو شکست ہوگی اور اللہ کا دین غالب آجائیگا حقیقت میں یہ ایک شکست خوردہ پارٹی ہے جسے جلد ہی اپنی حیثیت کا

پتہ چل جائے گا۔

فرمایا کفارِ مکہ و عرب کوئی نئی سرکش قوم اور جماعت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے باغی ہمیشہ سے چلے آ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے مناسب حال ہی سلوک کرتا رہا ہے۔ دیکھو كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ اس سے پہلے قومِ نوح اور قوم عاد بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلا چکی ہے۔ ان اقوام کا ذکر اللہ نے ہمیشہ ان لوگوں میں لیا ہے جنہوں نے غرور و تکبر کیا، اپنی قوت پر ناز کیا۔ رسولوں کو جھٹلایا اور اُن کو اذیتیں پہنچائیں تو اللہ نے اُن کو صفحۂ ہستی سے ناپید کر دیا۔ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ اور میخوں والے فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ نے ساری قوم کو بحیرہ قلزم میں غرق کر دیا۔ میخوں والے سے مراد یہ ہے کہ فرعون کے پاس نہایت اعلیٰ قسم کا قیمتی ساز و سامان تھا حتیٰ کہ اُس کے خیموں کی میخیں اور گھوڑوں کی نعلیں بھی سونے کی بنی ہوئی تھیں بعض فرماتے ہیں کہ فرعون کو میخوں والا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظالم تھا۔ اور جس کو سخت سزا دینا مطلوب ہوتا تھا اس کے ہاتھ اور پاؤں میں چار میخیں ٹھونک کر وحشیانہ طریقے سے ہلاک کرتا تھا۔

فرمایا وَثَمُودُ اور قومِ ثمود کا عبرت ناک حال بھی قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں بیان ہوا۔ انہوں نے اپنے رسول کا انکار کیا اور اُس کو اذیت پہنچائی۔ وَقَوْمُ لُوطٍ اور لوط علیہ السلام کی قوم کا حال بھی پڑھ لیں۔ اُن میں ہم جنسیت کی بدترین خصلت پائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے نبی سے ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم بڑے پاکباز بنے پھرتے ہو، ہماری بستی سے نکل جاؤ۔ یہ ایسے بدطینت لوگ تھے کہ اپنی مجالس میں کھلے بندوں برائیوں اور بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے اور پھر اُس پر فخر کرتے تھے۔ اللہ نے سزا کے طور پر انکی بستیاں ہی اُلٹ دیں اور پھر اُوپر سے پتھروں کی بارش

کی جس کی وجہ سے ایک بھی نافرمان زندہ نہ بچا۔

فرمایا وَأَصْحَٰبُ ٱلْأَيْكَةِ اور ایکہ والوں پر بھی ایک نظر عبرت ڈال لیں۔ اُن کی طرف اور اہلِ مدین کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ یہ لوگ جنگل میں ایک بستی میں آباد تھے جو کہ ایک کھلے راستے پر واقع تھی۔ انہوں نے بھی اللہ کے نبی کی تکذیب کی اور پھر انتقامِ خداوندی کا نشانہ بنے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اہل مدین اور ایکہ والے دو مختلف قومیں تھیں جن کی طرف اللہ نے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں گروہ ایک قوم تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مدین والے شہر میں آباد تھے جب کہ اصحاب ایکہ جنگل میں رہتے تھے جس سے وہ خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

فرمایا أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلْأَحْزَابُ یہی بڑے بڑے گروہ تھے إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ ٱلرُّسُلَ ان سب نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا، اُن پر بیہودہ الزامات لگائے اور اُن کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں فَحَقَّ عِقَابِ پس میری طرف سے اُن پر عذاب ثابت ہو گیا۔ انہوں نے خدا کی توحید کا انکار کر کے اور رسولوں کی تکذیب کر کے اپنے آپ پر عذاب کو واجب کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور یہ سب لوگ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ اس سے اہل مکہ کو سمجھانا مقصود ہے کہ وہ کس بات پہ اپنے رسول کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے مذکورہ پہلی قوموں کا حال نہیں دیکھا؟ وہ تجارتی سفر میں ان اقوام کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات پر سے صبح و شام گزرتے ہیں مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وہ تو بڑی طاقت کے مالک تھے۔ اُن کے پاس بڑا مال و دولت تھا۔ وَمَا بَلَغُوا۟ مِعْشَارَ مَآ ءَاتَيْنَٰهُمْ (سبا۔ ۴۵) ان کو تو پرانے لوگوں کا عشر عشیر بھی نہیں دیا گیا۔ پھر یہ کس گھمنڈ میں تکذیب رسالت کر رہے ہیں۔ قرآن کا انکار کرتے

ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے بلکہ سراپا شرک اور کفر میں ملوث ہیں۔ جب اتنی اتنی بڑی قومیں عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو کر نابود ہو گئیں تو یہ کس کھیت کی مولی ہیں جو اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے ان کو ابھی سے سوچ لینا چاہیئے، وگرنہ جب خدا تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے تو پھر کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔

اچانک عذاب کا انکار

فرمایا اب ان کفار و مشرکین کی حالت یہ ہو چکی ہے وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً اور یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک ہی چیخ کا جو آکر ان کا کام تمام کر دے۔ قومِ شعیب پر ایک چیخ ہی تو آئی تھی جس سے اُن کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ یہ مکے کے کافر بھی کسی ایسی ہی ایک چیخ کے منتظر ہیں جو ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ فرمایا کیا یہ ایسی چیخ چاہتے ہیں مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ کہ جس کے لیے کوئی وقفہ بھی نہیں ہوگا۔ دراصل فواق عربی میں اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیان کیا جاتا ہے۔ کچھ دودھ دوہ کر رک جاتے ہیں تاکہ مزید دودھ تھنوں میں اتر آئے تو اس کو بھی نکال لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا عذاب آئے گا تو پھر اس میں اتنا وقفہ بھی نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ اچانک ہی آجائے گا۔ اور ان کی تمام تدابیر دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ قیامت کے متعلق بھی اللہ کا فرمان ہے کہ وہ اچانک آئے گی۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا کہ قیامت کے برپا ہونے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (آیت ۱۸۷) مگر وہ اچانک ہی آجائے گی اور کسی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ تو فرمایا کیا یہ کفار و مشرکین بھی کسی اچانک وارد ہونے والی چیز کے منتظر ہیں جو آکر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور جس کے لیے کوئی وقفہ بھی نہ ہو؟

حصولِ حصہ میں جلد بازی

فرمایا، ان لوگوں کی بدبختی ملاحظہ کریں وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا

قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! جلدی کر دے ہمارے لیے ہمارا حساب کے دن سے پہلے ہی۔ یعنی ہمیں جو کچھ دینا ہے وہ اسی دنیا میں دے دے ہم قیامت کے دن کا انتظار نہیں کر سکتے درحقیقت کفار و مشرکین یہ مطالبہ تمسخر کی بنا پر کرتے تھے۔ اللہ کا نبی ڈراتا تھا کہ کفر و شرک اور معاصی سے باز آجاؤ ورنہ قیامت والے دن عذاب میں پکڑے جاؤ گے اور پھر تمہارا کوئی عذر قابل سماعت نہیں ہوگا۔ اس پر وہ کہتے کہ تم اپنے لیے جنت کی امید رکھتے ہو اور دوزخ کے عذاب سے ڈراتے ہو۔ اگر ایسا کوئی وقت آنے والا ہے، قیامت برپا ہو کر حساب کتاب کی منزل آنی ہے اور پھر جزا اور سزا کا فیصلہ ہونا ہے تو ہم اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے۔ اے پروردگار! ہمیں ثواب یا عذاب میں سے جو بھی دینا ہے اسی دنیا میں دے دے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ وہ کیسا عذاب ہے جس سے یہ پیغمبر ہمیں خوفزدہ کر رہا ہے اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں کو مشرکین کی ان مکروہ باتوں پر صبر کی تلقین کی ہے اور تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ دیکھیں کہ ان مکذبین کا کیا انجام ہوتا ہے:-

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا
دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿١٧﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ
مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ
مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ
اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ
خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا
بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾
اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ
اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ
فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا

لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ:۔ صبر کریں آپ اُس بات پر جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا جو قوت والے تھے۔ بیشک وہ رجوع رکھنے والے تھے ﴿۱۷﴾ تحقیق ہم نے مسخر کر دیا تھا پہاڑوں کو اُس کے ساتھ وہ تسبیح کرتے تھے پچھلے پہر اور صبح کے وقت ﴿۱۸﴾ اور پرندے بھی اکٹھے کیے ہوئے ہر ایک اُس کی طرف رجوع رکھنے والا ہے ﴿۱۹﴾ اور ہم نے مضبوط کر دیا اس کی بادشاہی کو اور دی ہم نے اُس کو حکمت اور فیصلہ کن بات ﴿۲۰﴾ اور کیا آئی ہے آپ کے پاس خبر جھگڑا کرنے والوں کی، جب کہ پھاند لیا انہوں نے عبادت خانے کی دیوار کو ﴿۲۱﴾ جب داخل ہوئے وہ داؤد علیہ السلام کے پاس تو آپ گھبرا اٹھے اُن سے۔ انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں، ہم جھگڑا کرنے والے ہیں۔ ہم میں سے بعض نے بعض پر سرکشی کی ہے۔ آپ فیصلہ کریں ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ۔ اور کوئی زیادتی نہ کریں، اور راہنمائی کریں ہماری سیدھے رستے کی طرف ﴿۲۲﴾ بیشک میرے اِس بھائی کے لیے ننانوے ۹۹ دُنبیاں ہیں اور میرے لیے ایک دُنبی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ میری کفالت میں دے دو، اور غالب آگیا ہے مجھ پر بات میں ﴿۲۳﴾ کہا داؤد علیہ السلام نے البتہ تحقیق اس نے بے انصافی کی ہے تمہاری

دُنبی مانگنے کے ساتھ اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے لیے۔ اور بیشک بہت سے شریک البتہ بعض اُن میں سے بعض پر سرکشی کرتے ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، اور ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں۔ اور خیال کیا داؤد علیہ السلام نے کہ بیشک ہم نے اُن کو آزمائش میں ڈال دیا ہے، پس بخشش طلب کی اُس نے اپنے پروردگار سے اور گر پڑے وہ رکوع کرتے ہوئے اور رجوع ہوئے وہ اللہ کی طرف (۲۴) پس بخشش دیا ہم نے اُن کو اُن کا یہ قصور، اور بیشک اُن کے لیے ہمارے پاس البتہ مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا (لوٹ کر جانے کی جگہ) (۲۵)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کا رد کیا جو اس بات پر استعجاب کرتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام نے تمام معبودوں کی بجائے صرف ایک معبود کی طرف دعوت دی ہے۔ اس دعوت کے جواب میں مشرکین نے کہا کہ اس شخص کی بات نہ مانو بلکہ اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ کہنے لگے یہ شخص جھوٹ موٹ گھڑ کر لے آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہی ایک شخص کو نزولِ وحی کے لیے منتخب کر لیا گیا ہو اس منصب کے لیے تو کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیئے تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ رسالت کے ان منکرین نے ابھی ہماری سزا کا مزا نہیں چکھا۔ نیز فرمایا کہ ان کے پاس خدا کی رحمت کے خزانے ہیں کہ جس کو چاہیں دیں اور جس سے چاہیں روک لیں۔ آسمان و زمین کی بادشاہی تو اللہ کے پاس ہے۔ ان کے پاس کیا ہے؟ اگر ان کے پاس کوئی اختیار ہے تو یہ رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جائیں اور ہمارے نبی کو عطا ہونے

والی نبوت کو روک لیں ۔

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں مشرکین کی ایذا رسانیوں پہ دل برداشتہ نہ ہوں۔ اس قسم کا سلوک سابقہ انبیاء سے بھی ہوا۔ سابقہ اقوام بھی تکذیب رسل کی مرتکب ہوئیں جس کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور وہ سب ملیامیٹ ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ بھی اس بات کے منتظر ہیں کہ یکدم کوئی آسمانی چیخ آئے جو ان سب کے جگر پھاڑ کر ان کو نیست و نابود کر دے؟ یہ اتنے بے ادب اور گستاخ ہیں کہ کہتے ہیں ہمیں جو بھی جزا یا سزا ملنی ہے ابھی مل جائے ہم قیامت کا انتظار نہیں کر سکتے ۔

صبر کی تلقین

ارشاد خداوندی ہے ، اے پیغمبر! اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ یہ مشرک لوگ جو کچھ کہتے ہیں اور جس قسم کی بیہودہ اور اذیت ناک باتیں کرتے ہیں آپ اس پر صبر کریں۔ صبر دین ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے۔ انسانی زندگی میں صبر کرنے کے بہت سے مواقع آتے ہیں۔ مثلاً اطاعت گزاری کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ معاصی سے بچنے کے لیے بھی صبر کرنا پڑتا ہے۔ مصائب و تکالیف میں صبر کرنے سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اصول کے پیش نظر آپ مشرکین کی ساری بیہودگیوں اور کٹ حجتیوں پر صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ صبر کے علاوہ دین ابراہیمی کے دیگر بڑے بڑے اصول یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا۔ کفر و شرک سے نفرت و بیزاری خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا۔ شعائر اللہ کی

داؤد علیہ السلام کا تذکرہ

تعظیم ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے صبر کی مثال کے طور پر اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ۔ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ آپ ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کریں جو صاحب قوت تھے۔ ذَا الۡاَیۡدِ کا لغوی معنی ہے ہاتھوں والے اور مطلب یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو غیر معمولی جسمانی قوت سے نوازا تھا حتٰی کہ آپ کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ بغیر تپائے اس سے زرہیں بناتے تھے اور اس طرح ہاتھوں کی کمائی سے رزق حلال کماتے تھے۔ آپ نے اللہ کے حکم سے اُس دور کے نبی کی قیادت میں جالوت پر فتح پائی تو اللہ نے آپ کو حکومت اور نبوت عطا فرمائی۔

اِس تذکرہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کی طرح داؤد علیہ السلام بھی معمولی حیثیت کے آدمی تھے، یہ کسی خاندانی بادشاہت کے مالک نہیں تھے بلکہ اپنی قوتِ بازو کے بل پہ جالوت کے مقابلے میں فتح پائی تو اس وقت کے بادشاہ طالوت کے بعد آپ کو حکومت بھی ملی اور نبوت بھی۔ یہ لوگ آپ پہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص کی مالی حالت اچھی نہیں۔ باغات اور کوٹھیاں نہیں، نوکر چاکر اور مال و دولت نہیں تو یہ نبی کیسے بن گیا، فرمایا آپ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی حکومت اور اس کے تمام لوازمات عطا کرے گا، اور یہ سب لوگ مغلوب ہو جائینگے

داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی تسبیح

فرمایا داؤد علیہ السلام کو یاد کریں کہ وہ قوت والے تھے۔ نیز اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ آپ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے۔ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آپ کی بعض خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اِن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ نے آپ کو انتہائی درجے کی خوش الحانی عطا فرمائی تھی۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپکے ساتھ تسبیح میں ہم نوا ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ ہم نے اُن کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا یعنی اُن کے تابع کر دیا تھا۔ جب آپ نہایت خوش الحانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ تو آپ کے ساتھ پہاڑ بھی پچھلے پہر اور صبح کے وقت تسبیح بیان کرتے تھے۔ اس کا

کی حمد و ثنا بیان کرنے سے پہاڑوں کی بازگشت سنائی دیتی تھی جیسے ... میں سے جوابی آواز آتی ہے بلکہ اللہ نے پہاڑوں میں شعور پیدا کر دیا تھا اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں شامل ہو جاتے تھے۔ اور صرف پہاڑ ہی نہیں بلکہ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً اکٹھے ہوئے پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہو جاتے تھے۔ اسی خصوصیت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں اس طرح بیان فرمایا ہے وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ (آیت۔۷۹) ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا اور پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ تسبیح میں شامل ہو جاتے تھے۔ سورۃ سبا میں ہے ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضیلت بخشی يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ (آیت۔۱۰) اور پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ آپ کے ساتھ تسبیح میں شامل ہو جائیں۔ فرمایا كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع رکھنے والے ہیں۔ پہاڑوں اور پرندوں کے علاوہ شجر، حجر، انسان، درندے، کیڑے مکوڑے غرضیکہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجمعۃ-۱) زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (آیت-۴۴) کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم اُن کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

داؤد علیہ السلام کی دیگر خصوصیات

ارشاد ہوتا ہے وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ ہم نے آپ کی بادشاہی کو مضبوط کر دیا۔ سلطنت کی مضبوطی کا مطلب یہ ہے کہ جنگ و امن کے زمانے کے تمام لوازمات موجود تھے۔ عمالِ حکومت دیانتدار اور فوج چوکس

تھی، ضروریاتِ زندگی میسر تھیں اور لوگ خوشحال تھے، اور کسی دوسری سلطنت کو اس سلطنت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

فرمایا وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ ہم نے آپ کو حکمت بھی عطا فرمائی۔ حکمت کا معنی گہری دانشمندی اور عقل و فہم کی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی تھی۔ آپ صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت نبی اور رسول تھے، اور حکمت نبوت و رسالت کا ایک اہم حصہ ہے، اسی کے علاوہ فرمایا وَفَصْلَ الْخِطَابِ ہم نے آپ کو فیصلہ کُن خطاب بھی عطا فرمایا۔ آپ کی تقریر و بیان نہایت واضح ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو امورِ سلطنت کو نمٹانے کے لیے قوتِ فیصلہ بھی حد درجے کی دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اللہ کی طرف سے عطا کردہ عقل و فہم اور قادر الکلامی پر دلالت کرتی ہے۔

عبادت خانہ میں مداخلت

آگے اللہ تعالیٰ نے وہ واقعہ بیان کیا ہے جس کی بنا پر داؤد علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ کیا آپ کے پاس پہنچی ہے جھگڑا کرنے والوں کی خبر؟ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو اس واقعہ کا علم نہیں ہے تو اب بذریعہ وحی بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ جب کہ انہوں نے عبادت خانے کی دیوار کو پھلانگ لیا۔ یہاں پر محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں جیسا کہ اب رواج ہے بلکہ محراب کمرے کو کہتے ہیں اور اس سے مراد عبادت کرنے کا کمرہ ہے۔ محراب کا ذکر حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے، جب آپ کو یحییٰ بیٹے کی بشارت مل گئی فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (مریم - ۱۱) تو وہ اپنے عبادت خانہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو انہیں اشارے کے ساتھ کہا کہ صبح شام اپنے رب کو یاد کرتے رہیں۔

بہرحال یہ چھ سات لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانے کی دیوار پھلانگ کر اندر آ گئے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ نے امورِ سلطنت کی انجام دہی اور عبادت کے لیے اوقات مقرر کر رکھے تھے۔ جب آپ عبادت خانے میں ہوتے تو کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور اس ضمن میں پہریداروں کو سخت ہدایات دی گئی تھیں۔ اس کے برخلاف اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ جب وہ چھ سات آدمی داؤد علیہ السلام کے پاس داخل ہو گئے۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ تو داؤد علیہ السلام گھبرا گئے۔ یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کی عبادت کے دوران میں اس طرح کچھ لوگ ان کی تنہائی میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ آپ فوری طور پر پریشان ہو گئے۔ مگر قَالُوْا لَا تَخَفْ در آنے والوں نے کہا، آپ خوف نہ کھائیں۔ ہم کسی بری نیت سے یا آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں آئے بلکہ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ ہم دو مخالف فریق ہیں۔ جن میں سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے۔ ہم اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ پس ہمارے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں۔ وَلَا تُشْطِطْ اور کسی فریق کے ساتھ زیادتی نہ کریں بلکہ وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ہمیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کریں۔ ہم آپ کے پاس صرف فیصلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔

اپنا تعارف کرا لینے کے بعد شکایت کنندہ شخص نے اپنا مقدمہ فوراً ہی داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا۔ کہنے لگا اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس سے حقیقی بھائی مراد نہیں بلکہ محض دینی یا قومی بھائی مراد ہے کہ اس بھائی سے میرا جھگڑا ہے لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں وَلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ جب کہ میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا میرا یہ بھائی کہتا ہے کہ اپنی

ایک دنبی بھی میری کفالت میں دیدے یعنی میرے حوالے کر دے۔ وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ اور یہ بات چیت میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ گویا یہ زبردست آدمی ہے، اور میری واحد دنبی مجھ سے زبردستی چھین کر اپنی سوپوری کرنا چاہتا ہے۔ یہ شکایت سن کر داؤد علیہ السلام فوراً بول اٹھے قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ اور شکایت کنندہ سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دوسرے شخص نے تیری واحد دنبی اپنی دنبیوں کے ساتھ ملا لینے کا سوال کر کے بڑی زیادتی کی ہے۔ اور پھر ساتھ یہ بھی کہا وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ کہ بیشک بہت سے شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں یعنی امور شراکت میں اکثر قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ہاں مگر ایماندار لوگ جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔ وہ اس قسم کی زیادتی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اُن کے شراکتی معاملات خوش اسلوبی سے طے پاتے ہیں وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ مگر ایسے دیانتدار لوگ بہت قلیل تعداد میں ہیں، وگرنہ اکثریت کے معاملات میں گڑبڑ ہی پیدا ہوتی ہے۔

شراکتی کاروبار

مفسرین کرام نے خلطاء کے لفظ سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ شراکت کا کاروبار درست اور جائز ہے۔ چند آدمی یا دس بیس اشخاص مل کر کوئی تجارت وغیرہ کریں تو یہ کاروبار درست ہو گا۔ بشرطیکہ دیانت و امانت کا لحاظ رکھا جائے۔ اگر کاروبار میں کسی شراکت دار کی طرف سے بددیانتی ہو گی۔ تو کاروبار میں لازماً گڑبڑ ہو گی اور ایک دوسرے پر زیادتی بھی ہو گی، مگر ایماندار آدمی کسی خیانت کے مرتکب نہیں ہوتے۔ ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم رہتا ہے اور انسان خیانت اور بددیانتی سے بچا رہتا ہے۔ مگر ایسے لوگ بہت کم تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو عجیب حال ہے۔ لوگ عموماً

بھی انجام دیتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ بددیانتی کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ جہاں تعلق باللہ درست ہوگا۔ وہاں بددیانتی نہیں ہوگی اور معاملات درست رہیں گے۔

داؤد علیہ السلام کی آزمائش

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ داؤد علیہ السلام نے گمان کیا کہ بےشک ہم نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یعنی آزمائے گئے ہیں فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا پس بخشش طلب کی اپنے رب سے۔ اور گر پڑے رکوع کرتے ہوئے سجدہ میں۔ وَأَنَابَ اور آپ تو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس لغزش کی بنا پر حضرت داؤد علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے کئی ایک وجوہات بیان کی ہیں۔ البتہ اسرائیلیات کا بیان تو سراسر جھوٹ اور بہتان طرازی پر مبنی ہے۔ اس بیان کے مطابق اوریاہ نامی ایک شخص کی بیوی بنت سبع بڑی خوبصورت عورت تھی حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر کسی طرح اس عورت پر پڑی تو پسند آگئی۔ آپ نے بلا کر گھر میں رکھ لیا اور پھر اس سے (العیاذ باللہ) بدکاری بھی کی۔ اس عورت نے بتایا کہ اس کا تو خاوند بھی زندہ ہے جو آپ کی فوج میں عہدیدار ہے۔ پھر داؤد علیہ السلام نے اپنے راستے کے اس روڑے کو ہٹانے کے لیے یہ حیلہ کیا کہ اس فوجی افسر کو کسی جنگ کے اگلے مورچوں پر تعینات کر دیا۔ وہ مارا گیا تو داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے نکاح کر لیا۔ البتہ نکاح سے پہلے بدکاری کرنے کے نتیجے میں آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ من گھڑت واقعہ سراسر جھوٹا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام تو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اس کے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی تھے۔ ان سے ایسی معصیت کے ارتکاب

کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اُن کے متعلق تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[1] بھی ہے کہ داؤد علیہ السلام کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ یعنی آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، انہوں نے عبادت خانے کا نظام اس طریقے سے قائم کر رکھا تھا کہ اُن کا عبادت خانہ کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خود، آپ کی کوئی بیوی یا گھر کا کوئی دوسرا فرد ضرور عبادت خانے میں عبادت میں مصروف ہوتا تھا۔ تو ایسے مقرب الی اللہ پہ بدکاری کا الزام لگانا بجائے خود ایک نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ اسی لیے تفسیری روایات[2] میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ حکمنامہ جاری کیا تھا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اوریاہ کی بیوی والا قصہ منسوب کریگا اُسے کوڑے لگائے جائیں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے[3] ہیں کہ بائیبل کا قصہ تو جھوٹا ہے، البتہ اس کا کچھ حصہ لغویات سے الگ کر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ کہ داؤد علیہ السلام نے کسی عورت کو اپنے نکاح میں لانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا حالانکہ وہ عورت پہلے سے منکوحہ تھی بس اس خواہش کے اظہار پہ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا کہ آپ جیسے جلیل القدر پیغمبر کے دل میں یہ خواہش بھی پیدا نہیں ہونی چاہیے تھی۔ تاہم بعض دوسرے مفسرین اس واقعہ کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے[4] ہیں کہ دیوار پھلانگ کر آنے والے انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے اور دنبیوں کا واقعہ حقیقی واقعہ نہیں تھا، بلکہ فرشتوں نے محض تمثیل کے طور پہ بیان کیا تھا اور اس سے داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کرنا مقصود

---

[1]

[2]

[3]

[4]

تھا۔ بعض کہتے ہیں[1] کہ جب شکایت کنندہ نے اپنی شکایت پیش کی تو داؤد علیہ السلام نے فوراً فیصلہ دے دیا کہ ننانوے دنبیوں کے مالک کو ایک مزید دنبی کا مطالبہ کرنا بڑی زیادتی ہے۔ کسی مقدمہ کو نمٹانے کے لیے ضروری ہے کہ فریقین کی بات سننے کے بعد فیصلہ صادر کیا جائے۔ مگر داؤد علیہ السلام نے صرف شکایت کنندہ فریق کی بات سن کر فوراً فیصلہ کر دیا اور فریق ثانی کو صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی، لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کرنے کے لیے آزمائش میں ڈال دیا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں[2] کہ دنبیوں والے قصے کی کوئی حقیقت نہیں، یہ تو ایک مثال تھی۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مستدرک حاکم میں منقول ہے کہ داؤد علیہ السلام نے نظام حکومت نہایت اعلیٰ درجے پر قائم کر رکھا تھا۔ آپ کی سلطنت میں ہر چیز کی فراوانی تھی اور رعایا خوشحال تھی۔ اُدھر عبادت خانے کا نظام بھی کمال درجہ کا تھا جس کی وجہ سے یہ عبادت خانہ شب و روز میں کسی لمحہ بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ تو داؤد علیہ السلام کے دل میں استعجاب پیدا ہوا کہ انہوں نے کیسے اچھے نظام قائم کر رکھے ہیں۔ بس یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی۔ کہ تمہیں اپنے نظام کی حسن کارکردگی تو نظر آگئی ہے مگر میری توفیق کی طرف نگاہ نہیں اٹھی کہ جس کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ اتنی سی بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آگئی اور دیوار پھاند کر آنے والے فرشتوں نے عبادت خانے میں مخل ہو کر اس کا نظام درہم برہم کر دیا۔ داؤد علیہ السلام کو اپنی لغزش کا فوراً احساس ہوگیا اور انہوں نے رب تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی اور ساتھ ہی سجدہ ریز ہوگئے۔ اللہ نے فرمایا فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ پھر ہم نے داؤد علیہ السلام

---

[1] لے

[2] ـے

کا یہ قصور معاف کر دیا۔ وَاِنَّ لَہٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی بے شک ان کے لیے ہمارے
ہاں مرتبہ ہے وَحُسۡنَ مَاٰبٍ اور لوٹ کر جانے کا اچھا ٹھکانا بھی اللہ نے
آپ کا قصور معاف کر کے آخرت میں اعلیٰ قدر و منزلت کی طرف بھی اشارہ
کر دیا۔ آپ قیامت کے دن نبیوں اور عادلوں کا درجہ پائیں گے اور حدیث
میں ہے کہ عادل لوگ نور کے منبروں پہ رحمان کے دائیں جانب ہوں گے
حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں اس کے دوست
اور مقرب ترین لوگ عادل بادشاہ ہوں گے، اور سب سے زیادہ دشمن اور سخت
عذاب میں مبتلا ظالم حکمران ہوں گے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام
کی دُنیا و آخرت میں کامیابی کی بشارت بھی سُنا دی۔

سجدہ تلاوت

اس درس میں سجدہ کی آیت بھی آئی ہے جس کے پڑھنے سُننے سے سجدہ
تلاوت لازم آتا ہے، البتہ اس مقام کو اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے
کہ یہاں پہ لفظ سُجَّدًا کی بجائے رَاکِعًا آیا ہے جس کا معنیٰ رکوع کرنا ہوتا
ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہاں پہ سجدہ کرنا ضروری ہے یا صرف رکوع کرنے
سے بھی تعمیل حکم ہو جائے گی۔ نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقام پہ سجدہ کر کے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کا یہ سجدہ
توبہ کے لیے تھا اور ہمارا سجدہ شکر کے لیے ہے۔ مسند احمد میں حضرت
ابوسعید خدریؓ کا بیان[1] ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں سورۃ صٓ
لکھ رہا ہوں۔ پھر جب میں آیت سجدہ پہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میرا قلم دوات
اور آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضور علیہ السلام
کے سامنے سنایا تو پھر آپ بھی اس آیت کی تلاوت کرتے وقت برابر سجدہ کرتے
رہے۔ ترمذی شریف[2] میں ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت

---

[1] مسند احمد ص　　[2] ترمذی ص

میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ جب میں نے سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ درخت یہ دعا کر رہا تھا اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ اَجْرًا وَّاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَکَ ذُخْرًا وَّضَعْ بِھَا عَنِّیْ وِزْرًا وَّاقْبَلْھَا مِنِّیْ کَمَا قَبِلْتَھَا مِنْ عَبْدِکَ دَاوٗدَ اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو اپنے پاس میرے لیے اجر اور خزانے کا سبب بنا دے، اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے اسی طرح قبول فرما لے جس طرح تو نے داؤد علیہ السلام کے سجدے کو قبول کیا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدے میں وہی دعا پڑھی جو اس شخص نے درخت سے سنی تھی۔ بہرحال مفسرین کرام اس مقام پر سجدے کے وجوب کے حق میں بعض دیگر دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ البتہ امام شافعیؒ اس مقام پر سجدے کے قائل نہیں۔ اُن کے مطابق سورۃ حج میں دو سجدے ہیں۔ آیت نمبر ۱۸ پر سجدے کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ البتہ امام شافعیؒ آیت نمبر ۷۷ پر بھی سجدہ کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ اس مقام پر لفظ رَاکِعًا آیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں یہ آیت تلاوت کرنے کے فوراً بعد سجدے کی نیت سے رکوع میں چلا جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ مزید سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کرے اور پھر اُٹھ کر مزید تلاوت کرے اور پھر رکوع میں جائے جیسا کہ عام معمول ہے اور اگر یہ آیت نماز کے علاوہ تلاوت کی ہے، تو پھر لازماً سجدہ کرنا ہوگا جس کیلئے باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا اور پیشانی کا زمین پر رکھنا ضروری ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ :- اے داؤد (علیہ السلام) ! بے شک ہم نے بنایا تجھ کو نائب زمین میں ۔ پس فیصلہ کر لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ ، اور نہ پیروی کرنا خواہش کی ۔ پس یہ تجھے بھٹکا دیگی اللہ کے راستے سے ۔ بیشک وہ لوگ جو بھٹکتے ہیں اللہ کے راستے سے اُن کے لیے عذاب ہے سخت ، اس وجہ سے کہ انہوں نے فراموش کر دیا

حساب کے دن کو (۲۶) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے بیکار۔ یہ گمان ہے اُن لوگوں کا جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ پس خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا دوزخ کی آگ سے (۲۷) کیا ہم ٹھہرائیں گے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے اُن کے برابر جو فساد کرتے ہیں زمین میں۔ یا ہم بنا دیں گے متقیوں کو فاجروں کی طرح (۲۸) یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف برکتوں والی تاکہ لوگ غور و فکر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقلمند لوگ (۲۹)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے کفار کی طعن و تشنیع اور غلط بیانی پر حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو صبر کی تلقین کی۔ پھر داؤد علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ بھی ابتداً آپ کی طرح نادار ہی تھے۔ کوئی جدی پشتی بادشاہ نہیں تھے۔ نہ اُن کے پاس مال و دولت تھا، مگر اللہ نے اُن کو بے انتہا قوت عملی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے سخت محنت اٹھائی اور جہاد میں کامیابی حاصل کی تو اللہ نے اُن کو نبوت اور خلافت دونوں چیزیں عطا فرمائیں۔ فرمایا آپ مطمئن رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی وسیع سلطنت عطا کرے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا تذکرہ کیا۔ کچھ لوگ دیوار پھاند کر اُن کے عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے وہ گھبرا گئے اور عبادت خانے کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سجدہ ریز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ کوتاہی معاف فرما دی اور بلند مرتبہ عطا فرمایا، وہ اللہ کے ہاں

اچھے ٹھکانے کے مکین ہیں۔

خلافتِ ارضی

اب آج کی ابتدائی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا ذکر فرما کر اُن کو اس کے اصولوں اور فرائض سے آگاہ کیا ہے ارشاد ہوتا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے آپ کو زمین میں نیابت یا خلافت بخشی ہے بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی حضرت آدم علیہ السلام کے سپرد کی تھی جیسا فرمایا وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ۔۳۰) جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو زمین پر میرا نظام جاری کرے۔ تو خلیفہ کا معنی نائب ہوتا ہے جو کسی دوسری اعلیٰ ذات کی طرف سے کسی کام کو انجام دے۔ اور پھر آدم علیہ السلام کی وساطت سے اللہ نے خلافت کا یہ بار نسلِ انسانی میں منتقل کر دیا۔ چنانچہ اللہ نے عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا بھلا کون پہنچتا ہے مضطرب کی پکار کو جب وہ اُس کو پکارتا ہے اور اُس کی تکلیف کو رفع کر دیتا ہے وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل۔۶۲) اور تمہیں زمین میں نائب بناتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نسل اور خاندان کے اعتبار سے ہم اپنے آباؤ اجداد کے نائب ہیں۔ جب وہ نہیں رہے تو اُن کی نیابت ہم انجام دے رہے ہیں۔ اور جب ہم نہیں ہوں گے تو ہمارے جانشین آئندہ آنے والے لوگ ہوں گے اور کہیں خلافت و نیابتِ الٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کو زمین میں نافذ کرنا ہے آدم علیہ السلام کی خلافت سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اور پھر نفاذ احکامِ الٰہی کی ذمہ داری اللہ نے نسلاً بعد نسلٍ آنے والے لوگوں پر ڈال دی۔ اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین پر خلافت عطا کی۔

سورۃ نور میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کی امت سے وعدہ فرمایا تھا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (آیت ۵۵) میں انہیں بھی زمین میں ایسی ہی خلافت بخشوں گا جیسی پہلے لوگوں کو عطا کی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو مخاطب کر کے یہ وعدہ فرمایا اُن کو بتلا دیا کہ خلافت الٰہی کے حصول کے لیے بعض شرائط بھی پوری کرنا ہوں گی۔ چنانچہ اُن شرائط میں ایک شرط ہجرت بھی تھی یعنی خلافت کا حقدار وہ ہوگا جو اپنا گھر بار اور وطن اللہ کے دین پر قربان کر دیگا۔ یہ شرط چاروں خلفائے راشدین میں پائی جاتی تھی۔ لہٰذا خلافت کے اس وعدے کو اللہ نے اس امت کے ابتدائی دور میں پورا فرمایا اور خلفائے راشدین کو بے مثال خلافت عطا فرمائی۔ موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت رسول تھے اور ساتھ ساتھ آپ خلیفۃ فی الارض بھی تھے۔ اسی طرح بعض دوسرے انبیاء اور لوگوں کو بھی نیابت و خلافت عطا ہوئی جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

فرائض خلافت
اور اعمال

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں خلافت عطا فرمائی تو اس کے ساتھ کچھ فرائض اور ذمہ داریاں بھی سپرد کیں۔ چنانچہ پہلی ذمہ داری یہ ڈالی فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ آپ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ پیغمبر! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (النساء ۱۰۵) تاکہ آپ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کریں۔ پھر اللہ نے عدل و انصاف کو عام لوگوں کے لیے بھی ضروری قرار دیا۔ فرمایا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدۃ ۸) انصاف کرو کہ یہ چیز تقویٰ کے قریب تر ہے۔ یہ محض ترغیب تھی آگے اللہ نے حکماً فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل-۹۰) اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے مَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْهِ اللّٰہُ رَعِیَّةً یَمُوْتُ یَوْمَ یَمُوْتُ وَھُوَ غَاشٌّ لِرَعِیَّتِهٖ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ جس بندے کو اللہ تعالیٰ رعیت کا راعی، حاکم، امیر یا خلیفہ بنائے اور پھر وہ رعیت کے حق میں خیر خواہی نہ کرے، تو فرمایا ایسا شخص جہنم کا سزاوار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رعیت کے لوگوں کو تو ایمان اور سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچا دے گا۔ مگر ظالم اور غیر عادل حکمرانوں کو جہنم میں داخل کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ خلافت ایک امانت ہے جو اللہ نے انسانوں کے سپرد کی ہے اور یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔

(۲) خواہش کا عدم اتباع

اللہ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ خلافت کی پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل کرو اور دوسری یہ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی اور آپ خواہش کی پیروی نہ کریں۔ اگر ایسا کیا فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تو یہ چیز آپ کو اللہ کے راستے سے بہکا دے گی۔ گمراہی کے اسباب میں سے خواہش کی پیروی بھی ایک سبب ہے اور یہ بہت بری خصلت ہے کہ حق و انصاف پر مبنی فیصلہ کرنے کی بجائے کوئی شخص اپنی مرضی چلائے۔ اتباعِ ہوئی اس قدر مہلک بیماری ہے کہ اللہ نے فرمایا اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ ھَوٰهُ (الجاثیہ-۲۳) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے خواہش کو ہی معبود بنا لیا ہے۔ اس کی ڈور خواہش کے ہاتھ میں ہے، وہ جدھر چاہتی ہے آدمی کو لے جاتی ہے اور انسان عدل و انصاف کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ حدیث شریف سے یہ مفہوم بھی اخذ ہوتا ہے کہ جن چیزوں کی دنیا میں پوجا کی جاتی ہے ان میں سب سے خطرناک

چیز انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ گویا حق کے راستے میں ایک رکاوٹ تو خواہش ہے اور دوسری رشوت ہے۔ یہ بھی مہلک بیماری ہے جس کو لگ جائے۔ جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ فرمایا تیسری چیز جہالت ہے کہ انسان حقیقت حال معلوم کیے بغیر لاعلمی میں ہی کوئی فیصلہ کر دے۔ ان تینوں قسم کے لوگوں کو حضور علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔

خلیفہ ولید کے سامنے حق گوئی

مروان کے چاروں بیٹے اور آگے اُن کی اولاد خاندانِ بنوامیہ کے خلیفہ گزرے ہیں۔ کسی نے ولید ابن عبدالملک خلیفہ وقت پر نکتہ چینی کی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی کوئی بڑا آدمی ہوگا، وگرنہ معمولی آدمی تو خلیفہ کے متعلق ایسی بات نہیں کر سکتا۔ اُس شخص کی تنقید سن کر خلیفہ نے کہا، کیا خلفاء کے متعلق بھی ایسی بات کی جا سکتی ہے؟ میں چھتیس لاکھ مربع میل جیسی وسیع سلطنت کا خلیفہ ہوں اور تم مجھ سے ایسی بات کرتے ہو۔ وہ شخص صاحبِ علم تھا کہنے لگا، امیرالمومنین! یہ بتائیں کہ آپ کی حیثیت زیادہ ہے یا حضرت داؤد علیہ السلام کی جو منصب خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی اور رسول بھی تھے۔ اُن کو اللہ نے یہی حکم دیا تھا۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى یعنی لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور خواہشات کی پیروی نہ کرنا داؤد علیہ السلام تو اللہ کے معصوم نبی تھے، پھر بھی آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ تو آپ اپنے آپ کو کیا حیثیت دیتے ہیں جب کہ آپ صرف خلیفہ ہیں اور آپ کو نہ نبوت عطا کی گئی ہے، نہ کتاب اور نہ شریعت، مزید برآں داؤد علیہ السلام کو اللہ نے براہ راست خلافت عطا فرمائی تھی يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ اے داؤد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین میں خلافت عطا کی ہے، جب کہ آپ تو نسلی طور پر خلیفہ ہیں۔ بات درست تھی لہٰذا ولید کوئی جواب نہ دے سکا۔

حکام کے لیے وعید

آگے اللہ تعالیٰ نے خلفاء، حکام، قاضیوں اور ججوں کو وعید بھی سنائی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جو لوگ خواہش کا اتباع کر کے اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور عدل و انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ کہ انہوں نے حساب کے دن یعنی محاسبۂ اعمال کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعید کسی خاص خلیفہ، خاص قوم یا خاص زمانے کے لیے نہیں بلکہ یہ وعید ہر زمان و مکان کے خلفاء، حاکموں، ججوں، قاضیوں اور صاحب اقتدار لوگوں پر یکساں طور پر لاگو ہے۔ جو بھی اللہ کی وعید کی زد میں آئے گا۔ عذابِ شدید کا مستوجب ہوگا۔ جج ایک با اختیار حاکم ہوتا ہے جو دائرۂ قانون میں رہتے ہوئے اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ حق و انصاف سے انحراف کر کے رشوت، سفارش، خواہش یا اقربا پروری کو فیصلے کی بنیاد بنائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ ظالموں کی فہرست میں شمار ہوگا۔ اور ابدی سزا کا مستحق بنے گا۔ آج ہم اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ حق و انصاف کا دور دورہ ہے یا ظلم و جور کا۔ ہر حکومت سستا انصاف مہیا کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ مگر یہ آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ۔ آج کے زمانے میں تو انصاف خریدنا پڑتا ہے۔ جس کے پاس پونجی ہے اُس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور دوسرا فریق منہ دیکھتا رہ جائے گا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈر جانا چاہیئے اور عدل و انصاف کو قائم کرنا چاہیئے

دُنیا میں قیامت اور انصاف

اِس دنیا میں تو حصولِ انصاف جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ ایک تو حکام، قاضی اور ججوں کی غفلت، پھر اُن میں خواہش، رشوت اور سفارش کی لعنت، مقدمات کی پیچیدگی اور وکلاء کی طرف سے حقائق پوشی اور عدالتوں کو گمراہ کرنے کی کوشش، ایسے میں انصاف کہاں سے آئے گا؟ کم از کم اس

دنیا میں تو انصاف کا حصول ممکن نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو
ٹھیک ٹھیک انصاف مہیا کرنے کے لیے یوم الدین یعنی انصاف کا ایک
دن مقرر کیا ہے۔ اُس دن تمام فیصلے قطعی اور مبنی بر حق و انصاف ہوں گے
کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی اور ہر حقدار کو پورا پورا حق دلایا جائے گا۔ آج
تو مجرم بچ جاتے ہیں اور بے گناہ پھنس جاتے ہیں مگر وہاں ایسا نہیں ہوگا
یہ قیامت کا دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی عدالت ہے کہ جہاں ہر شخص کو
فرداً فرداً پیش ہو کر اپنا حساب چکانا ہوگا اور جہاں کسی کی طرف سے کوئی
وکیل بھی پیش نہیں ہوگا۔ صحیح فیصلے اس وقت ہی ہوں گے۔ چنانچہ وقوع
قیامت اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس دنیا میں کی گئی ظلم و زیادتی اور حق تلفی
کی تلافی ہو سکے اور ٹھیک ٹھیک فیصلے ہو سکیں آج اگر دنیا میں حق و انصاف
کا دور دورہ شروع ہو جائے تو یہ زمین بھی امن و امان کا گہوارہ بن جائے۔ اور
سارا شر و فساد مٹ جائے۔

مقصد تخلیق انسانی

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض نشانات کا تذکرہ فرمایا ہے
ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا
ہم نے آسمان و زمین اور اُن دونوں کے درمیان کی چیزوں کو محض بیکار پیدا
نہیں کیا۔ تم سمجھتے ہو کہ نظام کائنات خود بخود بغیر کسی مقصد کے چل رہا ہے
فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت، تامہ اور حکمت
بالغہ کا شاہکار ہے اللہ نے اس کو فضول نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ مقصد
ہے۔ فرمایا اگر کوئی سمجھتا ہے کہ کائنات کا پورا نظام فضول ہے، اُس کی کوئی
افادیت نہیں ... اور نہ اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد
ہونے والا ہے۔ بلکہ انسان دنیا میں ایک جانور کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ زندگی
پوری کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ نہ آنے کا کوئی مقصد اور نہ جانے کا کوئی حساب
فرمایا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا یہ تو کفر کرنے والوں کا گمان ہے

ایسا خیال تو وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کا ہی منکر ہے ورنہ کوئی صاحبِ ایمان اور صاحبِ عقل شعور آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ زمین اور آسمان کے درمیان پیدا ہونے والی مخلوقات میں اشرف المخلوقات خود انسان کا وجود ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَكَ سُدًی (القیٰمۃ۔۳٦) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اُسے یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ہم نے تو اُسے بیکار محض پیدا نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذٰریٰت۔٥٦) ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ تخلیقِ حیات کا مقصد اللہ کی پہچان ہے۔ یہ سلسلہ دنیا کا آغاز ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کا آغاز ہے اس کا انجام بھی ضرور ہو گا۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر شخص کو قطعی جزا یا سزا ملنے والی ہے۔ اور اس کے لیے اللہ نے قیامت کا دن مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اس سارے نظام کو باطل تصور کرنا کافروں کا شیوہ ہی ہو سکتا ہے۔ فرمایا فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ پس تباہی اور بربادی ہے آگ سے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا۔ انہیں جہنم کی آگ کا مزہ چکھنا ہوگا۔

نیک و بد میں امتیاز

آگے اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے انداز میں فرمایا ہے اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ کیا ہم اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ انجام دینے والوں کو فساد فی الارض کرنے والوں کے برابر کر دیں گے؟ ایک طرف اللہ کی توحید پر ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنے والے ہیں، اور دوسری طرف کافر، مشرک اور بدعتی ہیں، ظلم و زیادتی اور قتل و غارتگری کرنے والے لوگ ہیں، لوگوں کے حقوق کے غاصب ہیں، دین اور شریعت کے مخالف ہیں، اِن لوگوں کے اخلاق، عمل اور اعتقاد میں فساد بھرا ہوا ہے تو یہ مومنوں اور اعمال صالحہ انجام دینے والوں کی طرح کیسے ہو سکتے

ہیں؟ فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ نیز فرمایا أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ کیا ہم اللہ کے متقی اور پرہیزگار بندوں کو جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ فاجروں اور فاسقوں کے برابر کر دیں گے؟ یہ تو بے انصافی اور اندھیر نگری ہوگی۔ اس کو عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتی چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے جو احکم الحاکمین اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔

نیکی اور بدی میں امتیاز کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان کتاب نازل فرمائی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ اے پیغمبر! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی ہے مُبٰرَكٌ جو کہ بڑی ہی بابرکت ہے۔ مگر یہ برکات اُس شخص کے لیے ہیں جو اس کو اللہ کی سچی کتاب تسلیم کرتا ہے اور اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ اس کتاب کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے پروگرام کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں اُن کے لیے یہ کتاب بابرکت نہیں ہو سکتی بلکہ وَلَا يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل-۸۲) ایسے لوگوں کے لیے تو یہ کتاب مزید نقصان کا باعث ہی ہوتی ہے۔ البتہ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (بنی اسرائیل-۸۲) اہل ایمان کے لیے یہ شفا اور رحمت ہے۔ بہرحال فرمایا حق و باطل، نیک و بد، اہل ایمان اور فاسق و فاجر میں امتیاز کرنے کے لیے اس کتاب کو کلیدی حیثیت حاصل ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔

تدبر فی القرآن

اور اس کتاب کی غایت یہ ہے لِيَدَّبَّرُوا اٰيٰتِهٖ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں۔ ظاہر ہے کہ نیک و بد میں امتیاز بھی جبھی ہوگا جب کلام الٰہی میں غور و خوض کیا جائے گا۔ اور غور کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اس کتاب کو سنے۔ پھر دوسرا درجہ اس کو سمجھنے کا۔ تیسرا اس کے معمولوں کو جاننے کا، چوتھا اس پر عمل کرنے کا اور پانچواں درجہ اس کو آگے

پہنچانے کا ہے۔ گویا تدبر میں الفاظ بھی شامل ہیں، معانی بھی اور اصول بھی۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس زمانے میں کوئی بھی شخص اللہ کی کتاب میں غور و فکر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ کسی نے بہت زیادہ کیا تو تھوڑی بہت خالی تلاوت کر لی اور بس، ورنہ اس کتاب حکیم کے معانی و مطالب کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ مگر جب ہم ماحول پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس زمانے میں محض تلاوت کر لینا بھی لبا غنیمت ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک مسلمان صبح کی نماز ادا کرتے، اس کے بعد ہر گھر سے تلاوت قرآن پاک کی آوازیں آیا کرتی تھیں، مگر آج وہ آوازیں ختم ہو کر ریڈیو اور ٹیلیویژن کی آوازیں رہ گئیں ہیں جو ہر گھر سے صبح و شام سنائی دیتی ہیں۔ تاہم اس کتاب کا اصل مقصد خالی تلاوت نہیں بلکہ اس کو سمجھنا اور غور و تدبر کرنا ہے۔

اللہ نے کتاب کی دوسری غرض یہ بیان فرمائی ہے وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ تاکہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ نصیحت تو جبھی حاصل ہوگی جب لوگ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر اس کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی گئی اور محض چوم چاٹ کر اور غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا تو نصیحت کیسے آئیگی؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا قرآن کریم کے ساتھ غداری کرنے کے مترادف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عظیم المرتبت کتاب کی ظاہری تعظیم بھی ضروری ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے مگر یہ مقصود و منتہا تو نہیں ہے۔ اس کی غایت تو اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور پھر دوسروں تک پہنچانا ہے تاکہ سارے صاحب عقل لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔

نیکی اور بدی میں اس امتیاز کی وضاحت کے بعد اگلی آیات کا ربط پھر سابقہ مضمون کے ساتھ ہوگا۔ داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد آگے اللہ نے آپ کے جلیل القدر فرزند اور اللہ کے عظیم الشان نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے

بعض واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اُن کو بھی زندگی میں پریشانی لاحق ہوئی۔ تو انہوں نے بھی صبر کیا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا جا رہا ہے۔ کہ آپ بھی سابقہ انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے۔ مصائب و تکالیف پر صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہیں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

ترجمہ:- اور بخشا ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے (فرزند) سلیمان علیہ السلام بہت اچھا بندہ تھا۔ بیشک وہ رجوع رکھنے والا تھا ﴿۳۰﴾ جب پیش کیے گئے اس کے سامنے پچھلے پہر عمدہ تیز رفتار گھوڑے ﴿۳۱﴾ پس کہا اس نے تحقیق میں نے پسند کیا ہے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے، یہاں تک کہ سورج حجاب میں چلا گیا ﴿۳۲﴾ لوٹاؤ ان کو میری طرف، پس شروع کیا انہوں نے اور جھاڑنے لگے پنڈلیوں اور گردنوں کو ﴿۳۳﴾

ربط آیات

مشرکین کا رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان اور آپ کے رفقاء کو کفار کی ایذاء رسانیوں کے مقابلے میں صبر کی تلقین فرمائی اور اس ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا کہ انہوں نے بھی آزمائش کے وقت صبر و برداشت سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے ساتھ خلافت و حکومت

بھی عطا فرمائی اور آپ کے درجات کو بلند فرمایا، اس میں اشارہ تھا کہ آپ بھی پیش آمدہ تکالیف کو برداشت کریں۔ ایک وقت آنے والا ہے جب آپ کے مخالفین ناکام ہو جائیں گے اور کامیابی آپ ہی کے قدم چومے گی۔ پھر درمیان میں اللہ نے نصیحت کی کچھ باتیں بتائیں۔ پھر نیک و بد میں امتیاز کا ذکر ہوا اور ساتھ ساتھ اس امتیاز کو واضح کرنے والی عظیم کتاب قرآن حکیم کا بھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بابرکت کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحب عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

اب آج کی آیات کا ربط پھر سابقہ مضمون اللہ کے نبی اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آپ پر ہونے والے انعامات ہی کے ضمن میں ایک اور بڑے انعام کا ذکر ہے۔ جو اللہ نے آپ کو سلیمان علیہ السلام جیسا عظیم فرزند عطا کر کے فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ﴾ اور ہم نے بخشا داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا جلیل القدر فرزند، نبی اور رسول۔ ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ آپ اللہ کے بہت ہی خوب بندے تھے۔ ﴿إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے۔ رجوع الی اللہ والی صفت باپ اور بیٹا دونوں میں پائی جاتی تھی۔ اسی طرح اللہ نے دونوں کو نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا فرمائی مگر سلیمان علیہ السلام کی سلطنت تو بے مثال تھی اور باپ کی سلطنت سے بھی ممتاز تھی۔ آگے ذکر آ رہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ مولا کریم! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو ایسی بے مثال ہو کہ نہ پہلے کسی کو میسر آئی ہو اور نہ میرے بعد کسی کو حاصل ہو۔ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی۔ اتنی وسیع و عریض سلطنت کے امور کی دیکھ بھال آپ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ

انجام دیتے تھے۔ اور پھر امورِ سلطنت کی تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ اللہ کی طرف بھی رجوع رکھتے تھے اور اُس کی عبادت و ریاضت میں بھی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کُل انیس[19] بیٹے تھے جن میں سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا اور کمال درجے کی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی تھی۔ آپ کے فضائل سابقہ سورتوں انعام، نمل، انبیاء اور سبا وغیرہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اللہ نے جنوں، پرندوں اور ہوا کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا۔ قوتِ فیصلہ اس قدر وافر عطا فرمائی تھی کہ باپ کی موجودگی اور کم سنی کی عمر میں بھی بڑے بڑے فیصلے کر جاتے تھے۔

داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ صرف تیرہ سال کی عمر میں باپ کے جانشین بنے۔ اللہ نے فرمایا وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل-۱۶) اور انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ آپ نے چالیس سال تک بیمثال حکومت کی اور منصبِ رسالت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

سلیمان علیہ السلام کی ابتلاء

اب اگلی آیات میں سلیمان علیہ السلام کی ایک آزمائش کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ پر ایک معمولی سی کوتاہی کی بناء پر آئی۔ اس سورۃ مبارکہ میں آپ کی دو آزمائشوں کا ذکر آرہا ہے، اُن میں سے یہ پہلی آزمائش ہے جس کو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ جب کہ پیش کیے گئے آپ پر پچھلے پہر نہایت عمدہ، اصیل اور تیز رفتار گھوڑے۔ صفن ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو عام طور پر تین پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے یعنی تین پاؤں پر تو پورا وزن ڈالتا ہے جب کہ چوتھے پاؤں کا صرف اگلا سِرا زمین پر رکھتا ہے۔ نسلی اعتبار سے یہ عمدہ گھوڑے کی علامت ہے، جو کارکردگی کے لحاظ سے دوسرے گھوڑوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے اصطبل میں اس قسم کے ہزاروں

گھوڑے تھے جو جہاد میں استعمال ہوتے تھے اور سلیمان علیہ السلام کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کی دیکھ بھال خود کیا کرتے تھے۔

فرمایا اس قسم کے گھوڑے آپ کی خدمت میں سہ پہر کے وقت پیش کیے گئے۔ آپ ان کے معائنہ میں مصروف تھے۔ ہر ایک کو فرداً فرداً دیکھ رہے تھے کہ کسی گھوڑے میں کوئی نقص تو نہیں واقع ہو گیا۔ اسی کام میں وقت زیادہ لگ گیا اور جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ سورج غروب ہو گیا۔ اسی دوران یعنی غروب آفتاب سے پہلے آپ کی نماز یا دیگر عبادت کا وقت بھی تھا۔ آپ گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر محو تھے کہ آپ کی نماز کا وقت ہی جاتا رہا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

گھوڑوں سے محبت

جونہی آپ معائنہ سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے اس وقت آپ کو تشویش لاحق ہوئی کیونکہ نماز کا وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت آپ نے نہایت مغموم ہو کر کہا فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي افسوس کہ میں نے اپنے پروردگار کے ذکر سے مال کی محبت کو پسند کیا ہے۔ آپ کو دکھ ہوا کہ ان گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروفیت کی وجہ سے اُن کی نماز ضائع ہو گئی حالانکہ گھوڑوں پر ذکرِ الٰہی کو ترجیح دینی چاہیئے تھی حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ یہاں تک کہ سورج حجاب میں چلا گیا یعنی غروب ہو گیا اور عبادت کا وقت جاتا رہا۔

پہلی تفسیر

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر دو طریقوں سے کرتے ہیں اور دونوں تفسیریں درست ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي میں عَنْ بطور تعلیل ہے اور اس طرح معنیٰ یہ بنتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں نے ان گھوڑوں سے محبت کی ہے رب تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے۔ مطلب یہ کہ آپ کو ذکرِ الٰہی کے فوت ہو جانے پر ملال نہیں ہوا۔ بلکہ گھوڑوں کی دیکھ بھال اور ان سے محبت کو ذکر ہی کا حصہ قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ

گھوڑے جہاد میں کام آتے تھے اور اُن کی دیکھ بھال اور تربیت بھی جہاد ہی کا حصہ سمجھا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز فرض ہے تو اس کی ادائیگی کی تیاری کے لیے انجام دیے گئے جملہ امور وضو وغیرہ بھی اسی کے تحت آئیں گے اب ایک طرف جہاد جیسا اہم فریضہ ہے جس میں مال وجان کی بازی لگانا پڑتی ہے اور دوسری طرف زبانی ذکر ہے جس میں اللہ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو جہاد بھی اعلائے کلمۃ الحق کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور یہ بھی یادِ الٰہی کا ہی ایک حصہ ہے، لہٰذا جہاد کی تیاری میں ذکرِ الٰہی کا فوت ہو جانا کوئی خاص حرج والی بات نہیں ہے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے خادموں کو حکم دیا رُدُّوهَا عَلَيَّ ان کو میری طرف واپس پلٹاؤ۔ ظاہر ہے کہ گھوڑوں کی تربیت کی جا رہی ہو گی اور اس مقصد کے لیے انہیں دوڑایا جا رہا ہو گا، تو آپ نے فرمایا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ پس جب اُن کو آپ کے پاس لایا گیا۔ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ تو سلیمان علیہ السلام اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ مسح کے کئی معنی آتے ہیں۔ جن میں ہاتھ پھیر کر جھاڑ پونچھ کرنا بھی ہے اور ایسا محبت اور عزت و اکرام کی بناء پر کیا جاتا ہے۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام کو جہاد میں کام آنے والے عمدہ قسم کے گھوڑوں سے محبت تھی لہٰذا آپ نے اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔

دوسری تفسیر

ان آیات کی ایک تو یہ تفسیر ہے اور دوسری تفسیر جو عام طور پر اختیار کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب گھوڑوں کی دیکھ بھال میں سلیمان علیہ السلام کی عبادت کا فریضہ رہ گیا تو آپ کو اس پر سخت رنج ہوا۔ اور کہنے لگے "میں نے مال کی محبت کو ذکرِ الٰہی پر ترجیح دی ہے"۔ یہ مفسرین اَحْبَبْتُ کا معنی "میں نے ترجیح دی ہے" کرتے ہیں اور اس طرح انہوں نے اپنی اس کوتاہی پر اپنے آپ کو گویا ملامت کی کہ اُن سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال میں لگے

ہے اور نماز فوت ہو گئی یعنی آعَن ذِکرِ کو عَلیٰ ذِکرِ پر محمول کرتے ہیں۔ اور اس طرح مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ میں نے مال کی محبت کو ذکرِ الٰہی سے نہیں بلکہ ذکرِ الٰہی پر ترجیح دی۔ اس کی مثال قرآن پاک کی دوسری آیت میں بھی ملتی ہے وَمَن یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ۔ (محمد ۳۸)

جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفس پر بخل کرتا ہے۔ یہاں بھی عَن کا معنی عَلیٰ کے طور پر آیا ہے۔ اسی طرح بعض مفسرین نے اَحۡبَبۡتُ کا معنی قَعَدۡتُ لیا ہے یعنی میں مال کی محبت میں ذکرِ الٰہی سے بیٹھ گیا اور اس کی طرف توجہ نہ دی۔ مَسۡح کا معنی داغنا بھی آتا ہے اور نشان لگانا بھی۔ حضور علیہ السلام بعض جانوروں کو نشان لگا کر جہاد کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ البتہ آپ کا حکم تھا کہ ایسے جانوروں کو چہرے کی بجائے جسم کے کسی دوسرے حصے پر داغا جائے۔

مَسۡح کا معنی قَطَعَ بھی آتا ہے یعنی کاٹ دینا یا ذبح کر دینا۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درِ منثور میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ابی ابن کعبؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَسۡحًا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ سے مراد قَطۡعًا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ بِالسَّیۡفِ ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے ایک معتدبہ تعداد کی قربانی کر دی کیونکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے آپ کی فرض عبادت ضائع ہو گئی تھی۔ یہ روایت درجہ دوئم کی مرفوع حدیث ہے اور قابلِ اعتماد ہے۔ اس طرح گویا سلیمان علیہ السلام نے اپنی کوتاہی پر اپنے آپ کو سزا دینے کے لیے یا اپنی اصلاح کے لیے اپنے آپ کو گھوڑوں سے محروم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مثال خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ سے ملتی ہے۔ ابوجہمؓ صحابی نے شام کی بنی ہوئی خوبصورت نقش و نگار والی چادر یا کمبل حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے قبول فرمایا اور اوڑھ کر نماز ادا کی۔ وہ ان نماز آپ کی

توجہ کمبل کے نقش و نگار کی طرف مبذول ہوگئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا کہ یہ کمبل ابوجہمؓ کو واپس کر دو اور اس کی بجائے مجھے سادہ کمبل لا دو تاکہ صحابی کی دل شکنی نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو موطا میں مذکور ہے۔ آپ اپنے باغ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ باغ بڑا گھنا تھا۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا پرندہ درختوں کے گھنے پتوں میں داخل ہوا اور پھر وہیں پھنس کر رہ گیا اس کے پھڑپھڑانے کی وجہ سے ابوطلحہؓ کی توجہ اس طرف چلی گئی۔ آپ کو بڑا رنج ہوا کہ نماز میں خلل واقع ہوا ہے۔ چنانچہ آئندہ کسی ایسے وقوعہ سے بچنے کے لیے سارا باغ ہی اللہ کے راستے میں وقف کر دیا اور خود اس سے دست بردار ہو گئے۔ اسی طرح کعب ابن مالکؓ کا واقعہ بھی آتا ہے۔ آپ غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے کیونکہ آپ کو اپنے کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کرنا تھی۔ اس کوتاہی پر آپ پر سخت ابتلا آئی۔ چالیس دن تک آپ کا سخت بائیکاٹ رہا، اور مدینے کا کوئی شخص آپ سے کلام تک کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ بالآخر پچاس روز بعد اللہ نے سورۂ توبہ کی آیات نازل فرما کر آپ کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر آپ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنی تمام املاک اور باغ وغیرہ کی وجہ سے مجھ پر ابتلا آئی۔ میں اس کو اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں تاکہ آئندہ ایسی کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ غرضیکہ اسی اصول کے تحت سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنے عمدہ گھوڑوں کی ایک بڑی تعداد کو قربان کر دیا۔

خلاصہ

بہرحال ان آیات کی دو طرح کی تفسیر یں نے آپ کے گوش گذار کر دی ہے۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جہاد کے گھوڑوں کی تربیت اور دیکھ بھال کو ذکرِ الٰہی کے منافی نہ سمجھا بلکہ نماز کے فوت ہو جانے پر گھوڑوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا اور ان کی جھاڑ

پونچھ کر کے ان کا گرد و غبار دور کر دیا۔ اور دوسری تفسیر یہ کہ سلیمان علیہ السلام کو نماز با ذکر کی فوتیدگی کا سخت رنج ہوا۔ اور انہوں نے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کے کفارے کے طور پر بہت سے گھوڑے ذبح کروا دیے اور اس طرح سزا کے طور پر اپنے آپ کو اتنے عمدہ گھوڑوں سے محروم کر لیا۔

بعض متفرق مسائل

اس واقعہ میں ایک مسئلہ گھوڑے کی قربانی کا آیا ہے۔ اُس دور میں گھوڑے کی قربانی جائز تھی۔ یہ جانور حلال تو ہماری شریعت میں بھی ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں روایت موجود ہے، البتہ اس کی قربانی نہیں کی جاتی۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری نر و مادہ کو استعمال کیا جاتا ہے جن کا ذکر سورۃ الانعام میں موجود ہے۔

مفسرین کرام اس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ حاکم کو امورِ سلطنت کی دیکھ بھال بذاتہٖ خود کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کی سیرت سے واضح ہوتا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ کسی ایک عبادت کے وقت میں کوئی دوسری عبادت کرنا درست نہیں ورنہ بدنظمی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس اصول کے تحت سلیمان علیہ السلام کو نماز کے وقت نماز ہی ادا کرنی چاہیئے تھی۔ اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کسی دوسرے وقت پر ملتوی کر دینی چاہیئے تھی۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو نمازِ جمعہ کی تیاری کے علاوہ کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اس دوران میں نفل پڑھنا یا قرآن پاک کی تلاوت کرنا بھی درست نہیں۔ ہاں مسجد میں پہنچ کر نوافل ادا کر سکتا ہے یا تلاوتِ قرآنِ پاک کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع

ع ۳ / ۱۴ / ۱۲

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے آزمائش میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو۔ اور ڈال دیا اُن کی کرسی پر ایک دھڑ پھر انہوں نے رجوع کیا اللہ کی طرف ﴿۳۴﴾ کہنے لگے اے پروردگار! معاف کر دے مجھے۔ اور بخش مجھے ایسی بادشاہی جو نہ لائق ہو کسی کے لیے میرے بعد۔ بیشک تو بہت ہی بخشش کرنے والا ہے ﴿۳۵﴾ پس ہم نے مسخر کر دیا ان کے لیے ہوا کو جو چلتی تھی اُن کے حکم سے نرم نرم جہاں کہیں وہ پہنچنا چاہتے تھے ﴿۳۶﴾ اور شیطانوں کو بھی (مسخر کر دیا) ہر ایک

اُن میں عمارت بنانے والا اور پانی میں غوطہ لگانے والا (۳۷) اور بہت سے دوسرے جو جکڑے ہوئے تھے بیڑیوں میں (۳۸) (فرمایا اللہ تعالیٰ نے) یہ ہماری بخشش ہے۔ پس تم احسان کرو یا روک دو بغیر حساب کے (۳۹) اور بیشک اُس (سلیمان علیہ السلام) کے لیے ہمارے نزدیک البتہ مرتبہ ہے اور بہت اچھا ٹھکانا (۴۰)

ربطِ آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش، پریشانی اور اُن کے رجوع الی اللہ کا ذکر کیا۔ پھر آپ کے فرزند اور بندے جلیل القدر صاحبِ شریعت رسول اور خلیفہ اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ ہوا۔ اُن پر ہونے والے انعامات کا ذکر ہوا۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال میں نماز فوت ہوجانے کی وجہ سے آپ پر آنے والی ابتلاء اور پھر اُن کی طرف سے اُن قیمتی گھوڑوں کی قربانی کا حال بیان ہوا۔ اب ان آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دوسری آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسری آزمائش

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ اور البتہ تحقیق ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا۔ فتنہ کا معنی آزمائش، ابتلاء یا جانچنا ہوتا ہے۔ اور آزمائش یہ تھی وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا کہ ہم نے اُن کی کرسی یا تخت پر ایک دھڑ کو لاکر ڈال دیا۔ ثُمَّ اَنَابَ اور پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ مفسرین کرام نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر دو طریقے سے کی ہے۔

پہلی تفسیر

پہلی تفسیر جو عام طور پر مفسرین کرتے ہیں۔ وہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے اور صحیح نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر اسمِ اعظم کندہ تھا اور آپ اس کی برکت سے نظامِ سلطنت نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے

غسل خانے میں جانے سے پہلے انگوٹھی اپنی کسی خادمہ کو دے دی کہ فارغ ہو کر لے لوں گا۔ اس اثنا میں صخر نامی ایک جن نے کسی حیلے سے انگوٹھی خادمہ سے حاصل کر لی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا اور انگوٹھی طلب کی تو خادمہ نے اسے اپنا آقا سمجھ کر انگوٹھی اس کے حوالے کر دی۔ پھر کیا تھا، وہ جن تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا اور پوری سلطنت پر قابض ہو گیا۔ یہ حضرات وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا کا یہی مطلب لیتے ہیں کہ جن تخت پر قابض ہو گیا۔ جب سلیمان علیہ السلام فارغ ہوئے اور خادمہ سے انگوٹھی طلب کی تو اس نے آپ کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا کیونکہ سارا معاملہ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ پھر سلیمان علیہ السلام کو خطرہ پیدا ہوا کہ جن سلطنت پر تو قابض ہو ہی چکا ہے، کہیں وہ ان کو قتل ہی نہ کرا دے، لہٰذا آپ چند ماہ تک کہیں روپوش رہے۔ رعایا کو علم ہی نہیں تھا کہ سلیمان علیہ السلام روپوش ہو چکے ہیں اور جن نقلی سلیمان بن کر ان پر حکومت کر رہا ہے۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ انگوٹھی جن کے ہاتھ سے کسی طرح سمندر میں گر گئی جسے مچھلی نے نگل لیا۔ وہ مچھلی شکار ہوئی اور بکتی بکاتی سلیمان علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ جب انہوں نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس میں سے آپ کی انگوٹھی برآمد ہو گئی جسے آپ نے فوراً پہن لیا اور آپ کا کاروبار سلطنت پھر بحال ہو گیا تو بعض مفسرین نے اس واقعہ کو سلیمان علیہ السلام کی ابتلاء سے تعبیر کیا تھا۔

تاہم امام رازی مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس واقعہ کو بعض مفسرین نے بیان کیا ہے مگر یہ بالکل من گھڑت ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی جن سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آکر اس قسم کی دھاندلی کرتا کیونکہ آپ اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے اور اللہ نے آپ کو خلافت ارضی بھی عطا فرمائی۔ جن کے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ آپ کی شکل اختیار کرتا۔ اس واقعہ سے متعلق بعض حضرات اس بات کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ حضرت

سلیمان علیہ السلام کے گھر میں کوئی مشرکہ عورت تھی۔ آپ نے اُس کے بارے میں کچھ تغافل کیا اور آپ کو پتہ ہی نہ چلا۔ اس وجہ سے انگوٹھی آپ سے گم ہو گئی اور یہ آزمائش آئی۔ یہ قصہ بھی بالکل غلط ہے کیونکہ اللہ کے نبی کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری تفسیر

بخاری، مسلم اور دیگر کتب احادیث میں آنے والی صحیح احادیث کے نتائج کو مربوط کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک موقع پر اپنے فوجیوں میں کچھ سستی کا احساس پایا تو آپ سخت دل برداشتہ ہوئے اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ میں رات کو اپنی سو یا کم و بیش ہر ایک بیوی کے پاس جاؤں گا، وہ حاملہ ہوں گی اور ان سے پیدا ہونے والا ہر بچہ مجاہد بن کر فوج میں خدمات انجام دے گا۔ مگر اس قسم کے ساتھ آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے حالانکہ یہ چیز آپ کے ذہن میں تھی اور فرشتے نے بھی آپ کو یاد دلایا تھا مگر یہ ابتلاء آنی تھی، لہذا آپ سے نسیان ہو گیا اور انشاء اللہ نہ کہہ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بیویوں میں سے صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس کے ہاں بھی ایک ادھورا یعنی اپاہج سا بچہ پیدا ہوا جسے لا کر آپ کے تخت پر ڈال دیا گیا تاکہ آپ جان سکیں کہ آپ کی قسم کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ اس پر سلیمان علیہ السلام کو اپنی لغزش کا احساس ہوا، انہوں نے پروردگار کی طرف رجوع کیا۔ اور اس کوتاہی پر معافی مانگی۔

صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ کہ اگر سلیمان علیہ السلام قسم اٹھاتے وقت انشاء اللہ کہہ دیتے تو انہیں مقصد حاصل ہو جاتا مگر نہ کہنے کی وجہ سے آپ پر ابتلاء آئی اور ایک ادھورا بچہ آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اور معافی طلب کی۔ یہ ایک ایسی معمولی سی لغزش تھی جو عام لوگوں کے لیے گناہ نہیں ہوتا مگر اللہ کے نبی کے لیے اتنی کوتاہی بھی قابل مواخذہ بن جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر صحیح احادیث میں ملتی ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

مودودی صاحب کی غلطی

مذکورہ بالا حدیث کو تسلیم نہ کرکے مولانا مودودی مرحوم نے شدید غلطی کی ہے کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون اس لحاظ سے خلافِ عقل ہے کہ کوئی شخص ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے پاس کیسے جا سکتا ہے۔ پھر انہوں نے رات کے اوقات کو تقسیم کرکے ہر بیوی کے حصے میں آنے والے منٹوں کا حساب لگا کر بتایا کہ کسی شخص کے لیے ایسا ممکن ہی نہیں۔ یہی آپ کی غلطی ہے اگرچہ یہ ایک عام آدمی کیلئے ممکن نہیں مگر نبی کے لیے معجزے کے طور پر تو ہر چیز ممکن ہے جسے عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ بلاشبہ سارے معجزے خلافِ عقل ہوتے ہیں، کیا تمام معجزات کو عقل کے ترازو میں تولا جائے گا؟ اس سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں بھی مودودی صاحب نے ایسی ہی غلطی کی ہے آیت ۲۶ میں ہے کہ اللہ نے داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے درمیان فیصلہ کرنا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اور خواہش کی پیروی نہ کرنا، ورنہ آپ سیدھے راستے سے بھٹک جائیں گے۔ وہاں بھی مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی آزمائش میں خواہش نفسانی کا ضرور کچھ نہ کچھ دخل تھا۔ حالانکہ اس کا یہ مطلب نہیں۔ اللہ کے فرمان کا مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح پہلے کبھی خواہش کی پیروی نہیں کی، اسی طرح آئندہ بھی نہ کرنا۔ اس کی مثال تو وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر - ۶۵) اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے سارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ تو کیا وہاں پہ شرک کو کوئی دخل تھا۔ العیاذ باللہ۔ اس جملے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ نے نہ تو پہلے کبھی شرک کیا ہے اور نہ آئندہ کرنا۔ بہر حال اللہ کے معصوم نبی کی شان میں خواہش نفسانی کی بات کرنا ہرگز درست نہیں۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب بیویاں حاملہ ہو کر بچے جنم دیتیں۔ مگر اس لغزش کی وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا گیا

سلطنت کے لیے دُعا

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لیے معافی اور بے مثال سلطنت کی دُعا کی۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ کہنے لگے پروردگار! مجھے معاف کردے۔ میری کوتاہی کو درگزر فرما۔ پہلے ثُمَّ اَنَابَ کے الفاظ تو آ ہی چکے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور پھر بخشش و معافی کی درخواست پیش کی۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کیا وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما۔ جو میرے بعد کسی کے لیے لائق نہ ہو۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ تو بہت ہی بخشش کرنے والا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے بے مثال سلطنت کی درخواست نامناسب نہیں ہے کیونکہ آپ کا مقصد محض حصول اقتدار، تعیش، آرام طلبی یا مالی منفعت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اتنی عظیم الشان اور بے مثال سلطنت کے وارث ہونے کے باوجود آپ بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے اور اہل و عیال کے اخراجات ہاتھ سے ٹوکریاں بنا کر پورے کرتے تھے۔ ایسی حکومت کے حصول سے آپ کا مقصد اللہ کے دین اور شریعت کا نفاذ، عدل و انصاف کا قیام، اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی، ان کے حقوق کی ادائیگی اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی تھا۔

ہوا کی تسخیر

اللہ نے اپنے ہر نبی کو اختیار دیا تھا کہ وہ لوگوں کی ایک دُعا مانگ لیں جو قبول کی جائے گی۔ سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ دُعا کی جو اللہ نے منظور فرمائی اور آپ کو بے مثال سلطنت عطا فرمائی۔ پھر آگے اللہ نے بعض انعامات کا ذکر کیا ہے جو اس بے مثال حکومت کا حصہ تھے۔ فرمایا فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کردیا جو آپ کے حکم سے نرم نرم چلتی تھی۔ اور اس ہوا کے ذریعے حَيْثُ اَصَابَ آپ جہاں بھی جانا چاہتے۔ بحفاظت سرعت کے ساتھ بآسانی پہنچ جاتے تھے آپ یمن اور شام وغیرہ کا سفر ہوا کے دوش پر کرتے تھے۔ جہاں جانا مقصود ہوتا تھا آپ تخت پر مع لشکر اور سامان بیٹھ جاتے اور

ہوا بہ سرعت، اٹھا کر آپ کو مطلوبہ مقام تک نہایت تیزی کے ساتھ پہنچا دیتی۔ سورۃ سبا میں ہے: غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (۳۴: ۱۲) آپ صبح کے وقت ایک ماہ کا سفر طے کر لیتے تھے اور شام کے وقت میں بھی اتنی مسافت آسانی سے طے کر جاتے تھے۔ یہ وہ معجزہ تھا جو عقل کے خلاف تھا مگر اللہ نے ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی تھی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے اپنے تیز رفتار گھوڑے اپنی لغزش کے ازالے کے طور پر قربان کر دیئے، لہٰذا اللہ نے ان کا نعم البدل ہوا کی صورت میں دیا جس کی وجہ سے آپ گھوڑوں کی نسبت بہت زیادہ تیز رفتاری سے نقل و حرکت کر سکتے تھے۔

مولانا اصلاحی کی غلطی

اس مقام پر ہمارے زمانے کے ایک دوسرے مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے شدید غلطی کی ہے۔ وہ اس ہوا کو سمندری ہوا پر محمول کرتے ہیں جس کے ذریعے سلیمان علیہ السلام کی بادبانی کشتیوں کا بیڑا بڑی آسانی اور تیز رفتاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا تھا۔ نہیں بلکہ اس سے مراد خشکی پر چلنے والی ہوا ہے جو معجزے کے طور پر آپ کے تخت کو اٹھائے پھرتی تھی۔ اسی طرح اصلاحی صاحب نے واقعہ معراج کو خواب کا واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے پینتالیس صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نقل کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ معجزے کو تسلیم نہیں کرتے ورنہ خدا تعالیٰ کے لیے کون سا کام مشکل ہے۔ اگر معراج خواب میں ہی ہوا تھا تو پھر جھگڑا کس بات کا تھا کہ مشرک لوگ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ خواب میں تو بڑے بڑے عجیب و غریب مناظر دیکھنے میں آتے ہیں مگر کبھی کسی نے ایسے مشاہدے پر شک نہیں کیا اور نہ کبھی مناظرہ بازی کی نوبت آئی ہے۔ بہر حال یہ بھی غلط تفسیر کا ایک نمونہ ہے۔

جنات کی تسخیر

سلیمان علیہ السلام پر کیے گئے احسانات میں سے اللہ نے ایک یہ احسان بھی ذکر کیا وَالشَّيٰطِيْنَ اور ہم نے شیطانوں یعنی جنات کو بھی آپ کے لیے

مسخر کر دیا وَ کُلَّ بَنَّآءٍ جن میں سے ہر ایک عمارتیں بنانے والا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ذریعے بڑی بڑی عمارات تعمیر کروائیں۔ جنات بڑے بڑے بھاری پتھر دور دراز سے اٹھا کر لاتے، ان کو تراشتے اور اُوپر کی منزلوں تک پہنچاتے۔ آپ ان سے شیشے کی قطع برید اور دھاتوں کی ڈھلائی کا کام بھی لیتے تھے جس سے عمارات کے جملہ لوازمات تیار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ فرمایا وَ غَوَّاصٍ ان میں غوطہ خور شیاطین بھی تھے جو سمندر کی گہرائیوں سے قیمتی موتی اور ضروریات کی دوسری چیزیں نکال لاتے تھے۔ فرمایا وَاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ جنات میں بعض ایسے بھی تھے جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ سلیمان علیہ السلام شرارتی جنوں کو سزا کے طور پر قید بھی کر دیتے تھے۔ ان میں سے بعض آج تک جکڑے ہوئے سمندروں اور دور دراز جزیروں میں موجود ہیں جو قرب قیامت میں جا کر آزاد ہوں گے۔ بہرحال انسانوں اور پرندوں کے ساتھ ساتھ جنات بھی سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوتے تھے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

بازپرس سے استثنیٰ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے هٰذَا عَطَآؤُنَا یہ سب کچھ ہماری طرف سے تمہیں عطا ہوا ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے فَامْنُنْ کہ جس پر چاہیں تقسیم کر کے احسان کریں اَوْ اَمْسِكْ یا جس سے چاہیں روک لیں یعنی کچھ نہ دیں۔ اور اس ضمن میں آپ جو بھی کارروائی کریں گے وہ بِغَیْرِ حِسَابٍ بغیر حساب کتاب کے ہوگی۔ یعنی اس تقسیم کی صحت یا عدم صحت پر آپ سے قیامت کو کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔ آپ کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اُسے آخرت کے محاسبے کا خوف لازماً دامن گیر ہوتا ہے مگر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دلجمعی کے لیے آپ کو ہر قسم کے محاسبے سے بری کر دیا۔ دلجمعی بہت بڑی چیز ہے، اسی لیے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام اس کے درپے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے

کر دل میں کوئی شک و تردد نہ رہے۔ بلکہ شیشے کی مانند صاف ہو جائے۔

اللہ کے ہاں مرتبہ

دنیا کی عظیم الشان اور بے مثال حکومت، کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام پر کیے جانے والے ایک اور انعام کا ذکر بھی کیا۔ فرمایا وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ آپ کے لیے ہمارے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہمارے انعامات دنیا تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ آخرت میں بھی آپ کا بہت بڑا حصہ ہے وَحُسْنَ مَآبٍ اور آپ کے لیے بہت اچھا ٹھکانا بھی ہے۔ اسی لیے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن کر اللہ کی عطا کردہ نعمت کا شکر ادا کیا تھا اور ساتھ یہ دعا بھی کی تھی وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (النمل ۔ ۱۹) مولا کریم! اپنی مہربانی سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا اور اچھا ٹھکانا بھی جو آگے چل کر حاصل ہوگا۔

درس مختصر ۲　　　　آیت ۴۱ تا ۴۴

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا۔ جب کہ پکارا اس نے اپنے پروردگار کو کہ بیشک پہنچائی ہے مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا (۴۱) (ارشاد ہوا) مارو اپنے پاؤں کو زمین پر۔ یہ ایک چشمہ ہے نہانے کے لیے ٹھنڈا اور پینے کے لیے (۴۲) اور بخشے ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے برابر مزید اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے۔ اور نصیحت اور یاددہانی کے طور پر عقل والوں کے لیے (۴۳) (فرمایا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا گٹھا پس مارو اس کے ساتھ اور قسم میں جھوٹے نہ ہو۔ بیشک پایا ہم نے اس کو صابر، خوب بندہ۔ بیشک وہ رجوع کرنے والا (۴۴)

ربط آیات

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے تذکرے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ ان پر سخت ترین آزمائشیں آئیں مگر ان کو اللہ کی رحمت سے کبھی مایوسی نہیں ہوئی اور مسلسل اٹھارہ سال تک مسلسل بیماری کے سامنے سراپا پہاڑ بن کر کھڑے رہے اور بالآخر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اس واقعہ سے بھی حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ آپ بھی آنے والی تکلیفوں اور دکھوں پر صبر کریں۔ قوت برداشت پیدا کریں بالآخر کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئیگی۔

ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ آپ ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا تذکرہ کریں۔ آپ کا کچھ ذکر سورۃ الانبیاء میں بھی گزر چکا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ایوبؑ ابن عوص ابن عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھیں، اور بعض دوسرے اقوال کے مطابق آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ ایوب علیہ السلام کا ذکر بائیبل میں بھی ہے اور آپ کے نام پر صحیفہ ایوب بھی ملتا ہے۔ آپ اللہ کے عظیم الشان نبی تھے اور دنیاوی اعتبار سے بھی اللہ نے خیر کثیر عطا فرمایا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ زمین کا ایک بہت بڑا رقبہ کاشت کراتے تھے جس میں پانچسو بیل اور ایک ہزار بیل استعمال ہوتے تھے۔ آپ کے پاس سات ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں، تین ہزار سے زیادہ اونٹ، ایک ہزار سے زیادہ باربرداری کے لیے گدھے، خچر وغیرہ اور پانچسو سے زیادہ خدام تھے۔ آپ عوص کی سرزمین میں سب سے زیادہ مالدار شخص تھے۔ اللہ نے سات بیٹے بھی عطا کیے تھے۔

ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ان انعامات پر ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر شیطان نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ پروردگار، تیرا بندہ ایوب علیہ السلام تیرا شکر یہ اس لیے ادا کرتا ہے اور تیری عبادت و ریاضت

بی اس لیے مشغول رہتا ہے کہ تو نے اُسے وافر مال و دولت عطا کر رکھی ہے۔ اگر تیرے یہ انعامات اس پر نہ ہوں تو اس کی حالت مختلف ہو۔ شیطان کی اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر آزمائش ڈال دی تاکہ شیطان دیکھ لے کہ مال کے چھن جانے اور سخت جسمانی بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود میرا بندہ مجھ سے دُور نہیں ہوتا۔ اور اس کی زبان ہر حالت میں میری حمد و ثنا اور شکر سے تر رہتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آزمائش آئی کہ کسی آفت کی وجہ سے کھیت جل گئے، فصلیں تباہ ہو گئیں، مال مویشی ہلاک ہو گئے اور یہی نہیں بلکہ مکان کی چھت گری اور ساری اولاد بیک وقت موت کی آغوش میں چلی گئی۔ ان حالات میں نوکر چاکر سب بھاگ گئے اور آپ کے پاس صرف اپنی بیوی رہ گئی جس نے پوری آزمائش کے دوران آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ نہایت ہی پارسا اور وفادار خاتون تھیں۔ جنہوں نے ہر حالت میں خاوند کی خدمت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

بائیبل کی روایت کے مطابق آپ کو ایسی شدید جلدی بیماری لاحق ہوئی کہ سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے تلووں تک جسم میں آبلے پڑ گئے۔ آپ کی وفا شعار بیوی بیماری کی اس حالت میں پوری پوری خدمت کرتی رہی۔ مال تو پہلے ہی ضائع ہو چکا تھا۔ گذر اوقات کے لیے اس بیچاری کو خود محنت مزدوری کرنا پڑا۔ اور اس طرح وہ اپنے اور خاوند کے لیے خوراک کا بندوبست کرتی۔ جوں جوں ایوب علیہ السلام کی تکلیف بڑھتی گئی۔ توں توں آپ کے قلب و روح میں خدا کی ذات پر یقین محکم ہوتا چلا گیا اور زبان پر اللہ کے شکر کے کلمات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس موقعہ پر آپ کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تو کچھ پاس نہیں تھا اور جب قبر میں جاؤں گا تو وہاں بھی خالی ہاتھ ہوں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مال و دولت خود ہی دے کر واپس لے لیا ہے تو یہ اس کی طرف سے آزمائش ہے اور اسی کا نام بابرکت ہے۔ غرضیکہ مال و اولاد کے چھن جانے اور سخت

جسمانی اذیت کے باوجود انہوں نے کبھی شکوہ نہ کیا بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔

شیطان کا حسد

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں اٹھارہ سال گزر گئے۔ مگر شیطان اپنے دعوے کو سچا ثابت نہ کر سکا۔ آخر اُس نے یہ منصوبہ بنایا کہ ایوب علیہ السلام کی بیوی کو شرک میں ملوث کر کے اُن کے اعمال کی بربادی کا انتظام کر دیا جائے۔ ایوب علیہ السلام کی بیوی کہیں محنت مزدوری کر کے واپس آ رہی تھی کہ راستے میں شیطان اُسے ایک نیک سیرت حکیم کی صورت میں ملا اور بیمار خاوند کے علاج کی پیشکش کی [illegible] بدلے میں صرف یہ معاوضہ طلب کیا کہ

مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ :۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دے ، پس نہیں ہے
اُس کے لیے کوئی کام بنانے والا اُس کے سوا ۔ اور دیکھے
گا تو ظلم کرنے والوں کو جب وہ عذاب کو دیکھیں گے
اپنے سامنے اور کہیں گے کیا ہے کوئی پھر جانے
کی طرف راستہ ؟ ﴿۴۴﴾ اور دیکھے گا تو اُن کو کہ پیش کیے
جائیں گے اُس (آگ) پر ، اور جھکی ہوئی ہوں گی اُن کی نگاہیں
ذلت سے ، اور دیکھیں گے وہ ذلیل نگاہوں سے ، اور
کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ، بیشک نقصان اٹھانے
والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں
کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن ، سنو ! بیشک
ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے ﴿۴۵﴾ اور
نہیں ہوگا اُن کے لیے کوئی کارساز کہ اُن کی مدد کرے
اللہ کے سوا ۔ اور جس کو اللہ بھٹکا دے پس نہیں ہے
اُس کے لیے کوئی راستہ ﴿۴۶﴾ قبول کرو اپنے پروردگار کی
بات کو قبل اس کے کہ آجائے وہ دن کہ جس کے
لیے پھرنا نہیں ہے اللہ کی جانب سے ۔ نہیں ہوگی
تمہارے لیے کوئی جائے پناہ اُس دن ۔ اور نہیں ہوگا
تمہارے لیے انکار کرنے کا کوئی موقع ﴿۴۷﴾ پس اگر
اعراض کیا ان لوگوں نے تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو

ان پر نگہبان بنا کر۔ نہیں ہے آپ کے ذمے مگر پہنچا دینا۔ اور بیشک جب ہم چکھاتے ہیں انسان کو اپنی طرف سے مہربانی تو اترانے لگتا ہے اس کے ساتھ۔ اور اگر پہنچتی ہے اُن کو کوئی برائی اُن کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تو بیشک انسان ناشکرگزار ہوتا ہے ﴿۴۸﴾ اللہ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے ﴿۴۹﴾ یا جوڑا جوڑا دیتا ہے اُن کو بیٹے اور بیٹیاں، اور بناتا ہے جس کو چاہے بانجھ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے ﴿۵۰﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دین کے بہت سے اہم اصول بیان فرمائے تھے جن پر انسانیت کی فوز و فلاح کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور بھروسہ، کبائر اور بے حیائی سے اجتناب، غصے کی حالت میں درگزر، حکمِ الٰہی کی تعمیل نماز کا قیام، انفرادی اور اجتماعی معاملات میں باہمی مشاورت، خدا کی عطا کردہ روزی میں سے مستحقین پر انفاق، سرکشی کرنے والے سے انتقام، مگر درگزر کی پسندیدگی وغیرہ موٹے موٹے اصول ہیں جو اللہ نے گذشتہ درس میں بیان کیے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کی بات سمجھائی ہے۔ پھر رسالت اور توحید کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی کی دو اصناف کو اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کے شاہکار کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

ہدایت اور گمراہی

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ہدایت اور گمراہی کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے اُس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ اللہ تعالیٰ رحیم، کریم،

عادل اور ہادی ہے وہ کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتا بلکہ اسی شخص کو گمراہ کرتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس شخص کے دل میں ہدایت کے حصول کا شوق اور طلب ہو اور ضد، عناد اور ہٹ دھرمی سے خالی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے یقیناً ہدایت کے راستے واضح کر دیتا ہے مطلب یہ کہ ضد، عناد اور بے انصافی آدمی کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواسِ ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا ہے۔ عقل، فہم اور علم دیا ہے۔ اس کی راہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں، کتابیں نازل فرمائی ہیں اور پھر انسان کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کر لے۔ اللہ کسی کو زبردستی صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹاتا۔ البتہ اگر کوئی آدمی اپنے اختیار اور ارادے سے غلط راستے پر چل نکلتا ہے تو پھر وہ اس کو زبردستی روکتے بھی نہیں۔ بلکہ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء ۱۱۵) وہ جدھر جانا چاہتا ہے ہم اُدھر ہی کی توفیق دے دیتے ہیں اور بالآخر وہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی وجہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرة ۱۰۹) کہ حق کے واضح ہو جانے کے باوجود انہوں نے اس بات سے حسد کیا کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں سے آگیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جو شرف بنی اسرائیل کو اپنے وقت میں حاصل رہا ہے وہ کسی دوسری قوم کو نہیں ملنا چاہیے۔ حالانکہ وہ نادان جانتے تھے کہ بنو اسحاق اور بنو اسماعیل ایک ہی باپ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ نے بنو اسحاق کے بعد بنو اسماعیل کو عظمت عطا فرمائی ہے تو اس میں حسد کی کیا بات ہے۔ سب کا جدِ امجد تو وہی اللہ کا خلیل ہے۔

اس قدر شدید ضد اور عناد کے باوجود اہلِ کتاب میں سے بھی بعض انصاف پسند لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے تعصب کی عینک اتار کر دیکھا تو حقیقت ان کی سمجھ میں آگئی اور انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اسلام قبول کیا جو یہودیوں کے

بہت بڑے عالم تھے۔ اللہ نے ان پر ہدایت کے دروازے کھول دیئے اور وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوگئے۔ ابھی دو سال قبل ہندوستان کا ایک بہت بڑا ہندو اچاریہ مسلمان ہوگیا تھا۔ اس نے دو مضامین میں ڈاکٹریٹ (PHD) کیا ہوا تھا، بارہ زبانیں جانتا تھا۔ مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلام ہی سب سے سچا مذہب ہے کسی نے کہا کہ اسلام میں تو حلال و حرام کی بہت سی پابندیاں ہیں، پھر تم نے اسے کیسے قبول کر لیا؟ تو کہنے لگا کہ انسان انہی پابندیوں کو قبول کر کے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اس کو خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور اپنی بیوی اور بچوں سمیت دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا، آجکل وہ بھوپال میں رہتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے فرانس کے ایک سائنس دان نے بھی انصاف سے کام لیا تو اللہ نے اس کو بھی ہدایت دے دی اور وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ نیک نیت اور انصاف پسند آدمی تو کبھی نہ کبھی ہدایت کو پالیتا ہے اور جو ابلیس والے فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ بہکادے اس کا خدا کے سوا کوئی کارساز نہیں جو اس کو راہ راست کی طرف لا سکے۔

ظالموں کا انجام

آگے اللہ نے ظالموں کی حالت کا بیان فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا ظلم تو کفر اور شرک ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ قتل ناحق، حق تلفی آبروریزی وغیرہ ظلم کی فہرست میں آتے ہیں۔ اللہ نے انہی کاموں کے مرتکبین کے متعلق فرمایا وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ اور تو ایسے ظالموں کو دیکھے گا کہ جب وہ اس عذاب پر نگاہ ڈالیں گے جس میں وہ مبتلا ہونے والے ہوں گے يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ تو اس وقت کہیں گے کہ کیا دنیا میں واپس لوٹ جانے کی کوئی صورت ہے؟ اس مقام پر مجرمین کی واپس جانے کی خواہش کا ذکر آخرت کے حوالے سے کیا گیا ہے، تاہم جب کسی شخص کی انفرادی موت کا وقت قریب آتا ہے تو پردہ غیب اٹھ جاتا ہے اور موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں۔

تو اُس وقت بھی انسان اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (المنٰفقون: ۱۰) پروردگار! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیتا تو میں صدقہ وخیرات کر کے تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جاتا۔ مگر اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کی موت کا مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو پھر ہرگز مہلت نہیں دی جاتی۔ سورۃ ابراہیم میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ظالم لوگ عذاب والے دن کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ (آیت۔ ۴۴) پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کر تاکہ ہم تیری دعوتِ توحید کو قبول کریں اور تیرے پیغمبروں کا اتباع کریں۔ اللہ فرمائے گا، کیا تم اس سے پہلے قسمیں کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا! اب جب کہ دوسرا جہان آنے والا ہے تمہیں اتباعِ رسل کی خواہش پیدا ہوئی ہے۔ یہ قبول نہیں کی جائے گی۔

غرضیکہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر واپسی کی خواہش کریں گے۔ اللہ نے فرمایا وَتَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ آپ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ ذلت کی وجہ سے جھکی ہوئی آنکھوں سے دوزخ کے عذاب پر پیش کیے جائیں گے۔ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ اور وہ ذلیل نگاہوں سے دیکھیں گے۔ خفی کا معنی پوشیدہ بھی ہوتا ہے اور ذلیل بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اُس دن ندامت کی وجہ سے نظریں اُوپر نہیں اٹھا سکیں گے اس لیے ذلت آمیز خفی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اُس دن اہلِ ایمان لوگ کہیں گے کہ بیشک نقصان اٹھانے والے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا۔ ان لوگوں نے تمام عمر یا اور پوری کی پوری زندگی کے قیمتی سرمایہ کو ضائع کر دیا۔ انہوں

نے اس سرمایہ سے ایمان اور نیکی خریدنے کی بجائے کفر، شرک، معاصی اور بدعات کو خریدا۔ یہ خود تو گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے اپنے اہل وعیال کو بھی لے ڈوبے کیونکہ عام طور پر یوں بچے بھی اپنے بڑوں کے ہی تابع ہوتے ہیں اور بلا سوچے سمجھے انہی کے نقش قدم پہ چلتے ہیں۔ قیامت والے دن واضح ہو جائیگا کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر خسارے کا سودا کیا۔ اور پھر آواز آئے گی اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ آگاہ رہو کہ ظالم لوگ ایسے دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جس سے کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔

فرمایا وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ان کے لیے کوئی کارساز نہیں ہوگا۔ جو اللہ کے سوا اُن کی مدد کر سکے۔ ظالم لوگ اس دن بے یارو مددگار رہ جائیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھو وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ جس کو اللہ تعالیٰ اس کی ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے گمراہ کر دے اس کو ہدایت کا راستہ نہیں مل سکے گا۔ دنیا میں ہدایت سے محروم رہے گا اور آخرت میں عذاب عظیم کا شکار ہوگا۔ جس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اس ہلاکت سے بچنے کے لیے اللہ نے فرمایا اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ٹل نہیں سکتا۔ وہ یقیناً آکر رہے گا۔ لہٰذا اس دن سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ۔ اور یاد رکھو! مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ اس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی۔ دنیا میں تو تم کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کر کے پھر انکار بھی کر دیتے تھے یا دنیا کی نظروں میں چھپ بھی جاتے تھے مگر قیامت والے دن نہ تو کہیں بھاگ کر جان بچا سکو گے اور نہ اپنے کردہ اعمال سے انکار کر سکو گے۔ اس دن ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی اور پھر تمہیں اپنے عقائد و اعمال کا حساب چکانا ہی پڑے گا۔

آگے رسالت کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے اللہ کے نبی! اب تمہاری

تمام تر خیر خواہی اور تبلیغ کے باوجود فَاِنْ اَعْرَضُوْا اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ آپ کی بات پر توجہ نہ دیں فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا کہ آپ ان کو حق کی بات منوا کر ہی چھوڑیں۔ فرمایا ایسی بات نہیں ہے آپ ان کے مسلسل انکار کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں اور ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ سورۃ الغاشیہ میں ہے لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ (آیت-۲۲) آپ ان پر کوئی داروغہ تو نہیں ہیں کہ انہیں جبر کر زبردستی حق کی طرف لے آئیں گے۔ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ آپ کے ذمے تو خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے مزید وضاحت فرمائی ہے فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ (آیت-۴۰) بے شک آپ کے ذمے پیغام پہنچا دینا ہے اور پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس-۹۹) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ضرور ہی ایماندار بن جائیں؟ نہیں، بلکہ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرۃ-۲۵۶) ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکے ہیں۔ اب جو شخص اپنے اختیار اور ارادے سے گمراہی کے راستے پر چلے گا تو پھر وہ اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بھی تیار رہے

انسان کی دو رنگی

اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی ناشکری کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے۔ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا بے شک جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ یعنی جب اسے دنیا میں ذرا راحت نصیب ہوتی ہے، مال و دولت، عزت و جاہ حاصل ہوتا ہے۔ تو پھولے نہیں سماتا اور کہتا ہے کہ یہ میرے علم و ہنر کا ثمرہ ہے۔ میں اس قابل تھا کہ مجھے یہ چیزیں حاصل ہوتیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو خاطر میں نہیں لاتا اور نہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اور اگر ان کو ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنی غلط کرتوتوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار

ہو جاتے ہیں فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ تو بے شک انسان ناشکر گزار بن جاتا ہے تکلیف کے وقت وہ خدا تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا یہ ذلت و رسوائی میرے ہی حصے میں تو نے ڈالی تھی؟ غرضیکہ اللہ نے عام انسان کی یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ آسودگی میں غرور و تکبر کرتا ہے اور مصیبت میں ناشکر گزار بن جاتا ہے۔ اس کے برخلاف ایک مومن آدمی ہر حالت میں راضی برضا رہتا ہے۔ راحت آتی ہے۔ تو شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف آتی ہے تو منجانب اللہ سمجھ کر اُسے برداشت کرتا ہے

اولاد مطابق مشیئت خداوندی

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا اظہار اس طرح فرمایا ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک اور متصرف ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔ ہر تخلیق اُس کی مشا اور حکمت پر منحصر ہوتی ہے۔ خاص طور پر انسان کی تخلیق کے متعلق فرمایا يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ وہ جس کو چاہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے بیٹے دیتا ہے۔ یعنی تفریق جنس کا معاملہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم کرتا ہے۔ سورۃ القیامۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اُس نے قطرہ آب سے اور پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے انسان کی تخلیق فرمائی فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (آیت-۳۹) پھر ان میں نر اور مادہ کے جوڑے جوڑے بنا دیئے۔

فرمایا جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا یا اُن کو بیٹے اور بیٹیاں جوڑوں کی شکل میں دیتا ہے ہر شخص کے حالات کے مطابق بعض کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں صنفیں عطا کر دیتا ہے وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے یعنی نہ لڑکی دیتا ہے اور نہ لڑکا بلکہ بعض لوگ عمر بھر اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ یہ اُس کی قدرت کاملہ کا کام ہے۔ اولاد کے سلسلے میں انسان چار قسم کے گروہوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں جو

کی اولاد میں یا صرف لڑکیاں ہوں، یا صرف لڑکے ہوں، یا دونوں لڑکے اور لڑکیاں دونوں صنفیں ہوں۔ اور یا بانجھ کچھ بھی نہ ہو۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ نسل انسانی انہی چار گروہوں میں منحصر ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صرف بیٹے تھے اور لوط علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں۔ اور حضور علیہ السلام کو اللہ نے بیٹیاں بھی دیں اور بیٹے بھی جب کہ یحییٰ علیہ السلام اولاد سے بالکل محروم ہے۔ تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت کارفرما ہے۔ وہ چاہے تو آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے پیدا کر دے اور حضرت حوّا کو ماں کے بغیر صرف باپ سے پیدا کر دے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ باپ نہیں ہے صرف ماں سے پیدا ہوئے اور عام انسانوں کو اللہ نے مرد و زن دونوں کے اختلاط سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ سب اس کی کمال قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ یُزَوِّجُهُمْ کا بعض مفسرین یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ چاہے تو ایک ہی حمل میں لڑکا اور لڑکی دونوں پیدا فرما دے۔ ہمارے ایک قریبی ساتھی نے بتایا کہ ان کے بیٹے کے ہاں تین جڑواں بچے تولد ہوئے جن میں دو بچیاں اور ایک بچہ تھا۔ ۸۵ء میں ایک کسان کے گھر میں بیک وقت آٹھ بچوں کی پیدائش کی خبر آئی تھی۔ اور اس قسم کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک ہی حمل میں دو یا زیادہ بچے پیدا ہوئے۔ اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ میاں بیوی بالکل تندرست ہیں علاج کرواتے ہیں، تعویذ گنڈے وغیرہ بھی آزماتے ہیں مگر عمر بھر حسرت رہنے کے باوجود کچھ نہیں ہوتا۔ بات واضح ہے کہ تخلیق اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ بے شک وہ سب کچھ جانتا بھی ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ صفات میں، نہ تدبیر امور نہ تصرف میں۔ وہ جو چاہے کرے، اس کی حکمت و مصلحت میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں ہے کسی انسان کے لائق کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر وحی کی صورت میں یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کسی پیغام لانے والے کو بھیجے۔ پس وحی پہنچائے وہ اُس کے حکم سے جو چاہے۔ بیشک وہ بلند حکمتوں والا ہے (۵۱) اور اسی طرح ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف روح اپنے حکم سے۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان۔ لیکن ہم نے کیا اُس کو نور۔ ہدایت دیتے ہیں ہم اس کے ساتھ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے۔ اور بیشک البتہ آپ راہنمائی

کرتے ہیں سیدھے رستے کی طرف (۵۲) راستہ اُس اللہ کا جس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ آگاہ رہو! اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں تمام کام (۵۳)

ربط آیات

گذشتہ درس میں معاد کا ذکر تھا کہ قیامت والے دن جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو دنیا میں واپسی کا کوئی راستہ تلاش کریں گے مگر ایسا ممکن نہیں ہوگا بلکہ وہ ذلیل و خوار ہو کر عذابِ مقیم کا شکار رہ جائیں گے۔ پھر رسالت کے ضمن میں اللہ نے فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام آپ مشرکین کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ آپ حق تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ ان کو راہِ راست پہ لے آنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ صرف اپنا کام کرتے جائیں۔ پھر اللہ نے انسان کی ناشکر گزاری کا ذکر فرمایا کہ جب انہیں آسودگی حاصل ہوتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں لیکن جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو انسان ناشکر گزاری کا اظہار کرتا ہے۔ پھر اللہ نے اپنی صفتِ تخلیق کا ذکر کیا کہ لڑکے یا لڑکیاں دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق کسی کو بیٹے عطا کرتا ہے، کسی کو بیٹیاں، کسی کو دونوں اصناف اور کسی کو بالکل بانجھ بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کام اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق انجام دیتا ہے جسے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔

خدا تعالیٰ سے ہم کلامی

بعض مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ یہ شخص کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر یہ وحی ہم پر کیوں نہیں نازل ہوتی اور اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا۔ اگر خدا تعالیٰ ہم سے ہمکلام ہو جائے تو ہم جان سکیں گے کہ وہ اپنے نبی سے بھی کلام کرتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ اور کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے۔ انسانی جسم کی ساخت اور اس کے قویٰ میں کلامِ الٰہی کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ انسان کی صلاحیتیں تو اس قدر کمزور ہیں کہ وہ کسی فرشتے کو بھی اپنی اصلی شکل میں دیکھنے کی

تاب نہیں لا سکتے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلام ہوں، یہ ممکن نہیں ہے۔ مشرکین کا یہی اعتراض سورۃ الانعام میں بھی مذکور ہے وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وہ کہتے تھے کہ آپ پر فرشتہ اپنی اصلی شکل وصورت میں کیوں نہیں نازل ہوتا تاکہ ہم بھی اُسے دیکھیں اور پھر ایمان لے آئیں مگر اللہ نے فرمایا وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ (آیت ۔ ۸) اگر ہم فرشتے کو اُس کی اصل شکل میں بھیج دیں تو معاملہ کا فیصلہ ہو جائے یعنی یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جائیں جب ایک عام انسان فرشتے کو نہیں دیکھ سکتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ البتہ اللہ کے نبیوں کی تربیت خاص طریقے پر ہوتی ہے، اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے مگر وہ بھی براہِ راست نہیں بلکہ اُن تین صورتوں میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اس مادی اور عنصری جہان میں تو رؤیت باری یا خدا سے ہم کلامی ممکن نہیں البتہ عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں ممکن ہے کیونکہ وہ جہان اس جہان سے بہت لطیف ہے۔ اور جب انسان اس جہان سے منتقل ہو کر اُس لطیف جہان میں پہنچیں گے تو اُن کے قوائے سامعہ اور باصرہ وغیرہ میں بہت زیادہ وسعت پیدا ہو جائے گی۔ سورۃ قٓ میں ارشاد ہے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (آیت ۔ ۲۲) اُس دن پردہ اٹھ جائے گا اور پھر انسانی بصارت میں بہت تیزی آجائیگی اور بہت دور کی چیزیں بھی نظر آنے لگیں گی حتیٰ کہ عالمِ بالا میں عرش، فرشتے، جنات وغیرہ تک انسانی نگاہ پہنچ سکے گی۔ اور انسان کے قویٰ بھی اتنے مضبوط ہو جائیں گے جو اُن کی رؤیت کو برداشت کر سکیں گے۔

عالمِ برزخ میں خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کی مثال ایک حدیث سے ملتی ہے حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبد اللہؓ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور اپنے پیچھے واحد بیٹا حضرت جابرؓ اور نو بیٹیاں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت جابرؓ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے سلسلے میں اکثر پریشان رہتے تھے حضور علیہ السلام نے اُن

کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم کیوں پریشان رہتے ہو۔ تیرے باپ کو وہ مرتبہ حاصل ہوا ہے کہ عالمِ برزخ میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے براہِ راست کلام فرمایا ہے۔ جو کسی دوسرے شخص سے نہیں کیا۔ بہرحال اس مادی جہاں میں انسانی قویٰ اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہو ماسوائے اُن تین صورتوں کے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

(۱) کلام بذریعہ وحی

فرمایا ہر انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے اِلَّا وَحْيًا مگر بذریعہ وحی۔ وحی کے بہت سے معانی آتے ہیں۔ چنانچہ لغت کے امام محمد ابن ابی بکر ابن عبد القادر رازیؒ اپنی کتاب "مختار الصحاح" میں لکھتے ہیں الوحی الکتاب۔ گویا وحی کا لفظ کتاب پر بھی بولا جاتا ہے۔ وحی کا معنی لکھنا بھی آتا ہے اور وحی کا لفظ اشارے پر بھی بولا جاتا ہے مثلاً "فَاَوْحٰى لَهَا الْقَرَارَ فَاسْتَقَرَّتْ" اللہ نے زمین کی طرف اشارہ کیا تو وہ ٹک گئی، استقرار پکڑ لیا۔ اسی طرح وحی کا معنی مخفی کلام بھی ہوتا ہے جس میں تیزی کا مفہوم پایا جاتا ہے یعنی جو چیز کسی کو سرعت کے ساتھ القا کی جائے وہ وحی کہلاتی ہے۔ جیسے سورۃ الانعام میں فرمایا۔ ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین کو ہر پیغمبر کا دشمن بنایا ہے يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (آیت ۱۱۲) جو ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔ اسی طرح وحی کا اطلاق پیغام پر بھی ہوتا ہے وحی قرآن پاک کی اصطلاح ہے جس کے مذکورہ مختلف معانی وارد ہوئے ہیں۔

وحی کی قسمیں

وحی کی ایک قسم خاص ہے جو وحی رسالت یا وحی نبوت کہلاتی ہے اور یہ صرف اللہ کے رسولوں یا نبیوں کی طرف ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول اور نبی اس وحی کے امین ہوتے ہیں اور اُسے آگے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے جو غیر انبیاء پر بھی ہوتی ہے۔ اس وحی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی بات کسی کو مخفی طریقے سے سمجھا دی جاتی ہے۔ یا اُس کی طبیعت اور مزاج میں اُس کو ڈال دیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (النحل ۔ ۶۸) تیرے پروردگار نے شہد

...وں کی طرف وحی کی کہ وہ پاکیزہ پھلوں اور پھولوں کا رس چوسیں، اسے پیٹ میں جمع کریں اور پھر شہد کی صورت میں باہر نکالیں۔ اللہ نے یہ پیغام کسی فرشتے کے ذریعے نہیں پہنچایا بلکہ شہد کی مکھیوں کو بالطبع یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ وہ ایسا کریں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کرنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی (طٰہٰ۔ ۳۸) اے موسیٰ ہم نے تمہاری والدہ کی طرف وحی کی، کہ موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کرکے دریا میں بہا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس طریقے سے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دست برد سے محفوظ رکھا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ نے یہ وحی فرشتہ بھیج کر کی ہو یا پھر طبیعت میں براہ راست القا کر دیا ہو کہ یہ بھی وحی ہی کی ایک قسم ہے۔ اس قسم کا اشارہ بیداری میں بھی ہو سکتا ہے اور خواب کی حالت میں بھی۔ عام لوگوں کے لیے اس قسم کی وحی قطعی نہیں ہوتی۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسا القا قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ الفتح میں ملتی ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ (آیت۔ ۲۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا تو اپنے سر منڈوا کر اور بال کتروا کر امن وامان کے ساتھ داخل ہو گے چنانچہ حضور علیہ السلام کا یہ خواب حرف بحرف پورا ہوا۔ گویا بعض اوقات اللہ اپنے نبیوں کو خواب کے ذریعے احکام پہنچا دیتا ہے، اور کبھی غیب سے آواز آتی ہے جسے ہاتف کہتے ہیں اور نبی اُس بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ البتہ غیر نبی پر جو وحی آتی ہے وہ صرف الہام کی ایک شکل ہوتی ہے جو کہ شریعت نہیں ہوتی، وحی نبی اور غیر نبی میں یہی فرق ہے۔ سورۃ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف وحی کا ذکر بھی آیا ہے۔ آپ کی زبان کو کلام کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ آپ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا (آیت۔ ۱۱) اور انہیں اشارے سے فرمایا کہ وہ صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے رہیں۔ یہاں پر وحی کا معنی اشارہ ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

کسی انسان سے براہ راست کلام نہیں کرتا سوائے تین صورتوں میں جن میں سے پہلی صورت
وحی ہے۔ جب ایسی وحی نبی پر ہوگی تو یہ شریعت ہوگی اور جب غیر نبی پر ہوگی تو اسے الہام
سمجھا جائے گا۔

(۲) پس پردہ کلام

اللہ نے کلام کرنے کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی ہے اَوْ مِنْ وَّرَآئِ
حِجَابٍ کہ یا یہ کلام پردے کے پیچھے سے ہوگا۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ
اس جہان میں کسی سے براہ راست کلام نہیں کرتا۔ اس دنیا میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام
سے کلام کیا تھا جیسے فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء۔۱۶۴)
جب کوہ طور پر آپ نے آگ دیکھی تو اس طرف چل دیے۔ وہاں پہنچے تو آگ ایک
درخت سے پھوٹتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس وقت آواز آئی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ
(طٰہٰ۔۱۲) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ (طٰہٰ۔۱۴) اے موسیٰ میں تیرا پروردگار ہوں، میں
تیرا اللہ ہوں۔ یہ حجاب نوری تھا یا حجاب ناری تھا جس کے پیچھے سے اللہ
نے کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا نہیں۔ اور جب آپ نے
اپنے پروردگار کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ
سکتے۔ اور پھر جب اللہ نے اپنی تجلی کوہ طور پر ڈالی تو موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر
گر پڑے۔ غرضیکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ براہ راست کلام نہیں کرتا بلکہ
یا تو وحی بھیجتا ہے یا پس پردہ کلام کرتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے
کہ ایک موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض
کیا کہ ایک دفعہ میں اللہ تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہوگیا۔ فرمایا، کتنا قریب؟
عرض کیا، میرے اور پروردگار کے درمیان صرف ستر ہزار پردے حائل رہ گئے۔
مطلب یہ کہ اللہ کی مقرب مخلوق فرشتے بھی اس کو حجاب نوری میں دیکھتے
سنتے اور اس سے کلام کرتے ہیں۔ تو انسان کے ساتھ بھی پردے کے پیچھے سے
کلام ہو سکتا ہے۔ براہ راست نہیں ہو سکتا۔

(۳) کلام بوساطت رسول

اس جہان میں کلام کرنے کی اللہ نے تیسری صورت یہ بیان فرمائی ہے۔

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۔ یا اللہ تعالےٰ کوئی پیغام لانے والا بھیج دے جو اس کے حکم سے جو چاہے وحی پہنچائے بے شک وہ بلند اور حکمتوں والا ہے ۔ پیغام لانے والے سے مراد اللہ کا فرشتہ ہے جو کبھی اپنی اصل شکل میں آتا ہے اور کبھی انسانی شکل میں ۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ میں نے جبرائیل امین کو صرف دو دفعہ اُس کی اصل شکل میں دیکھا ہے ۔ پہلی دفعہ ابتدائے وحی کے زمانہ میں اور دوسری دفعہ معراج کے موقعہ پر ۔ ورنہ عام طور پر آپ حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کی شکل میں پیغام لے کر آتے تھے اور بعض اوقات کسی اجنبی آدمی کی شکل میں بھی آجاتے تھے ۔ احادیث میں اس کا تذکرہ بھی موجود ہے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا مِثْلَ سِلْسِلَةِ الْجَرَسِ گھنٹی کی سی آواز آتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کا بشریت سے ملکیت کی طرف انسلاخ کر رہے ہیں ۔ پھر فرشتے کا رابطہ قلب کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے اور وہ دل میں القاء کر دیتا ہے جیسے فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (الشعراء ۔ ۱۹۳، ۱۹۴) اس کو آپ کے دل پر امانت دار فرشتے نے نازل کیا ہے تاکہ آپ نصیحت کرنے والوں میں ہو جائیں ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ وحی کی حالت سخت شدید ہوتی ہے ۔ حتیٰ کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا ۔

وحی کی دو قسمیں ہیں بعض اوقات الفاظ اور مفہوم دونوں چیزیں القا ہوتی ہیں اس کو وحی متلو کہتے ہیں ۔ اور بعض اوقات الفاظ القا نہیں ہوتے بلکہ صرف مفہوم ہوتا ہے ۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں ۔ ایسی صورت میں حضور علیہ السلام اپنے الفاظ میں مفہوم کو بیان کر دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض احادیث کیونکہ قرآن تمام کا تمام وحی متلو کی شکل میں نازل ہوا ہے ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے اعتراض کا جواب دیا اور وحی الٰہی کی مختلف صورتیں بیان فرما دیں ۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک تمام انبیا اور رسل پر وحی بھیجی وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اسی طریقے سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے ایک روح۔ اس مقام پر روح کے دو معانی ممکن ہیں۔ روح کا معنی قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے اور وحی لانے والا فرشتہ بھی۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے اس کو روح اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح روح انسانی جسم میں داخل ہو کر اس کو زندگی بخشتی ہے اسی طرح قرآن پاک جہالت کی وجہ سے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور روح سے مراد روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام بھی ہے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (الشعراء - ۱۹۳) یعنی جبرائیل علیہ السلام اس قرآن کو لے کر نازل ہوئے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس مقام پر روح سے مراد قرآن پاک ہے جو انسان کی حیاتِ جاودانی کا ذریعہ بنتا ہے قرآن پاک کے متعلق سورۃ ابراہیم کے آغاز میں فرمایا کہ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ تاکہ آپ لوگوں کو جہالت اور معاصی کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف لے آئیں۔ یہ قرآن یقیناً لوگوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید اور ایمان کی روشنی میں لے آتا ہے، لہٰذا اس کو روح کہا گیا ہے۔

ایمان اور کتاب

آگے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر علیہ السلام کو خطاب ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ تو درست ہے کہ نزولِ کتاب سے پہلے آپ اس کتاب سے متعلق تفصیلات نہیں جانتے تھے، مگر ایمان کی نفی تو محال معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہر نبی نزولِ وحی سے پہلے بھی مومن ہی ہوتا ہے۔ کسی بھی نبی سے ایمان کے برخلاف کفر یا شرک کا ارتکاب آنکھ جھپکنے کے برابر بھی محال ہے کیونکہ اللہ ہر نبی کی عصمت کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور کسی نبی سے

کوئی گناہ بھی سرزد نہیں ہونے دیتا چہ جائیکہ وہ ایمان کے خلاف کوئی فعل کرے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایمان سے مراد نماز ہے یعنی نزول وحی سے پہلے آپ نہ قرآن سے واقف تھے اور نہ نماز کی تفصیلات سے کیونکہ نماز کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی سکھایا تھا۔ ایمان بمعنی نماز کی مثال سورۃ البقرہ میں بھی ملتی ہے۔ جب نبی علیہ السلام کو بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کے قبلہ مقرر کیے جانے کا حکم ہوا تو بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ ہماری اُن نمازوں کا کیا ہوگا۔ جو ہم سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ (آیت ۱۴۳) ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی نمازوں کو ضائع کرے۔ تمہاری وہ نمازیں بھی اللہ کے ہاں درجہ قبولیت کو پہنچتی ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر ایمان سے مراد شرع کے تفصیلی احکام ہیں، یعنی ایمان تو تھا مگر تفصیلی احکام کا علم نزول وحی کے ساتھ ہی ہوا۔ البتہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے اللہ کے نبی قطب باطنی کے درجے میں ہوتے ہیں۔ نبی آخر الزمان بھی ایمان، توحید، کفر اور شرک سے تو واقف تھے مگر اُن کی تفصیلات معلوم نہیں تھیں جو اللہ نے بذریعہ وحی نازل فرمائیں، اسی لیے فرمایا کہ آپ کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے۔

قرآن ذریعہ ہدایت

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا مگر ہم نے قرآن پاک کو ایسا نور بنا کر بھیجا ہے کہ جس کے ذریعے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں۔ اور جس طرح یہ قرآن پاک ذریعہ ہدایت ہے اسی طرح وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ بھی لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور وہ راستہ اُس وحدہٗ لاشریک کا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ یہ ایسا سیدھا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی رحمت کے مقام تک پہنچاتا ہے مطلب

یہ کہ قرآن اور نبی کی ذات دونوں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس سے توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا کہ ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ ہمہ دان اور ہمہ بین ہے۔ قدرت کاملہ کا مالک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

معاد کا تذکرہ

سورۃ کے آخر میں معاد کا ذکر بھی فرمایا اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۔ خبردار! تمام کاموں کا انجام خدا تعالیٰ کی طرف ہی پہنچنے والا ہے۔ سورۃ النّٰزعٰت میں فرمایا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (آیت ۔ ۴۴) جس طرح ہر چیز کا آغاز اُسی کی طرف سے ہے، اسی طرح ہر چیز کا انجام بھی اُسی کی طرف ہونے والا ہے۔ انسانوں کے تمام اعمال، نیکی اور بدی سب خدا کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ کفار و مشرکین کی نافرمانی اور نیکوں کی اطاعت و فرمانبرداری سب خدا کی بارگاہ میں پہنچنے والی ہیں۔ جہاں ہر شخص کو اپنے عقیدہ و اعمال کا فرداً فرداً جواب دینا پڑے گا۔

سورة

الزّخرف

مكّيّة

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ زخرف مکی ہے۔ اس کی نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ⑤ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ⑥ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧

ترجمہ:- حٰمٓ ① قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی ② بیشک ہم نے رکھا ہے اس (قرآن) کو عربی زبان میں تاکہ تم سمجھ سکو ③ اور یہ (کتاب) لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے بہت بلند اور حکمت والی ④ کیا ہم پہلوتہی کر دیں گے تمہیں نصیحت کرنے سے اس لئے

کہ تم اسراف کرنے والے ہو ⑤ اور ہم نے پہلے لوگوں
میں بھی بہت سے نبی بھیجے ⑥ اور نہیں آیا اُن کے
پاس کوئی نبی مگر وہ اُس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ⑦
پس ہم نے ہلاک کیا ان سے زیادہ گرفت والے لوگوں کو،
اور گذر چکی ہیں مثالیں پہلے لوگوں کی ⑧

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الزخرف ہے جو کہ اس کی آیت - ۳۵ میں آمدہ لفظ
زخرف سے ماخوذ ہے۔ زخرف دراصل سونے کی ملمع سازی (GILD)
کو کہتے ہیں۔ اگر پیتل یا کسی دوسری دھات پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہو تو وہ چیز
زخرف یا سنہری کہلائے گی۔ یہ لفظ قرآن پاک میں بات چیت میں ملمع سازی کے معنی
میں بھی استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں
اور جنوں میں سے دشمن بنائے يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ
الْقَوْلِ غُرُورًا (آیت -۱۱۲) جو اپنے حواریوں کو ملمع شدہ یا دھوکے والی بات
القا کرتے ہیں۔

یہ سورۃ باقی حوامیم سبعہ کی طرح مکی سورۃ ہے اور گذشتہ سورۃ الشوریٰ کے بعد
نازل ہوئی۔ اس کی نواسی آیات اور سات رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۸۳۳ کلمات اور
۳۴۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ گذشتہ سورتوں کے تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے حوامیم سبعہ میں عام طور
پر بنیادی اعتقادات یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت
کا ذکر ہے، تاہم ہر سورۃ میں بعض ضمنی مسائل بھی آ گئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں بھی
توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اور مختلف عنوانات اور مثالوں کے
ذریعے شرک کا رد کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
مثال بھی بیان کی ہے کہ انہوں نے کس طرح قوم کے سامنے شرک سے بیزاری کا
اظہار کیا اور تبلیغ کے لیے بہترین طریقہ کار کو بھی واضح کر دیا۔ اس سلسلہ میں موسیٰ علیہ السلام

کا ذکر ہے۔ آپ کو بڑی سرکش قوم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ شرک کی مختلف قسموں میں ایک قسم انسان پرستی کی بھی ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کی صفت اور عبادت میں شریک کیا، اس کا رد آئے گا۔ تمام رسولوں کی اطاعت ضروری ہے کیونکہ شریعت کا مدار کسی تجربہ یا عقل پر نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ رسولوں کے واسطے سے آتی ہے۔ تمام کتب سماویہ اور خاص طور پر قرآن پاک پر ایمان لانا بھی جزو ایمان ہے کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا جزائے عمل کے ضمن میں ترغیب و ترہیب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ غرضیکہ اس سورۃ میں بھی تمام بنیادی اصولوں کا ذکر آگیا ہے۔ اگر انسان کا عقیدہ درست ہوگا تو دین پر عمل درآمد ہو سکے گا۔ اور اگر عقیدے میں خرابی ہوگی۔ تو فرقہ بندی شروع ہو جائیگی اس لیے دین کی اساس اور بنیاد کو اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

حروف مقطعات

یہ سورۃ بھی چونکہ حوامیم سبعہ میں سے ہے، لہٰذا اس کی ابتدا بھی حٰمٓ کے حروف سے ہوئی ہے۔ حٰمٓ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا قرآن پاک کا نام ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ان حروف کا اشارہ اس سورۃ میں بیان کردہ مضامین کی طرف ہے۔ ان کا اشارہ خدا تعالیٰ کی بعض صفات کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے ح سے حنان اور م سے منان۔ انتہائی درجے کی شفقت و مہربانی کرنا خدا تعالیٰ کی صفت ہے، لہٰذا حٰمٓ سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان حروف کے ذریعے خدائے رحمان و رحیم کی قسم اٹھا کر آگے بات کی گئی ہے تاہم امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات میں زیادہ الجھنا نہیں چاہیئے بلکہ ان کی تلاوت کے وقت یہی کہنا چاہیئے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ یعنی ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ان حروف سے اللہ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ باقی مفسرین نے تقریب فہم کے لیے جو باتیں کی ہیں وہ حتمی نہیں ہیں، لہٰذا ان حروف کے متعلق زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ ان پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔

کتاب مبین

حروف مقطعات کے بعد سورۃ کا آغاز قسم سے ہوتا ہے وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ

لہ جلالین ص ۲

قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے جس میں کسی مسئلہ کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا بلکہ واضح کر دیا گیا ہے اگر کسی ایک مقام پر اجمال ہے تو دوسری جگہ پر اس کی تفصیل بھی موجود ہے۔ اور پھر بعض چیزوں کی وضاحت اللہ کے نبی کے سپرد کی گئی ہے جیسے سورۃ النحل میں فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (آیت۔ ۴۴) ہم نے یہ ذکر یعنی کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ چیز کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آیات الٰہی کی تشریح بھی کرتے ہیں اور یہ تشریح و توضیح بھی منجانب اللہ ہوتی ہے جسے وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ نے اکثر بنیادی عقائد اور اصولوں کو بڑے واضح طریقے پر بیان کر دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ہر چیز انسان کی سمجھ میں آجاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ الغرض! اللہ نے اس کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی قسم اٹھا کر اگلی بات کی ہے۔

قرآن عربی زبان میں

کتاب مبین کی قسم کے جواب کے متعلق مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بھی جواب قسم وہی ہے جو سورۃ یٰسٓ کے آغاز میں وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ میں ہے یعنی اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر کتاب مبین کی قسم کا جواب قسم وہی ہے جو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا بے شک ہم نے اس قرآن پاک کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ آپ لوگ اس کو خوب سمجھ سکیں۔

قرآن کا عربی زبان میں نزول ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ جس کو پچھلی سورۃ میں بھی بیان کیا جا چکا ہے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (الشوریٰ) اسی طرح ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف عربی زبان میں بھیجا تاکہ آپ اہل مکہ اور گرد و پیش والوں کو ڈرا دیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اس نے تورات عبرانی

زبان میں اور انجیل سریانی زبان میں نازل کی، وہ اس قرآن کو کسی دوسری غیر عربی زبان میں بھی نازل کرنے پہ قادر تھا مگر اُس کا یہ اصولی فیصلہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراھیم-۴) ہم نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اُن کو اللہ کا پیغام کھول کر بیان کر سکیں۔ اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی قوم قریش کی طرف مبعوث فرمایا، جو عربی زبان بولتے تھے۔ لہٰذا قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اس کے اولین مخاطبین اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر اس کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں عربی زبان انتہائی عروج پر تھی۔ اس کی ترقی کا دور حضور علیہ السلام کی بعثت سے دو ہزار سال پہلے شروع ہوا۔ اور آپ کے زمانے تک شعر و ادب کی دنیا میں یہ زبان تمام زبانوں پر فوقیت حاصل کر چکی تھی۔ یہ زبان آج بھی اختصار، مفہوم کی ادائیگی اور اس کی گرامر کے سائینٹفک ہونے کے اعتبار سے اول نمبر پر ہے۔ اس کی شرح میں بھی کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انگریزی زبان اگرچہ دنیا بھر میں بولی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی بہت سے زائد موجود ہیں جب کہ عربی ہی ایک واحد زبان ہے جو زائد حروف سے بالکل پاک ہے اور کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عربی زبان میں کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا کوئی مفہوم یا معنیٰ نہ نکلتا ہو۔ بہر حال اس فصیح و بلیغ زبان میں اللہ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ طبرانی اور بعض دیگر کتب احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ عربوں سے محبت کیا کرو۔ کیونکہ میں بھی عربی ہوں، اللہ نے قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، اور پھر اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ یہ قریش اور عربوں کی سعادت تھی کہ اللہ کا آخری نبی اُن میں پیدا ہوا، قرآن عربی زبان میں نازل ہوا جس کی ایک حکمت اللہ نے یہ بھی بیان فرمائی لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ-۱۴۳) کہ اللہ کا رسول تمہارا معلم ہے اور تم دیگر لوگوں کے معلم ہو گے مطلب یہ کہ تم قرآن پاک

کہ اپنی مادری زبان میں ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھ لو اور پھر آگے غیر عربیوں تک پہنچا دو۔ فرمایا، یہ بلند مرتبت کتاب ہے۔ وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ اور بے شک یہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بہت برتر اور مستحکم ہے۔ حکیم کے دونوں معنی آتے ہیں یعنی مضبوط و مستحکم بھی اور حکمت والی بھی ہے۔ بہر حال قرآن کریم میں یہ ساری صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر-۹) بے شک ہم نے اس کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس دنیا میں کروڑوں حفاظ کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا ہے اور اُدھر لوحِ محفوظ میں بھی اس کو محفوظ و مستحکم بنا رکھا ہے۔

قرآن منکرین کے لیے تنبیہ

جو لوگ نبی آخر الزمان کی رسالت اور قرآن حکیم کی حقانیت میں شک کرتے ہیں اللہ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی ہے اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کیا ہم تمہیں نصیحت کرنے سے پہلو تہی کریں گے، محض اس وجہ سے کہ اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ تم ایک اسراف کرنے والی یعنی حد سے گزرنے والی قوم ہو؟ اگر تم اس نبی یا قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم اپنے احکام کے ذریعے تمہیں نصیحت کرنا ترک کر دیں؟ ایسا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہر حالت میں نصیحت کی جاتی رہے گی، ہمارا پیغام پہنچتا رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام تر مخالفت کے باوجود نزولِ قرآن کو موقوف نہیں کیا۔ لہٰذا قرآن پاک بدستور نازل ہو رہا ہے۔ اللہ کی منشا یہ ہے کہ وہ اپنے رسول اور قرآن کے ذریعے اتمامِ حجت کر دے تاکہ کل کو کوئی عذر نہ کر سکے اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری رسول کو مبعوث فرمایا اور اس عذر کو رفع کر دیا ہے فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ (المائدہ-۱۹) پس تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے۔ لہٰذا اب تمہارا

کوئی عذر مسموع نہیں ہے۔ اگر اب بھی حقیقت کو پہچان کر اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر آگے اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے، وہ تمہیں سزا میں مبتلا کرنے پر بھی قادر ہے۔

سابقہ اقوام کا انجام

اسی ضمن میں اللہ نے سابقہ اقوام کی نافرمانی اور پھر اُن کے انجام کا حال بھی ذکر کیا ہے وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں بہت سے رسول بھیجے وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ مگر اُن کے پاس جو بھی نبی آیا إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ان بدبختوں نے اُن انبیاء کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا۔ اللہ کے نبی اور رسول انہیں خدا کا پیغام پہنچاتے رہے، انہیں نیک انجام کی خوشخبری دیتے رہے اور بُرے انجام سے ڈراتے رہے مگر لوگوں نے ایک نہ سُنی اور انبیاء سے مذاق ہی کرتے رہے۔ سورۃ الرعد میں بھی ہے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ (آیت ۳۲) آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ پس ہم نے انکار کرنے والوں کو مہلت دی اور پھر اُن کو پکڑ لیا۔ جب نوح علیہ السلام اللہ کے حکم سے کشتی تیار کر رہے تھے وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ (ھود - ۳۸) تو اُن کی قوم کا جو بھی سرکردہ آدمی اُدھر سے گزرتا اُن کے ساتھ مذاق کرتا۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے ہر نبی اور رسول کے ساتھ تمسخر کیا گیا۔ اگر آج یہ لوگ آپ کو دیوانہ، شاعر یا کاہن کہتے ہیں تو آپ ان کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہ تمسخر تو پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں اور ان کی بُری حرکات کی پرواہ نہ کریں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد آپ کے متبعین کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ لوگوں کے ٹھٹھے مذاق سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ البتہ اللہ نے یہاں پر تنبیہ کر دی ہے کہ نافرمانوں کا انجام بھی عبرتناک ہی ہوتا رہا ہے۔ سورۃ سبا میں اللہ نے فرمایا کہ مکے کے کافر کس بات پر اتراتے ہیں اور اللہ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ

(آیت ۵۴) ان سے پہلے لوگوں نے بھی پے بہ پے رسولوں کی تکذیب کی مگر ان کا انجام کتنا عبرت ناک ہوا۔ ان مکے والوں کو تو ان کا عشر عشیر بھی نہیں دیا گیا۔ بھلا ان کی کیا حیثیت ہے [illegible]؟

فرمایا ہم نے [illegible] فاھلکنا اشد منھم بطشا پھر ہم نے ان سے زیادہ گرفت والوں کو ہلاک کر ڈالا۔ مطلب یہ کہ مکے والے بھی اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔ فرمایا وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگوں کی اس قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں کہ وہ لوگ عبرت ناک سزا میں مبتلا ہوئے۔ قرآن پاک نے ایسے لوگوں کے جستہ جستہ واقعات بیان کر دیئے ہیں جن کو اللہ نے اس دنیا میں ہلاک کیا۔ کسی قوم پر زلزلہ آیا، کسی کو پانی میں غرق کیا، کسی پر تیز ہوا مسلط کر دی گئی اور کسی پر سخت چیخ آئی۔ اللہ نے بعض کی شکلیں ہی مسخ کر دیں۔ غرضیکہ اللہ نے تنبیہ کے انداز میں فرمایا کہ مکے والوں کو سابقہ اقوام کا انجام پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر وہ [illegible] کے عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکے تو ان کا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾

ترجمہ:- اور اگر آپ اِن سے سوال کریں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو البتہ ضرور کہیں گے کہ پیدا کیا ہے اِن کو زبردست اور علم والے پروردگار نے ⑨ وہ جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ ، اور بنائے ہیں تمہارے لیے اس میں رستے تاکہ

تم راہ پاؤ ⑩ اور جس نے اتارا ہے آسمان کی طرف سے پانی خاص اندازے کے ساتھ ۔ پس زندہ کیا ہم نے اُس کے ساتھ مردہ شہر کو ، اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ⑪ اور وہ ذات جس نے پیدا کیے ہیں جوڑے سب کے سب ۔ اور بنائے ہیں تمہارے لیے کشتیوں سے اور مویشیوں سے جن پر تم سواری کرتے ہو ⑫ تاکہ برابر ہو کر بیٹھو اس کی پشت پر ۔ پھر تم یاد کرو اپنے پروردگار کی نعمت کو جب تم بیٹھ جاتے ہو اُس پر اور کہو پاک ہے وہ ذات جس نے مسخر کر دیا ہے ہمارے لیے اس کو ، اور نہیں تھے ہم اِس کو قابو میں رکھنے والے ⑬ اور بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف البتہ لوٹ کر جانے والے ہیں ⑭

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں سورۃ الزخرف کا آغاز تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کے متعلق فرمایا کہ یہ کتاب مبین ہے ۔ یہ کتاب اللہ نے عربی زبان میں نازل فرمائی ہے اور یہ اُس کے نزدیک لوح محفوظ میں محفوظ ہے اللہ نے فرمایا کہ اس کتاب کے منکرین کی قبیح حرکات کی وجہ سے ہم اس کے نزول کو موقوف نہیں کرنے دیں گے بلکہ اس نصیحت کی تکمیل ضرور کریں گے تاکہ کسی شخص کو بعد میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع نہ ملے کہ اُسے سمجھایا نہیں گیا ۔ بعض لوگ سلیم الفطرت بھی ہوتے ہیں جو حق بات کو فوراً قبول کر لیتے ہیں ، لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ نصیحت کو روکا نہیں جائے گا ۔ اور اس سے مستفید ہونے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے گا ۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی کہ وہ کفار و مشرکین کی زیادتیوں سے گھبرائیں نہیں بلکہ اپنا کام کرتے چلے جائیں ۔ اللہ نے سابقہ اقوام کی نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اُن کے پاس اللہ کے رسول

آئے تو انہوں نے اُن کے ساتھ تمسخر ہی کیا۔ پھر جب اُن کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے اُن کو گرفت میں لے لیا۔ وہ لوگ تو مشرکین مکہ سے زیادہ قوت، زیادہ مال و دولت اور زیادہ جتھے والے تھے۔ جب وہ بھی عذابِ الہٰی سے بچ نہ سکے تو یہ لوگ انہی کے نقشِ قدم پر چل کر کیسے بچ سکتے ہیں؟ اُن ہلاک شدہ قوموں کی کہانیاں تاریخ میں بھی محفوظ ہیں اور ان کے جستہ جستہ واقعات قرآن نے بھی بیان کر دیے ہیں۔ اس طرح یہ تسلی کا مضمون بھی آگیا ہے۔

اللہ کی صفت خلق

آج کے درس میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض دلائل ذکر کیے ہیں، اور پھر شرک کی مختلف قسموں کا رد کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اگر آپ ان کافروں اور مشرکوں سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تمہارے پاؤں کے نیچے زمین ہے جس پر تم رہائش پذیر ہو اور جس پر تمام امورِ زندگی انجام دیتے ہو، تمہاری ضروریات اسی زمین سے پوری ہوتی ہیں۔ پھر تمہارے سامنے نظر آنے والا نیلگوں آسمان ہے، اس میں سورج، چاند، ستارے اور سیارے نظر آتے ہیں، ذرا بتلاؤ تو سہی کہ ان سب چیزوں کا خالق کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک موٹی عقل رکھنے والا آدمی بھی یہی کہے گا کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا اللہ ہے لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ ہر عاقل، عالم، جاہل، چھوٹے بڑے کا ایک ہی جواب ہے اور وہ لازماً یہی کہے گا۔ کہ ان اشیاء کو اُس ذاتِ خداوندی نے پیدا فرمایا ہے جو زبردست، غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

توحید کے چار درجات

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں۔ جن میں سے دو درجوں میں تو سب برابر ہیں اور دو درجوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ توحید کا پہلا درجہ خلق ہے۔ دہریوں کی ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر آپ کسی خطے اور کسی مذہب کے پیروکار سے پوچھ لیں خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی ہو، ہندو ہو یا سکھ، چینی ہو یا جاپانی، مجوسی ہو یا صابی سب یہی کہیں گے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ قرآن نے

نے اس حقیقت کو بار بار واضح کیا ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (زمر ۳۹-۶۲) اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

توحید کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اُس کا وجود خود بخود ہے نہ کہ کسی دوسری ہستی کا عطا کردہ۔ لفظ اللہ اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور لفظ خدا کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ خود بخود ہے اور اُس کی ذات میں کسی دوسری ذات کا کوئی حصہ نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہستی ہے جو خود بخود ہے۔ اس کے سوا کوئی ہستی خود بخود نہیں۔ بلکہ ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ ہر شے کا وجود اللہ کا عطا کردہ ہے۔

ان دو درجات کے علاوہ دوسرے درجات تدبیر اور عبادت ایسے ہیں جہاں اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ کسی چیز کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بتدریج درجہ کمال تک پہنچانا اللہ ہی کی صفت ہے مگر مشرک لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ بعض دوسری ہستیاں بھی اُن کے کام بناتی ہیں۔ بعض فرشتے، جن، انسان (زندہ اور مردہ) شجر و حجر، شمس و قمر، ستارے اور سیارے بھی ان کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں۔ یہی شرک ہے جس میں لوگ اکثر پھنس جاتے ہیں۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر عبادت بھی بالعموم اُسی کی ہونی چاہیے مگر بعض عبادت میں بھی دوسروں کو شریک بنا لیتے ہیں۔ بعض بتوں کے سامنے اور بعض قبروں، شجر و حجر، سورج اور چاند، اور جنوں اور انسانوں کے سامنے سر نیاز خم کر دیتے ہیں۔ اُن کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہیے۔ اُن کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ یہ شرک فی العبادت کا ارتکاب ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ ارض و سماء کا خالق کون ہے تو ضرور یہی جواب

دیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے اِن کو پیدا فرمایا ہے۔

زمین جیسا گہوارہ

توحید کے اس تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان پر کیے جانے والے بعض احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنا دیا ہے۔ زمین کی تخلیق کے ذکر کے بعد اُس سے حاصل ہونے والے منافع کا ذکر ہو رہا ہے جس طرح بچے کو گہوارہ میں سلا کر اُس کو حرکت دی جاتی ہے تو بچہ راحت محسوس کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر پھیلا کر زمین کو جھولے کی طرح متحرک کر دیا ہے جو اس کے لیے بہت سے منافع کا سبب بنتی ہے۔ قدیم یونانی ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے جب کہ جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ زمین متحرک ہے، اور یہ بیک وقت دو حرکتوں کے ساتھ اپنے سفر پر رواں دواں ہے۔ اس کی ایک حرکت اپنے محور کے گرد ہے جو چوبیس گھنٹوں میں پوری ہوتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے دن رات آگے پیچھے آتے ہیں۔ زمین کی دوسری حرکت سورج کے گرد ہے جو سال بھر میں مکمل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے موسمی تغیرات واقع ہوتے ہیں چنانچہ سال بھر کے موسم گرما، سرما، بہار اور خزاں زمین کی سورج کے گرد گردش کا نتیجہ ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو جھولے کی طرح متحرک بنا کر اس پر رہنے والوں کے لیے بہت سے منافع وابستہ کر دیے ہیں۔ دن کے وقت کام، رات کو آرام، مختلف موسموں میں مختلف قسم کے پھل، پھول اور اناج کی پیداوار سب کچھ اللہ نے انسان اور دیگر جانداروں کی مصلحت کی خاطر قائم کیا ہے۔ بہرحال زمین ایک گہوارے کی مثل جھول رہی ہے۔ دیگر کُروں کی طرح یہ بھی ایک کرہ ہے جو فضا میں معلق ہے جو لوگ زمین سے نکل کر فضا میں جاتے ہیں یا جو چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اُن کو زمین بھی چاند جیسا ایک کرہ ہی نظر آتی ہے۔

ابتداء میں زمین سورج ہی کا ایک حصہ تھی۔ پھر اللہ نے اس کو سورج سے الگ کر کے کروڑوں میل دور پھینک دیا۔ چونکہ زمین سورج جیسے آگ کے

بگولے سے آگ ہوئی ہے۔ اس کا بڑا حصہ تو ٹھنڈا ہو چکا ہے مگر اس کا اندرونی حصہ ابھی تک گرم ہے اور لاکھوں سال گزرنے کے بعد اب بھی بعض اوقات اس سے لاوا ابلنے لگتا ہے۔ زمین کے اردگرد چودہ کروڑ مربع میل رقبے میں پانی ہی پانی ہے اور صرف آٹھواں حصہ خشکی ہے۔ زمین کے اردگرد پانی کی مثال ایسی ہے جیسے سخت گرمی میں پسینہ آجاتا ہے۔ اللہ نے اس زمین کے گرد دیا، پانچ سو میل تک ہوا کا خول چڑھا دیا ہے۔ زمین کے اندر کی حقیقت کو سائنسدان پورے طور پر ابھی تک معلوم نہیں کر پائے۔ وہ صرف چھ آٹھ میل تک نیچے کی خبر لا سکے ہیں اور مزید نیچے جانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں مزید انکشافات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اس کی ذات وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے گہوارہ بنا دیا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا اور اس میں تمہارے لیے جگہ جگہ راستے بنا دیئے ہیں۔ جن کے ذریعے تم ایک خطے سے دوسرے خطے کی طرف جا سکتے ہو۔ اس زمین پر کہیں پہاڑ ہیں، کہیں میدان ہیں، کہیں جنگلات ہیں تو کہیں بڑے بڑے صحرا ہیں۔ اسی زمین پر اللہ نے ندی نالے اور دریا بہا دیئے ہیں۔ جن کے ذریعے تم زندگی کے مفادات حاصل کرتے ہو اور ان میں سفر بھی کرتے ہو لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم راہ پاؤ۔

بعث بعد الموت کی مثال

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے بعث بعد الموت کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان کی طرف سے ایک خاص اندازے کے ساتھ پانی نازل فرمایا۔ سماء کے مختلف معانی آتے ہیں۔ بادلوں اور فضا کو بھی آسمان کہا جاتا ہے بلکہ عربی میں چھت پر بھی سماء کا لفظ بولا جاتا ہے اور اوپر کی طرف ہمیں جو نیلگوں پردہ نظر آتا ہے اس کو بھی آسمان کہا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اوپر فضا سے بادلوں کی وساطت سے بارش کی صورت میں پانی نازل فرماتا ہے۔ اور پھر اس عمل کے لیے عالم بالا کا حکم بھی شامل ہوتا ہے۔ تو نزول رحمت ہوتا ہے۔ فرمایا ہم نے آسمان کی طرف سے

پانی نازل فرمایا فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا پھر اس کے ذریعے ہم نے مردہ شہر یعنی مردہ زمین کو زندہ کیا۔ بارش کی عدم موجودگی میں زمین خشک ہوجاتی ہے۔ اُس کی روئیدگی ختم ہوجاتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے تو زمین پھر سے زندہ ہوجاتی ہے۔ اس میں روئیدگی کی طاقت آجاتی ہے اور پھر اسمیں پھل، پھول، پودے، سبزیاں اور چارہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں جنکے ذریعے انسان اور دیگر جاندار اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ مردہ زمین کی زندگی سے یہی مراد ہے۔ کہ وہ سرسبز ہوجاتی ہے اور پیداوار دینے لگتی ہے۔

فرمایا جس طرح ہم پانی نازل فرما کر مردہ زمین کو حیات نو بخشتے ہیں كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم مر کر قبروں میں دفن ہو چکے ہوگے تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمہیں دوبارہ زندہ کرکے قبروں سے نکال دے گا۔ جو ذات خداوندی خشک زمین میں پانی برسا کر سبزی پیدا کرسکتی ہے وہ مٹی میں مدفون مُردوں کو بھی دوبارہ زندگی بخشنے اور وہاں سے نکالنے پر قادر ہے۔ یہ بات ایک طرف قدرت کی دلیل ہے تو دوسری طرف بعث بعد الموت، اور جزائے عمل کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس سے غافل نہ ہوجانا۔

پھر فرمایا وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی نشانی ہے کہ اُس نے تمام جانداروں کو جوڑے جوڑے یعنی نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کرکے اُن کے اختلاط سے اُن کی نسلوں کو آگے پھیلایا ہے۔ جانداروں کے علاوہ پودے اور درخت بھی جوڑا جوڑا ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نر کھجور کا بُور جب مادہ کھجور کے درخت پر ڈالا جاتا ہے تو درخت پھل دینے لگتا ہے۔ جوڑا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کی ضد پیدا کی ہے جیسے سیاہی اور سفیدی، نور اور ظلمت، دنیا اور عقبیٰ، نیکی اور بدی وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال اللہ نے تفریق جنس یا تفریق نوع کر کے بھی اپنی قدرت کی نشانی بتلایا ہے۔

ذرائع نقل وحمل

انسان کی افادیت کے لیے ذرائع نقل وحمل بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی

اور اس کے انعامات میں سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشتیاں اور جانور پیدا فرمائے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ میں ذرائع نقل و حمل صرف دو قسم کے تھے یعنی بحری اور بری اس آیت میں اللہ نے انہی دو ذرائع کا ذکر فرمایا ہے کہ بحری راستے سے سفر کے لیے تمہارے لیے کشتیاں بنائیں۔ اُس زمانے میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ دریاؤں اور سمندروں کی لہروں کو چیرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا بہت بڑی چیز تھا۔ کشتیوں کے بعد پھر سٹیمر آئے جو بھاپ سے چلتے تھے اور پھر تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں اور شب و روز سطح آب پر رواں دواں ہیں۔ اللہ نے اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندری سفر کا بندوبست کر دیا۔ اگرچہ یہ کشتیاں اور جہاز انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس کے لیے مادی وسائل از قسم لکڑی، لوہا وغیرہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ اور انسان کے ذہن میں عقل و فہم اور شعور بھی اللہ نے ہی ڈالا تو وہ ان کو تیار کر سکے۔

اللہ نے فرمایا کہ زمینی سفر کے لیے ہم نے تمہارے لیے جانور پیدا فرما دیے۔ ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں بھی یا تجارتی نقل و حمل جانوروں کے ذریعے ہی ہوتا تھا۔ جن میں اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اونٹ کو تو صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے۔ جہاں وہ کئی کئی دن کچھ کھائے پیئے بغیر سفر کر سکتا ہے۔ اگرچہ آج کے مشینی دور میں نقل و حمل کے لیے جانوروں کی افادیت قریباً قریباً ختم ہو چکی ہے۔ تاہم بعض علاقے آج بھی ایسے موجود ہیں۔ جہاں سواری اور بار برداری کے لیے جانوروں سے ہی کام لیا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ نے جانوروں کو پیدا کر کے انسان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے جو کہ نہ صرف اُن کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ بلکہ بعض انسان کی خوراک بھی بنتے ہیں۔

سواری کی دعا

فرمایا ایک تو یہ جانور، باربرداری کا کام دیتے ہیں اور ان کا دوسرا فائدہ یہ ہے

مَا تَرۡكَبُوۡنَ کہ تم ان پر سواری کرتے ہو۔ لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ تاکہ تم برابر ہو کر بیٹھو ان کی پشت پر۔ ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ پھر اپنے پروردگار کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہارے لیے ان وحشی جانوروں کو مسخر کر دیا۔ فرمایا اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ جب تم ان جانوروں پر آرام سے سوار ہو جاؤ۔ تو پھر اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرو وَتَقُوۡلُوۡا اور یوں کہو سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر کر دیا۔ ورنہ ہم تو اسے قابو کرنے والے نہیں تھے یعنی اس سواری پر تسلط حاصل کرنا ہمارے بس میں نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے اس وقت تو جانوروں کی سواری کے متعلق اللہ نے یہ دعا سکھائی۔ اور حقیقت بھی ہے کہ اونٹ گھوڑے وغیرہ جیسے طاقتور اور خود سر جانوروں کو قابو کرنا انسانی استطاعت سے باہر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے ساتھ ان جانوروں کی طبیعت میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ وہ انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سو اونٹ کی ایک لمبی قطار کو دس سال کا بچہ جدھر چاہے ہانک کر لے جاتا ہے۔ مگر وہ اُف تک نہیں کرتے۔ یہ اللہ کی مہربانی کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔

آج کے دور میں زمینی نقل و حمل گاڑیوں، ٹرکوں، ٹرالوں، ویگنوں اور کاروں کے ذریعے ہوتی ہے۔ بحری سفر کے لیے بڑے بڑے جہاز اور ہوائی نقل و حمل کے لیے تیز رفتار ہوائی جہاز استعمال ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ دعا اگرچہ جانوروں کی سواری کے متعلق ہے تاہم یہی دعا ہر قسم کی بری اور ہوائی سواریوں کے لیے بھی مفید ہے۔ البتہ بحری سفر کے لیے قرآن میں یہ دعا مذکور ہے۔ بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖٮهَا وَمُرۡسٰٮهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (ہود-۴۱) اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کی برکت سے ہی اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ بیشک میرا پروردگار البتہ بڑا بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ بہرحال تمام سواریاں اللہ تعالیٰ

کی توفیق سے رواں دواں ہیں۔ دنیا میں کتنے واقعات پیش آتے ہیں کہ راہ چلتے حوادثات پیش آجاتے ہیں اور اچھی بھلی سواریاں قابو سے باہر ہو کر جانی اور مالی نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔ موٹر کاروں، ٹرکوں، ٹرالیوں، ریل گاڑیوں میں ٹکر ہو جاتی ہے۔ ہوائی جہاز تباہ ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بحری جہاز ڈوب جاتے ہیں، جب تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال نہ ہو، انسان بالکل بے بس ہے۔

فرمایا وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف ہی پھر کر جانے والے ہیں۔ جس طرح اس دنیا میں لوگ ایک مقام سے دوسرے مقام تک ان سواریوں پر سفر کرتے ہیں، اسی طرح ایک دن آنے والا ہے جب یہی انسان انسانی کندھوں پر سوار ہو کر قبرستان کی طرف جا رہا ہوگا۔ اور در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ مقررہ وقت پر سب کو اکٹھا کریگا اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اس مادی سفر میں ساتھ ساتھ سفر آخرت کو بھی یاد رکھے اور اس کے لیے تیاری کرے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ ع ١٥
وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ
بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا
وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ
فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ
الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ
سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوْا
لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ
مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿٢١﴾
بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا
عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا
عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿٢٣﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ

بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :- اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اُس (رحمٰن) کے لیے اُس کے بندوں میں سے حصہ۔ بے شک انسان البتہ کھلا ناشکر گزار ہے ⑮ کیا بنا لی ہیں اُس نے اپنی تخلیق کردہ چیزوں میں سے بیٹیاں، اور چنا ہے تم کو بیٹوں کے ساتھ ⑯ اور جب خوشخبری دی جاتی ہے ان میں سے کسی ایک کو اُس چیز کی جو بیان کرتا ہے رحمان کے لیے مثال، تو ہو جاتا ہے اُس کا چہرہ سیاہ اور وہ رنج و غم کی وجہ سے گھٹ رہا ہوتا ہے ⑰ بھلا وہ جس کو نشوونما دی جاتی ہے زیور میں اور وہ جھگڑا کرنے میں بھی صاف بات نہیں کر سکتی ⑱ اور ٹھہرا لیا ہے انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں۔ کیا یہ حاضر ہوئے تھے اُن کی پیدائش کے وقت۔ لکھی جائیگی ان کی شہادت اور ان سے پوچھا جائے گا ⑲ اور کہا انہوں نے کہ اگر چاہے رحمان تو ہم نہ عبادت کریں اُن کی۔ نہیں ہے انہیں اس کا کچھ علم۔ نہیں ہیں یہ مگر اٹکل دوڑاتے ⑳ کیا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب اس سے پہلے۔ پس وہ اُس کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں ㉑ بلکہ کہا انہوں نے کہ پایا ہم نے اپنے آباؤاجداد کو ایک رستے

پہ ۔ اور ہم اُن کے نقشِ قدم پہ راہ پانے والے ہیں (۲۲) اور اسی طریقے سے نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا مگر کہا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے کہ بیشک ہم نے پایا ہے اپنے آباؤ اجداد کو ایک راستے پہ ۔ اور بیشک ہم اُن کے نقشِ قدم پہ اُن کی اقتدا کرنے والے ہیں (۲۳) کہا اُس (پیغمبر) نے اگرچہ لاؤں میں تمہارے پاس زیادہ ہدایت والی چیز اُس سے جس پہ پایا تم نے اپنے آباؤ اجداد کو ۔ کہا انہوں نے بیشک ہم اس چیز کے ساتھ جو تم کو دی گئی ہے ۔ کفر کرنے والے ہیں (۲۴) پس ہم نے انتقام لیا اُن سے ، پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا (۲۵)

ربطِ آیات

سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا اور اُس کے وحی الٰہی ہونے کا بیان ہوا ۔ پھر اللہ نے رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ ہر رسول کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا لہٰذا اس بات سے گھبرانا نہیں چاہیئے ۔ اللہ نے اپنی قدرتِ تامہ کے دلائل بیان فرمائے جن سے اُس کی توحید بھی بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے ۔ پھر اللہ نے مخلوق پہ کیے جانے والے انعامات کا تذکرہ کیا اور خاص طور پر انسانوں کے لیے سواریوں کا ذکر فرمایا اور اُن پر سوار ہوتے وقت کی خصوصی دُعا سکھلائی ۔ اب آج کی آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد ہے اور اس سلسلے عقیدۂ اولاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور خاص طور پر فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں ۔ پھر اللہ نے مشرکین کی اندھی تقلید کو بیان کر کے اُن کے انجام کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

خدا کے لیے اولاد کا عقیدہ

مشرکین کے شرک کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت تے ۔ اللہ نے فرمایا وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا انہوں نے اللہ

کے بندوں میں سے اُس کے لیے ایک حصہ ٹھہرا لیا ہے۔ مرد اور عورتیں سب ہی اُسی کے بندے ہیں۔ مگر مشرکوں نے ان بندوں میں سے ایک حصہ یعنی عورتوں کو خدا تعالیٰ کی اولاد تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح وہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بعض دوسرے گروہوں نے مردوں کو خدا کا جزو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (التوبۃ ۳۰) یہودی کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اسی طرح بعض دیگر مشرکین بھی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو خدا کی اولاد تسلیم کرتے ہیں۔ فرمایا یہ بڑی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے کہ خدا کی مخلوق میں سے اُس کے لیے ایک حصہ تجویز کیا جائے۔ صاحب اولاد ہونا تو مخلوق کی صفت ہے۔ جو چیز اجزا سے مرکب ہوتی ہے۔ وہ حادث ہوتی ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ وہ بسیط ہے، نہ کہ مرکب۔ مرکب اور حادث ہونا تو عیب اور نقص کی نشانی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ وہ حادث نہیں بلکہ قدیم ہے۔ لہٰذا اُس کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا کسی طرح بھی اُس کی شانِ رفیع کے لائق نہیں۔ وہ ازلی اور ابدی اور جنسیت سے پاک ہے۔ اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان صرف خالق اور مخلوق ہونے کا تعلق ہے۔ والدیت اور مولودیت کا کوئی تعلق نہیں۔

عقیدۂ اولاد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الصّٰفّٰت اور یہاں اگلی آیت میں بھی مشرکین کے اس عقیدے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے، حالانکہ فطرتاً بیٹیاں بیٹوں سے کمزور ہوتی ہیں، اور ان بدبختوں نے کمزور مخلوق کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اعلیٰ مخلوق یعنی بیٹوں کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ انسان کس قدر کھلا ناشکر گزار ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم

اسی جنسی تقسیم کے متعلق اللہ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا

يَخْلُقُ بَنٰتٍ کیا اُس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں ٹھرا لی ہیں وَاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ اور تم کو بیٹوں کے ساتھ چن لیا ہے؟ اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا ہے کہ تمہارے زعم کے مطابق کیا اللہ نے اپنے لیے کمزور مخلوق کو منتخب فرمایا ہے اور تمھیں تمھاری پسند کے مطابق بیٹوں کے لیے چن لیا ہے۔ یہ کس قدر بیوقوفی کی بات ہے۔ فرمایا ان کی پسند اور ناپسندی حالت تو یہ ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا اور جب ان مشرکوں میں سے کسی کو اُس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی انہوں نے خدائے رحمان کے ساتھ مثال بیان کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک خود اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اسی بیٹی کی پیدائش کی خبر جب اُن میں سے کسی شخص کو دی جاتی ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسے اس قدر تکلیف پہنچتی ہے کہ وہ اپنے لیے کسی بھی صورت میں بیٹی کو پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ وَهُوَ كَظِيْمٌ اور وہ غم و اندوہ کی وجہ سے پیچ و تاب کھانے لگتا ہے اور اُس کا جی گھٹ رہا ہوتا ہے۔

بعض مشرکین کی اس حالت کو اللہ نے سورۃ النحل میں بھی بیان فرمایا ہے وہاں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان میں سے جب کسی شخص کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور اس کا جی غم کی وجہ سے گھٹنے لگتا ہے۔ پھر وہ اس خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے۔ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ (النحل ۵۹) کہ آیا وہ ذلت برداشت کرکے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا اُسے زمین میں زندہ گاڑ دے۔ یہ انسان کی کس قدر کم ظرفی اور حماقت ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے، وہ خدا کے لیے تجویز کرنے سے نہیں شرماتا بعض مشرکین کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر گھر سے ہی بھاگ جاتے تھے چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ امام جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں بھی نقل کیا ہے۔ جب کسی عورت کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور اُس کا خاوند

گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تو وہ کہنے لگی ؎

مَالِأَبِی حَمْزَۃَ لَا یَاتِیْنَا
یَبِیْتُ فِیْ بَیْتِ الَّتِیْ تَلِیْنَا
غَضْبَانَ اَنْ لَّا نَلِدَ الْبَنِیْنَا
تَااللہِ مَا ذَاکَ بِاَیْدِیْنَا
نَحْنُ کَزَرْعٍ لِمَا قَدْ زَرَعُوْا فِیْنَا

ابی حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ گھر نہیں آتا بلکہ پڑوسی کے ہاں رات بسر کرتا ہے۔

وہ اس بات سے ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتیں۔ اللہ کی قسم یہ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہماری مثال تو ایک کھیتی کی ہے کہ اس میں جیسا بیج ڈالا جاتا ہے ویسی اس کی پیداوار ہو جاتی ہے۔

اللہ نے فرمایا اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ بھلا وہ مخلوق (یعنی بیٹی) جس کو زیور میں نشوونما دی جاتی ہے۔ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ اور وہ جھگڑے (یعنی بات چیت) میں بھی غیر واضح ہوتی ہے۔ اللہ نے عورت کے متعلق فرمایا ہے کہ عام طور پر لڑکیوں کی پرورش زیورات میں ہوتی ہے یعنی اُن کو سونے چاندی کے زیورات پہنائے جاتے ہیں۔ جو اُن کے لیے حلال اور لڑکوں کے لیے حرام ہیں۔ اور لڑکیاں بات چیت کرنے میں بھی عام طور پر لڑکوں کی نسبت کمزور واقع ہوئی ہیں۔ اگرچہ استثنائی طور پر بعض لڑکیاں بھی گفت و شنید میں تیز طرار ہوتی ہیں مگر عام طور پر ان کی حالت یہی ہے کہ وہ نازک مشقت کے کام انجام دے سکتی ہیں اور نہ بات چیت میں زیادہ چالاک ہوتی ہیں بلکہ وہ بعض اوقات اعصابی دباؤ کا شکار ہو کر بات چیت میں واضح نہیں رہتیں کیونکہ ان کا نروس سسٹم کمزور ہوتا ہے۔

عمدہ کپڑے، زیورات اور بناؤ سنگھار، عورتیں فطری طور پر پسند کرتی ہیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو زخم آگیا۔ حضور علیہ السلام نے خود زخم صاف کیا اور فرمایا کہ اگر یہ بیٹی ہوتی تو ہم اس کو زیور پہناتے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے زیور پہننا جائز ہے۔ تاہم عورتوں کا فیشن اور بناؤ سنگھار میں زیادہ انہماک تباہ کن ہے۔ صدر ایوب مرحوم کے زمانہ میں اسمبلی کی ایک خاتون ممبر کے متعلق اخبارات میں آیا تھا کہ وہ تیس۳۰ دن کے اسمبلی

میش میں ہر وزیبائش میں گزر جاتی رہی۔ گویا اس کو کوئی دوسرا کام ہی نہیں تھا۔ بخلاف عورتوں کی اس کمزوری کا ذکر اللہ نے کیا ہے کہ ایک تو وہ زیبائش کی دلدادہ ہوتی ہیں اور دوسرے مرد کی نسبت صریح گفتگو بھی نہیں کر سکتیں۔ مگر مشرکوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایسی کمزور مخلوق کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور خود اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہیں۔

فرشتوں کے متعلق غلط عقیدہ

اللہ نے فرمایا کہ مشرکوں نے فرشتوں کے متعلق بھی کتنا غلط عقیدہ بنا رکھا ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ان مجنوں نے اللہ کے بندوں فرشتوں کو عورتیں بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حالانکہ وہ تو اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ فرشتوں میں تذکیر و تانیث والی کوئی بات نہیں، بلکہ انہیں احتراماً مذکر تصور کیا جاتا ہے۔ ان کو عورت کہنے میں تو بڑی گستاخی ہے۔ فرمایا یہ فرشتوں کو عورتیں سمجھتے ہیں اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ کیا یہ لوگ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے جو یہ تذکیر و تانیث کا علم رکھتے ہیں۔ فرمایا سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور پھر ان سے باز پرس بھی ہوگی کہ انہوں نے ایسا غلط دعویٰ کیوں کیا اور خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کیوں تجویز کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ تو کوئی حقیقی اولاد ہے اور نہ ہی مجازی کہ جس کو اس نے اختیار دے دیا ہو۔ کہ لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے پھریں۔ عیسائیوں کا ابن اللہ والا عقیدہ بھی باطل ہے اور مشرکوں کا خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کرنا بھی سخت گستاخی ہے۔

عبادت لغیر اللہ کی غلط دلیل

اگلی آیت کریمہ میں اللہ نے مشرکوں کی ایک بیہودہ دلیل کا رد فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ انہوں نے کہا کہ اگر خدائے رحمان چاہتا تو ہم ان معبودان باطلہ کی عبادت نہ کرتے، گویا وہ خدا کے کہنے پر ایسا کرتے ہیں۔ دراصل ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر غیر اللہ کی نذر و نیاز، ان کی حد درجہ تعظیم یا ان کے سامنے

سمجھو وہ چیز اُتنی ہی معیوب ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس کام سے زبردستی روک کیوں نہیں دیتا۔ اگر وہ روکتا نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اچھا کام ہے۔ فرمایا ان کے اس زعمِ باطل کے متعلق مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ انہیں کچھ بھی علم نہیں۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ان کی یہ ساری دلیل بازی محض اٹکل پچو باتیں ہیں۔ ان میں کوئی صداقت نہیں بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ پر اتہام کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو برائی سے زبردستی نہیں روکتا کیونکہ زبردستی روکنا اُس کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔ اُس نے دنیا میں انسانوں کو بھیج کر اُن کے سامنے نیکی اور برائی کے راستے انبیاء اور کتابوں کے ذریعے واضح کر دیے اور پھر انسانوں کو اختیار دے دیا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف - ۲۹) اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔ انسان اپنے لیے جو بھی راستہ پسند کریگا۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) پھر اگر وہ برائی کے راستے پر چل نکلے گا تو ہم اسی طرف کی توفیق دے دیں گے اور آگے اس کے لیے جہنم بھی تیار ہے جو کہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

پھر اللہ نے فرمایا کہ مشرکین نے غیر اللہ کی عبادت کا وطیرہ بنا رکھا ہے اور پھر یہ باطل تاویل بھی پیش کرتے ہیں کہ اللہ کی رضا اسی میں ہے ورنہ وہ ہمیں ایسا کرنے سے روک دیتا۔ فرمایا اُن کی اس باطل تاویل کے لیے اُن کے پاس کیا دلیل ہے؟ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ کیا اس سے پہلے ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی تھی جس میں غیر اللہ کی عبادت کو جائز قرار دیا گیا ہے فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ اور وہ اسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ مقصد یہ کہ ہم نے تو اُن کے پاس ایسی کوئی کتاب یا صحیفہ نہیں بھیجا جس میں غیروں کی عبادت کو جائز قرار دیا گیا ہو۔ یہ اُن کا اپنا ہی زعمِ باطل ہے۔

آباؤ اجداد کی اندھی تقلید

فرمایا ان کے مشرکانہ عقائد و اعمال کی کوئی معقول دلیل تو نہیں ہے سوائے اس کے بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ

کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر راہ چلنے والے ہیں۔ جس قسم کے عقائد وہ رکھتے تھے اور جونسی رسوم وہ ادا کرتے تھے۔ ہم بھی اسی طرح کر رہے ہیں۔ یہی اندھی تقلید ہے کہ بغیر سوچے سمجھے باپ دادا کے دین کو اختیار کیا جائے۔ جس کی قرآن نے بار بار تردید کی ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرۃ - ۱۷۰) اگرچہ ان کے آباؤ اجداد عقل سے بے بہرہ اور غیر ہدایت یافتہ ہوں تو پھر بھی یہ انہی کے نقشِ قدم پر چلیں گے؟ یہ تو سخت حماقت کی بات ہے۔ ہاں اگر آباؤ اجداد راہِ راست پر ہوں تو پھر ان کی تقلید قابلِ فخر بات ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف - ۳۷-۳۸) میں نے اس قوم کے طریقے کو ترک کر دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی بجائے انکار کرتے ہیں اور میں نے اپنے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت، دین یا طریقے کا اتباع کیا ہے۔

فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا نہیں بھیجا اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ مگر یہ کہ اس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک طریقے پر پایا وَاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ اور ہم تو انہی کے نقشِ قدم پر اقتدا کرنے والے ہیں ہم تو انہی قدیم رسم و رواج پر ہی کاربند رہیں گے، ہم کسی نئے دین کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں۔

مشرکین کی اس ہٹ دھرمی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ

کیا اگر میں اس سے زیادہ ہدایت والی چیز تمہارے پاس لے آؤں جس پر تم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے، تو کیا پھر بھی تم ملیہ کے قبضہ میں رہو گے اور اپنے گمراہ باپ دادا کے دین پر ہی چلتے رہو گے؟ اس کے جواب میں قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ مشرک کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری لائی ہوئی چیز یعنی دین کو ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس کا صریح انکار کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر ہی چلتے رہیں گے۔

الزخرف ۲۵ — اللہ نے فرمایا کہ جب کفار و مشرکین کی سرکشی حد سے بڑھ گئی فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ انتقام کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی اللہ نے انبیاء کو جہاد کا حکم دے کر کفار و مشرکین کی بیخ کنی کی اور کبھی کوئی آسمانی آفت از قسم سیلاب، طوفان، مسخ، چیخ یا خسف کے ذریعے ایسی نافرمان قوموں کو ہلاک کیا اللہ تعالیٰ کسی سرکش کو انتقام لیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ انہیں دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور پھر برزخ اور آخرت کا عذاب تو بہرحال ان کے مقدر میں ہے۔ فرمایا پھر جب ہم نے ان سے انتقام لیا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ پھر دیکھو ان جھٹلانے والوں کا کیا عبرتناک انجام ہوا۔ ایسے نابکار لوگ ذلت ناک سزاؤں میں مبتلا ہو کر صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گئے۔ اللہ نے جستہ جستہ ایسی قوموں کا حال قرآن میں بھی بیان کر دیا ہے اور بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:- اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ بے شک میں بیزار ہوں اُن چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿۲۶﴾ سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، بیشک وہی میری راہنمائی کرتا ہے ﴿۲۷﴾ اور کر دیا اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں تاکہ وہ رجوع کرتے رہیں ﴿۲۸﴾ بلکہ میں نے فائدہ پہنچایا ہے ان لوگوں کو اور ان کے آباؤ اجداد کو یہاں تک کہ آگیا اُن کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول ﴿۲۹﴾ اور جب آگیا ان کے پاس حق تو کہنے لگے کہ یہ تو سحر ہے، اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کی مذمت بیان فرمائی جو اپنے

آباؤ اجداد کے طریقے پر چلتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے نقشِ قدم پر ہی چلیں گے اگرچہ خدا کا نبی حق بات لے کر آیا ہو۔ اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کو بغیر دلیل اور بغیر سوچے سمجھے اپنانا اندھی تقلید کہلاتا ہے، جو نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرک اختیار کیے ہوئے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ حسنہ

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی توجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کی طرف دلائی ہے۔ [illegible] اور یاد دلایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جو حق پر تھے اور بنی اسماعیل یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سب کے جدِ امجد ہیں۔ اگر تم نے اپنے آباؤ اجداد ہی کی پیروی کرنی ہے تو پھر ان کا طریقہ اختیار کرو جو کہ بالکل درست ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات اللہ نے بہت سی سورتوں میں بیان فرمائے ہیں جن میں آپ کے نام کی صراحت کی گئی ہے اور سورۃ الانعام میں تو آپ کے باپ کا نام آزر بھی ظاہر کیا گیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ ۔ (آیت ۷۴) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تم نے بتوں کو معبود بنا رکھا ہے؟ میں تجھے اور تیری قوم کو سخت گمراہی میں پاتا ہوں۔ البتہ تورات میں آپ کا نام تارخ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کوئی تعارض کی بات نہیں بلکہ آزر اور تارخ ایک شخصیت کے دو نام ہیں۔ آزر نام ہے اور تارخ لقب۔ یا تارخ نام ہے اور آزر لقب۔ بہرحال آپ آشوریوں اور کلدانیوں کے دار الخلافہ [illegible] پر پھیلے ہوئے شہر بابل کے ایک علاقہ اُور میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے نشوونما پائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت و نبوت کے لیے منتخب کیا، اور فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ (الانبیاء - ۵۱) اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت عطا فرمائی۔ نیز اللہ نے آپ پر یہ احسان بھی فرمایا وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام - ۷۵) یعنی آپ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کرایا۔ آپ کی ساری قوم ستارہ پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی۔ یہ صابی دور تھا۔ پھر اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرما کر دورِ حنیفیت کا آغاز کیا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام

نے اپنے حنیف ہونے یعنی ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اعلان فرمایا۔

آپ نے اپنی حنیفیت کا آغاز باپ اور قوم کے سامنے اس طرح کیا۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ اور جب کہ کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ میں ان چیزوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ یعنی میں تمہارے ان لکڑی، پتھر اور مٹی کے بنائے ہوئے بتوں کو ہرگز معبود تسلیم نہیں کرتا۔ میرا معبود برحق تو وہ ہے إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میرا خالق، مالک، مدبر اور متصرف ہے۔ فَإِنَّهُۥ سَيَهْدِينِ اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے۔ براء کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے مطلب یہ کہ میں تمہارے ہر معبود باطل سے برأت کا اعلان کرتا ہوں اور ان میں سے کسی کو بھی الوہیت کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ آپ کی طرف سے اس بیزاری کی تفصیل اللہ نے سورۃ الممتحنہ میں اس طرح بیان فرمائی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے اپنی قوم سے یوں کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے ماسوائے اللہ تعالیٰ کے مکمل بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض کی ایک دیوار کھڑی ہو چکی ہے جب تک تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان نہ لے آؤ یہ دیوار ہٹ نہیں سکتی۔ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام عقیدۂ توحید پر ڈٹ گئے اور باپ اور قوم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ یہ تھا آپ کا معبودانِ باطلہ سے اظہار بیزاری۔

تمام ادیان سے مکمل برأت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی شخص کا اللہ تعالیٰ، اس کی صفات، تقدیر، ملائکہ، انبیاء اور کتب سماویہ پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک وہ اپنے سابقہ باطل دین سے

مکمل بیزاری کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ تمام ادیانِ باطلہ سے بیزاری کا اعلان ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے باوجود باطل دین سے اظہارِ برأت نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا، بلکہ حسبِ سابق کافر اور مشرک ہی رہے گا۔ ابُو طالب کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھتیجا ہے، اس کا دین سچا ہے مگر اس نے اپنے دین سے اظہارِ بیزاری نہ کیا لہٰذا مشرک کا مشرک ہی رہا۔

ہمارے دور میں بھی بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی حقانیت کا اقرار تو کیا مگر دیگر ادیان سے بیزاری کا اعلان نہ کیا بلکہ ان کو بھی سچا مانتے رہے اور اس طرح وہ دینِ حق سے بے بہرہ ہی رہے۔ برطانیہ کا برنارڈ شا بہت بڑا مصنف فلسفی اور ڈرامہ نگار حال ہی میں گزرا ہے وہ اسلام کو سچا مذہب تسلیم کرتا تھا مگر ساتھ ساتھ عیسائیت کا بھی قائل تھا اور اس سے بیزاری کا اعلان نہیں کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مومن نہیں ہو سکتا۔ برصغیر کے ہندوؤں میں گاندھی مشہور و معروف آدمی ہوا ہے۔ وہ یہودیت، عیسائیت، اسلام اور ہندومت سب کو سچے دین مانتا تھا اور عبادت کے وقت سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرتا، پھر تورات اور انجیل پڑھتا اور ساتھ ساتھ گیتا کے شلوک بھی پڑھتا تھا۔ ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام کی حقانیت کے ساتھ اس نے دیگر ادیان کی نفی نہیں کی۔ چنانچہ کلمہ میں تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ یعنی کفر اور شرک سے بیزاری کا اعلان ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

الغرض! ابراہیم علیہ السلام نے اسی چیز کا اقرار کیا کہ اے میرے باپ اور اے میری قوم! جن کی تم عبادت کرتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں، میں تو صرف اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی اعلانِ حق کی پاداش میں سات سال تک قید خانہ کی صعوبتیں برداشت کیں مگر اپنے مسلک سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے اس کے بعد آپ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا حتی کہ آپ کو جلتی ہوئی آگ میں

زندہ پھینک دیا گیا مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور اللہ نے وہاں بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے بسر و چشم حکم کی تعمیل کی۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور کئی آزمائشوں سے گزرے۔ اللہ نے ہر آزمائش میں آپ کو ثابت قدم پایا۔ اور بالآخر اعلان فرما دیا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ۔ ۱۲۴) میں نے تمہیں لوگوں کا پیشوا بنا دیا ہے۔ آنے والی تمام نسلیں تمہیں اپنا مقتدا تسلیم کریں گی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان سارے کے سارے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا تصور کرتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہلِ کتاب نے آپ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آسمانی کتابوں میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں مگر وہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت کے بدستور قائل ہیں۔

اولاد کے لیے دعا

شرک اور کفر سے بیزاری کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام نے جس ایمان اور توحید کی دعوت دی تھی اس کے متعلق فرمایا وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ اور کر دیا اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں۔ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمہ توحید کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اسے اپنی اولاد میں بھی جاری کر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ۔ (البقرۃ۔ ۱۳۲) کہ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پوتے یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہی تاکید کی تھی کہ اللہ نے تمہیں دین اسلام کے لیے چن لیا ہے لہٰذا تمہیں صرف اسلام کی حالت میں ہی موت آنی چاہیے۔ زندگی بھر کسی دوسرے دین کی پیروی نہ کرنا۔ پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ (البقرۃ۔ ۱۳۳) کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو سب نے بیک زبان کہا قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (البقرۃ۔ ۱۳۳) کہ ہم آپ کے اور

آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے اکیلے خدا کی عبادت کریں گے۔ اس طرح گویا انہوں نے کلمہ توحید اپنی اولاد میں راسخ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا بھی کی تھی کہ پروردگار! اس شہر مکہ کو پُر امن بنا دے وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ (ابراہیم۔ ۳۵) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ نیز وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ‎ۙ (الشعراء۔ ۸۴) اور میرے پیچھے پچھلوں میں سچی زبان رکھ دے، یعنی میرے بعد آنے والے میرا تذکرہ اچھے الفاظ میں کریں اور میرے اسوہ کو پیشِ نظر رکھیں۔

یہاں عَقِبِہٖ کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر مومن کو اپنی اولاد کی فکر بھی کرنی چاہیئے کہ وہ بھی دینِ حق پر قائم ہے اور کہیں کفر و شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ والدین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ اولاد کے لیے دعا کا التزام کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دینِ توحید پر استقامت بخشے۔ سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (آیت ۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ یعنی ان کو ایمان پر مضبوط رہنے کی تلقین کرتے رہو۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو دینِ حق کی تلقین کرتا رہے خواہ اس کے لیے اُسے دنیا بھر سے پیار کرنا پڑے یا سزا دینی پڑے۔ اگر بیوی بچے حتی الامکان کوشش کے باوجود راہِ راست پر نہیں آتے تو یہ اُن کی بدنصیبی ہوگی اور متعلقہ شخص بری الذمہ ہو گا۔

بہرحال فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید کو اپنی اولاد میں باقی چھوڑا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کر کے ان مشرکین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر تم نے آباؤ و اجداد کے نقشِ قدم پر ہی چلنا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ اختیار کرو جو تم سب کے جدِ امجد ہیں، اور ان کے طریقے کے خلاف ان بتوں کی پوجا نہ کرو۔

دینِ حق سے انکار

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے زمانے کے اُن لوگوں کا شکوہ بیان کیا ہے جنہوں نے دینِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتلایا ہے بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ بلکہ میں نے فائدہ پہنچایا اِن کو اور اِن کے آباؤ و اجداد کو، ان پر بڑے انعامات کئے۔ ہر قسم کی سہولت دی حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ یہاں تک کہ اُن کے پاس دینِ حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول آ گیا۔ اس رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کا سچا دین لے کر اِن کے پاس آئے مگر اِن بدبختوں نے آپ کی اور اللہ کے سچے دین کی قدر نہ کی اور کفر و شرک پر ہی اڑے رہے۔

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عربوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ آپکے بعد آپ کی اولاد تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک سچے دین پر قائم رہی، پھر عربوں کی بدقسمتی کہ قصی ابن کلاب کے زمانہ میں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے چار پانچ سو سال پہلے عربوں میں شرک کی ابتداء ہوئی اور پھر نزولِ قرآن کے زمانہ تک ہر گھر کفر و شرک کا گڑھ بن چکا تھا۔ ہزاروں میں کوئی اکا دکا آدمی ہوگا جو صحیح دین پر قائم رہا ہو۔ ورنہ سبکے سب دینِ ابراہیمی سے دور جا چکے تھے۔ تو فرمایا وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ جب اللہ کا آخری نبی اُن کے پاس حق بات لے کر آ گیا۔ اُس نے خالص توحید پیش کی اور بتوں کی پوجا سے منع کیا تو انہوں نے آپ کو تسلیم کرنے کی بجائے آپ کو ساحر، کاہن، شاعر، مفتری اور کذاب جیسے القابات دیئے۔ قرآنِ پاک کی تاثیر سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے۔ جب اُس کی حلاوت و شیرینی اِن پر اثر انداز ہوتی تو اس کی حقانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ کہنے لگے یہ تو جادو ہے جو ہم پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ سورۃ القمر میں ہے کہ جب وہ واضح نشانیاں اور معجزات دیکھتے تو ان سے اعراض کرتے وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (آیت۔ ۲) اور کہتے کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔ جو پہلے بھی چلتا تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔ غرضیکہ انہوں نے دینِ حق

کو جادو قرار دیتے ہوئے واضح طور پہ کہہ دیا وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ کہ جناب ہم تو اس کا صریح انکار کرتے ہیں یعنی تمہارے پیش کردہ دین کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے کفریہ اور شرکیہ عقائد و اعمال پہ ہی قائم رہیں گے۔ اس کے باوجود جن لوگوں کی قسمت میں تھا۔ انہوں نے دین حق کو قبول کیا۔ سابقہ عقائد و اعمال سے تائب ہو گئے اور اس طرح دنیا اور آخرت دونوں مقامات پہ کامیاب ہوئے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۗ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے کہ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے ﴿۳۱﴾ کیا یہ تقسیم کرتے ہیں تیرے پروردگار کی رحمت کو۔ (دیکھو) ہم نے تقسیم کی ہے اِن کے درمیان اِن کی معیشت دنیا کی زندگی میں ، اور بلند کیا ہے ہم نے بعض کو بعض پر درجے میں تاکہ بنائیں بعض ان میں سے بعض کو خدمت گار ۔ اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے اُن چیزوں سے جو یہ اکٹھی کرتے ہیں ﴿۳۲﴾

ربط آیات

اسلام کے بنیادی عقائد توحید ، رسالت ، معاد اور قرآن کی حقانیت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کفریہ اور شرکیہ رسوم کا رد فرمایا جو کفار اور مشرک

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں انجام دیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آباؤ اجداد کی تقلید ہی کرنی ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرو جو تم سب کے جدِامجد ہیں۔ انہوں نے تو اپنے باپ اور قوم سے صاف کہ دیا تھا کہ میں اُن چیزوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ جن کی تم پوجا کرتے ہو، سوائے اُس ذاتِ خداوندی کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے اس کے علاوہ میں کسی ہستی کو معبود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پھر اس کلمہ توحید اور برأت کو انہوں نے اپنی اولاد میں بھی چھوڑا تاکہ وہ رجوع کرتے رہیں۔ مگر ان لوگوں کی بدبختی کہ آہستہ آہستہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو قبول کر کے کفر اور شرک میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ جب اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کا انکار کر دیا۔ چونکہ آپ کا لایا ہوا کلام اُن پر اثر کرتا تھا لہٰذا انہوں نے اُس کو تسلیم کرنے کی بجائے اُسے جادو کہہ کر ٹھکرا دیا۔

نبوت و رسالت کا معیار

کفار و مشرکین نے نبوت و رسالت کا ایک خود ساختہ معیار یہ قائم کر رکھا تھا کہ یہ منصب کسی ایسے شخص کو ملنا چاہیئے جو دنیاوی لحاظ سے آسودہ حال ہو، اُس کے پاس مال و دولت، کوٹھی، باغات، نوکر چاکر اور مال مویشی کی بہتات ہونی چاہیئے، وہ بہت بڑا آدمی ہو جسے معاشرے میں عزت کا مقام حاصل ہو۔ مگر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے دنیاوی لحاظ سے کمزور آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھ پر یہ قرآن پاک نازل ہوتا ہے تو وہ لوگ کہنے لگے وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یہ قرآن مکے اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ بڑے آدمی سے اُن کی مراد وہی دنیا کا جاہ و حشمت، مال و دولت، باغات و تجارت، مویشی اور غلام تھے۔ اس معیار کے لوگ مکہ میں ولید ابن مغیرہ، عقبہ اور شیبہ وغیرہ تھے، اور طائف میں ابن عبد یالیل، عروۃ ابن مسعود اور حبیب وغیرہ تھے جو بڑی حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ کہنے لگے اگر قرآن نازل ہونا

تھا تو ان میں سے کسی سردار پر کیوں نہ نازل ہوا، کیا اس کام کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ دنیا کے مترف یعنی آسودہ حال لوگوں کا ذہن اسی طرح کام کرتا رہا ہے اور انہوں نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو حقیر سمجھ کر ہی اُن کی نبوت کا انکار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبوت و رسالت کسی کو اس کی خواہش اور اختیار سے نہیں ملتی، اور نہ ہی یہ عبادت و ریاضت سے حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی مشاء سے عطا ہوتی ہے۔ اور پھر جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب پڑتی ہے وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (ص۔ ۴۷) اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں برگزیدہ اور منتخب لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب مال و دولت یا جاہ و حشمت کی بناء پر نہیں ہوتا، بلکہ ذہن و فکر، قوی اعمال اور اخلاق کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی الٰہی کا قطعی اور یقینی علم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ تمام علوم محض تخمینی اور ظنی ہوتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی علم کی بنیاد عقل یا تجربہ پر تو ہو سکتی ہے مگر اُسے یقینی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یقینی علم صرف وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اور اُن کی اطاعت بحیثیت رسول فرض عین ہوتی ہے اسی لیے اللہ کے ہر نبی اور رسول نے قوم سے کہا إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (الشعراء۔ ۱۲۵، ۱۲۶) اے لوگو! میں تمہارے لیے امانت دار رسول بن کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔

انبیاء علیہم السلام کی تربیت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ وہ امت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر اُن سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اُن کو خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں ہے۔ مگر کافر، مشرک اور دنیا دار لوگ انہیں دنیا کے معیار پر پرکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں معزز وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس دنیا کا مال و زر زیادہ ہو حالانکہ اللہ کے ہاں عزت کا معیار إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ

اَنْفُسُكُمْ وَالمجوت ۱۳۰ اُن کا تقوی ہے۔ کفار و مشرکین نے اپنے اس غلط معیار کی بنیاد پر ہی اللہ کے نبیوں کو حقیر سمجھا جیسا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مہین یعنی حقیر کہا۔ اللہ نے فرمایا، یہ لوگ ہمارے برگزیدہ نبی اور رسول کی رسالت پر شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ منصب کسی بڑے آدمی کے حصے میں کیوں نہ آیا اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا تیرے رب کی رحمت یعنی نبوت و رسالت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں کہ یہ منصب اُس شخص کے حصے میں آئے جو ان کے مزعومہ معیار پر پورا اترتا ہو؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ نبوت کا تاج اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جس کو اہل سمجھتے ہیں اُس کے سر پہ رکھ دیتے ہیں اس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا کفار و مشرکین کا یہ اعتراض باطل ہے کہ قرآن حکیم کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا۔

تقسیم معیشت

اگلے حصہ آیت میں اللہ نے معیشت کی تقسیم کو نبوت و رسالت کی تقسیم کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ فرمایا یہ لوگ تقسیم نبوت اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتے ہیں حالانکہ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ان کے درمیان ہم نے دنیا کی معیشت بھی خود تقسیم کی ہے۔ ہم نے ہر شخص کو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق رزق تقسیم کیا ہے اور سب کو یکساں نہیں رکھا بلکہ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ نبوت کی تقسیم تو دور کی بات ہے اگر دنیا کی معیشت ہی ہم ان کے قبضہ میں دے دیتے تو یہ سب کچھ اپنے حواریوں اور اقرباء میں تقسیم کر دیتے اور کسی دوسرے آدمی کو پانی کا ایک گھونٹ تک نہ دیتے۔

اگرچہ آیت کا یہ ٹکڑا نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر نازل ہوا ہے تاہم اس سے دنیا کے اقتصادی یا معاشی نظام کے خدوخال بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام چل رہے ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام

ہے جو امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور پاک و ہند وغیرہ میں رائج ہے، اور دوسرا اشتراکی نظام ہے جو روس اور اس کے حواری ممالک میں چل رہا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ دونوں نظامہائے معیشت باطل ہیں اور صحیح اور منصفانہ نظام وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور جس پر عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں عمل ہوتا رہا ہے۔

وسائل معیشت تین قسم کے ہیں یعنی (۱) زمین (۲) سرمایہ، اور (۳) محنت سرمایہ داروں کا نظریہ یہ ہے کہ اصل چیز سرمایہ ہے۔ یہ ہوگا تو کارخانے لگیں گے مزدور کام کریں گے۔ تو روزی کا سامان مہیا ہوگا۔ اس کے برخلاف اشتراکی نظریات کے حاملین کہتے ہیں کہ اصل چیز محنت ہے۔ محنت کے ذریعے ہی سرمایہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مزدور کو فوقیت حاصل ہونی چاہیئے۔ سرمایہ دارانہ نظام حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اور "زر را زر می کشد" کے مقولے کے مطابق سرمایہ دار خوب سرمایہ کماتے ہیں، وہ امیر سے امیر تر ہوتے جاتے ہیں جب کہ غریب پہلے پستے چلے جاتے ہیں۔ اس نظام میں سرمایہ کے کسب اور اس کے تصرف پر کوئی پابندی نہیں، ہر شخص اپنے وسائل کو بروئے کار لاکر ہر حلال و حرام ذرائع سے مال اکٹھا کر سکتا ہے اور پھر اسے اپنی خواہش کے مطابق ہر جائز اور ناجائز کام میں صرف کر سکتا ہے، گویا کسب اور انفاق میں اس پر کوئی پابندی نہیں۔

دوسری طرف اشتراکی نظام معیشت ہے جس کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے موقع پر ہوا، اس وقت روس میں زار روس جیسے ظالم عیسائی حکمران تھے جو عوام کا خون چوس رہے تھے۔ اس زمانے میں اشتراکی تحریک چلی جس کو لینن اور سٹالن نے آگے بڑھایا۔ اس تحریک کی بنیاد دراصل جرمن کے یہودی کارل مارکس[1] نے رکھی جو آخر میں انگلستان میں پناہ گزین رہا، اس نے "سرمایہ داری (CAPITALISM) نامی کتاب لکھ کر اس مسئلے کو چھیڑا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں گنوائیں اور

---

[1] [illegible]

لوگوں کو اشتراکیت کی طرف مائل کیا۔ یہ نظریہ آگے چل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ملک کی ہر چیز عوام کی مشترک ملکیت تصور کی جاتی چاہیئے اس ضمن میں ایران کا مزدک نامی دہریہ اس حد تک آگے چلا گیا کہ عورت بھی سب کی مشترک ملکیت ہونی چاہیئے۔ یہ نظریہ فطرت کے صریحاً خلاف تھا۔ لہذا ایران کے شہنشاہ نے اس شخص کو اور اس کے حامیوں کو کلیتاً ختم کروا دیا۔ اشتراکیت کا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وسائل روزگار کسی فرد واحد کی ملکیت میں نہیں ہونے چاہئیں بلکہ یہ سب حکومت کی ملکیت ہوں جو اسے مساویانہ طریقے سے عوام میں تقسیم کرے۔ آج کل یہ طریقہ اشتراکی ممالک میں رائج ہے۔ مگر اس میں قباحت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ حکومت پر چند ڈکٹیٹر قسم کے لوگ قابض ہو کر من مرضی کرنے لگتے ہیں، کنبہ پروری کرتے ہیں۔ دولت مرکوز ہوتی ہے اور عام لوگوں کی حیثیت جانوروں سے زیادہ نہیں ہوتی جو کام کرتے ہیں، اور روٹی کھا لیتے ہیں۔ ان پر یہ نظام اس قدر شدت سے مسلط کر دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف آواز تک نہیں اٹھا سکتے اور جو ایسی کوشش کرتا ہے اُسے ہمیشہ کے لیے نابود کر دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نہایت ہی ظالمانہ نظام ہے۔

اسلامی نظام معیشت

مذکورہ دونوں نظام ہائے معیشت اسلامی نظریات کے خلاف ہیں۔ اسلامی نظام کے خدوخال سابقہ انبیاء حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی ملتے ہیں۔ اسلامی نظام میں نہ تو سرمائے کو کلی حیثیت حاصل ہے اور نہ محنت کو۔ سرمایہ بھی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور محنت بھی اُسی کی پیدا کردہ ہے۔ ہر چیز کا مالک حقیقی خدا تعالیٰ ہے۔ زمین اور اس کی تمام اشیاء اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ البتہ اس نے اپنے اختیار اور مرضی سے بعض چیزیں لوگوں کی عارضی ملکیت میں دے دی ہیں۔ اور پھر ان مجازی مالکوں کو حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے ان پر قانون کی پابندی بھی لازمی قرار دی ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا سرمایہ دارانہ نظام کسب و تصرف میں کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتا۔ جب کہ اسلام کسب و تصرف دونوں پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی حرام راستے سے اکتساب زر کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کا حکم ہے لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء - ۲۹)
آپس کا مال باطل اور ناجائز طریقے سے مت کھاؤ یعنی اسلام ناجائز ذرائع مثلاً
چوری ۔ ڈاکہ، جوا، سٹہ، فراڈ، سمگلنگ، چوربازاری، سود، بے حیائی وغیرہ کے ذریعے
مال کمانے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ کہتا ہے کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ
حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرۃ - ۱۶۸) زمین میں سے صرف وہی چیزیں کھاؤ جو حلال اور
پاک ہیں۔ حرام اور ناپاک چیزوں کو استعمال نہ کرو۔

جس طرح اسلام لوگوں کو جائز ذرائع سے آمدن حاصل کرنے کا پابند بناتا ہے اسی
طرح وہ صرف جائز مقامات پر خرچ کرنے کی پابندی بھی عائد کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ
فرماتے ہیں کہ خرچ کرنے کے معاملے میں تین طریقے رائج ہیں۔ ایک کا نام رفاہیت بالغہ
ہے کہ انسان لہو و لعب اور تعیش کے تمام ذرائع اختیار کرے۔ اپنی ضرورت سے
زیادہ وسیع مکان بنوائے جس کی زیب و زینت پر غیر معمولی طریقے سے رقم صرف
کرے اور پھر اس میں عیش و عشرت کے لوازمات جمع کرنے پر لاکھوں روپے صرف
کر دے ۔ اسلام اپنی جائز ضرورت کے مطابق مکان بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر
اس میں اسراف کو قطعاً ناپسند کرتا ہے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ زندگی بسر کرنے کا دوسرا
طریقہ تقشف کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان سادھوؤں اور جوگیوں کی
طرح دنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چلا جائے، نہ شادی کرے
نہ بال بچے ہوں، نہ کوئی ذمہ داری عائد ہو اور نہ اسے نبھانا پڑے۔ اس کو رہبانیت
کہا جاتا ہے وَلَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ جو کہ اسلام میں قطعاً روا نہیں ۔

البتہ اسلام جو نظریہ پیش کرتا ہے ، وہ ان دونوں حالتوں سے مختلف ہے اسلام
نہ تو بلا جواز عیش و عشرت کی اجازت دیتا ہے اور نہ ترکِ دُنیا کو پسند کرتا ہے، بلکہ
اس کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر جائز ذرائع سے مال کماؤ، خود بھی کھاؤ اور اس
میں سے دوسروں کے حقوق بھی ادا کرو۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابنِ آدم کے بعض بنیادی حقوق ہیں جن سے

کوئی شخص محروم نہیں رہنا چاہیے۔ ان میں پانی، خوراک، لباس، رہائش، صحت، تعلیم چھ چیزیں شامل ہیں۔ ہوا کے بعد پانی انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز ہے لہٰذا یہ ہر شخص کو مفت مہیا ہونا چاہیے اور حکومت کو پانی کی ترسیل پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد خوراک ہے جو زندگی کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے اگرچہ سوکھی روٹی ہو۔ تن ڈھانپنے کے لیے لباس بھی ہر شخص کو ملنا چاہیے خواہ کم قیمت اور سادہ ہو۔ اسی طرح کچا یا پکا مکان ہونا چاہیے جس میں آدمی بال بچوں سمیت رہائش پذیر رہ سکے۔ اس کے بعد صحت کا حق ہے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ رعایا کو علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرے۔ اور پھر ہر شخص مرد و زن کے لیے کم از کم اتنی تعلیم کا ضرور انتظام ہونا چاہیے جس سے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پہچان سکے۔ آج کل ان بنیادی حقوق کا سہرا اقوام متحدہ (UNO) کے منشور کے سر باندھا جاتا ہے حالانکہ یہ تو اللہ کے قرآن اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں چودہ سو سال پہلے مقرر کر دیئے گئے تھے۔

عدم مساوات

ان تمام تر بنیادی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اسلام معیشت میں مساوات کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک غیر فطری امر ہے۔ تمام انسان محنت کریں، کمائیں، کھائیں، دوسروں کو کھلائیں مگر ان کے درجات میں فرق ضرور ہوگا۔ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کے درمیان معیشت کو ہم نے تقسیم کیا ہے لیکن درجات میں تفاوت رکھا ہے۔ تمام انسان علم، عقل، قوت، ذہن میں برابر نہیں ہیں۔ ایک شخص جسمانی لحاظ سے طاقتور ہے تو دوسرا ذہنی طور پر بہت آگے ہے۔ جو پروفیسر، ڈاکٹر، یا انجینئر اپنے دماغ سے ایک گھنٹہ میں کام لیتا ہے اور روزی کا سامان پیدا کر لیتا ہے اتنا معاوضہ ایک مزدور بارہ گھنٹے کام کر کے بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ جس شخص کا ذہن کسی علم یا ہنر کی طرف نہیں چلتا۔ وہ مزدوری کے علاوہ کیا کرے گا! لہٰذا ہر عالم اور جاہل، ہنرمند اور غیر ہنرمند برابر نہیں ہو سکتے۔ جب ان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت برابر نہیں تو ان کی باقی امور میں کیسے مساوات ہو سکتی ہے۔ یہ تو بے عقلی

کی بات ہے حقیقت یہ ہے کہ بنیادی حقوق سب کے لیے برابر ہیں۔ ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے اور ہنر سیکھنے کا پورا موقع ملنا چاہیے۔ پھر جو شخص کامیاب ہو جاتا ہے اُسے ناکام ہونے والے پر فوقیت حاصل ہوگی اور اسی لحاظ سے درجہ بھی حاصل ہوگا۔ ایسے میں ہر ایک کے لیے مساوات کا مطالبہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ معیشت کو ہم تقسیم کرتے ہیں، اس میں کسی دوسرے کی مرضی نہیں چل سکتی۔

فرمایا ہم نے معیشت میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا تاکہ ان میں سے بعض بعض کو خدمت گار بنا لیں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا نظام ایسا طرح قائم کر دیا ہے کہ کوئی شخص زندگی کے تمام امور از خود انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ کسی نہ کسی صورت میں دوسرے کی مدد لینا پڑے گی۔ آجر اور مزدور دونوں کی مصلحت ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر کارخانہ دار کارخانہ قائم نہیں کریگا تو مزدور کو کام کہاں سے ملے گا۔ اور اگر مزدور نہیں ہوگا تو کارخانہ نہیں چل سکے گا۔ اسی طرح کھیتی باڑی، تجارت، نقل وحمل تمام امور میں ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا وہ حسب ضرورت دوسرے سے خدمت لے سکتا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے آزاد آدمی سے بھی خدمت لینا روا ہے۔ البتہ ہر آجر کو اپنے مزدور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اُس سے نہ تو جانوروں کی طرح بے تحاشا کام لے اور نہ اس کی حق تلفی کرے۔ بلکہ اس کے حقوق پورے پورے ادا کرے۔

حقوق العباد

کاروباری حقوق کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر بعض دوسرے حقوق بھی قائم کیے ہیں اور اُن کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہے تو وہ اپنے مال سے مقررہ زکوٰۃ ادا کرے۔ اس کے علاوہ صدقہ فطر ادا کرے، قربانی کرے۔ اللہ کا فرمان ہے وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذٰریٰت ۔ ۱۹) مال داروں کے مالوں میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے، وہ بھی ادا

کرے۔ اگر کوئی رشتہ دار غریب ہے، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک صاحبِ مال پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس غریب کے لیے روزگار کا بندوبست کرے قرابتداروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا خصوصی حکم ہے۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل - ۲۶) قرابتداروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ پڑوسیوں کی خبرگیری کرو، اگر کوئی بیمار ہے تو اس کا علاج کرو، کسی کو تعلیم کی ضرورت ہے تو وہ پوری کرو، خوراک، لباس اور پانی کا بندوبست کرو۔ یہ تمام حقوق ادا کرنے کے بعد پھر دیکھو کہ عیش و عشرت کے لیے کچھ بچتا بھی ہے یا نہیں انہی حقوق کو غصب کر کے لوگ عیش کرتے ہیں اور رسومات باطلہ کو انجام دیتے ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ایک شخص بیماری میں ماں کو دوائی تو لا کر نہیں دے سکتا۔ مگر اس کی فوتیدگی پر ہزاروں خرچ کر ڈالتا ہے جو بلاشبہ اسراف اور بدعات ہیں فرمایا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ تیرے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ اس سے نبوت و رسالت کی رحمت مراد ہے جس کا کفار و مشرکین انکار کرتے ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام - ۱۲۵) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ رسالت کا کون مستحق ہے۔ کفار و مشرکین خواہ مخواہ اپنا معیار قائم کیے ہوئے ہیں جو ان کی بدبختی کی علامت ہے

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع

ترجمہ:- اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی دین (یعنی کفر) پر ہو جائیں گے۔ تو البتہ ہم بنا دیتے اُن لوگوں کے۔ جو کفر کرتے ہیں رحمان کے ساتھ، گھروں کی چھتیں چاندی کی، اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں ﴿۳۴﴾ اور سونے کے۔ اور نہیں ہے یہ سب کچھ مگر سامان دنیا کی زندگی کا۔ اور آخرت تیرے رب کے پاس ہے متقیوں کے لیے ﴿۳۵﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں دین کے بنیادی اصولوں میں سے رسالت کا ذکر تھا۔ کافر اور مشرک لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ ہم ایسے نبی کو نبی اور رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کی مالی پوزیشن اچھی نہ ہو۔ رسول تو نمایاں حیثیت کا آدمی ہونا چاہیئے

جس کے پاس دنیاوی زندگی کے آرام و آسائش کی تمام سہولتیں موجود ہوں۔ اگر خدا نے کوئی رسول بنانا تھا تو مکے اور طائف کی بستیوں میں سے کسی صاحب حیثیت آدمی کو بنایا ہوتا، اور اُس پر یہ قرآن بذریعہ وحی نازل کیا جاتا۔

نبی کی امتیازی حیثیت

کفار و مشرکین نبی کی امتیازی حیثیت کو تسلیم کرتے تھے مگر دنیاوی اعتبار سے یعنی اُس کے پاس مال و دولت، کوٹھی اور باغات، لونڈی غلام، مویشی اور جانور ہونے چاہئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا نبی باقی لوگوں سے واقعی ممتاز ہوتا ہے مگر دنیاوی لحاظ سے نہیں بلکہ ایمان، عمل، اخلاق، سیرت، نیت، عزائم، اخلاص اور باطنی خواص کی رو سے، انبیاء کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دنیا میں بہت کم انبیاء ایسے ہیں جن کی ظاہری حالت نمایاں تھی، ورنہ بیشتر انبیاء دنیاوی لحاظ سے کمزور ہی تھے۔ البتہ اللہ کی تائید و نصرت اُن کے ساتھ ہوتی ہے جس سے عام لوگ محروم ہوتے ہیں۔

تقسیم رزق

گذشتہ درس میں تقسیم رزق کا فلسفہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ اللہ نے دنیا میں مالی لحاظ سے بعض کو بعض دوسروں پر فوقیت دی ہے دنیا میں مال و دولت کے لحاظ سے لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اللہ نے سب کو ایک جیسا نہیں بنایا اس کی حکمت یہ ہے کہ باہمی تفاوت کی بناء پر ہی دنیا کا کاروبار چلتا ہے۔ اگر سب لوگ ایک جیسے ہوتے تو کوئی کسی کے کام نہ آتا اور کاروبار زندگی میں تعطل پیدا ہو جاتا۔ اس دنیا میں امیر اور غریب دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ مال و زر کے بغیر کوئی کاروبار نہیں شروع کیا جا سکتا۔ اور مزدور کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا۔ لہذا اللہ نے امیر اور غریب، مالک اور مزدور، زمیندار اور کسان، افسر اور ماتحت میں امتیاز پیدا کر کے زندگی کے کاروبار کو رواں دواں کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے قَسَمَ اَخْلَاقَكُمْ بَيْنَكُمْ كَمَا قَسَمَ اَرْزَاقَكُمْ (مسند احمد) اللہ نے تمہارے درمیان اخلاق کو بھی اسی طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح اس نے تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دنیا کا سامان تو نیک و بد سب کو عطا کرتا

ہے مگر دین اُسی کو دیتا ہے جو اُس کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں فَلَا یُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ۔

نبی بطور تقسیم کنندہ

صحیحین کی حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد آتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں بعض بدعت پسند لوگ اس حدیث کو غلط معانی پہناتے ہیں اور اس عطا اور تقسیم کو ہر چیز پر محمول کرتے ہیں گویا حضور علیہ السلام رزق، صحت، عہدے، بارش وغیرہ سب کچھ خود تقسیم کرتے ہیں یہ نظریہ گذشتہ درس والی آیت نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان رزق تو وہ خود تقسیم کرتے ہیں جو کہ ایک معمولی سی چیز ہے۔ پھر نبوت و رسالت جیسی اعلیٰ چیز کی تقسیم کا اختیار دوسروں کو کیسے دیا جا سکتا ہے جو چاہتے ہیں کہ منصب کسی صاحب حیثیت آدمی کو ملنا چاہیئے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں ہر چیز کی تقسیم مراد نہیں بلکہ مالِ غنیمت اور علم کی تقسیم مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور حضور علیہ السلام اُسے تقسیم فرماتے ہیں۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کا اصول اللہ نے سورۃ الانفال میں بیان کر دیا ہے اور پھر اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اس طریق کار کے مطابق اُسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اسی طرح قطعی اور یقینی علم بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی آتا ہے اور حضور علیہ السلام کو حکم ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (المائدۃ۔ ۶۷) آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، آپ اُسے آگے پہنچا دیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مالِ غنیمت اور علم کی تقسیم کا فرض تفویض کیا ہے نہ کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کا۔

کفار کے لیے سونے چاندی کی افراط

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے متاعِ دنیا اور متاعِ آخرت کا تقابل فرما کر آخرت کے سامان کو فوقیت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً اگر اس چیز کا خطرہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی دین پر ہو جائیں گے لَجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ

سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ

کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے جن کے ذریعے وہ اوپر چڑھتے ہیں۔ دنیا کے مال میں سونے چاندی کو اولیت حاصل ہے اور ہر دنیادار کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ چیزیں اُس کے پاس زیادہ سے زیادہ مقدار میں جمع ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان اشیاء کا ذکر بطور تحقیر یاہے کہ دنیا کا محبوب ترین مال بھی اُس کے نزدیک حقیر ترین چیز ہے۔ فرمایا اگر ہم کافروں کو اس قدر مال عطا کر دیں کہ اُن کے گھروں کے چھت اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیں بلکہ وَلِبُيُوتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ بلکہ اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت یا پلنگ بھی چاندی کے بنا دیں جن پر وہ آرام کرتے ہیں۔ فرمایا صرف چاندی کے نہیں وَزُخْرُفًا بلکہ سونے کے۔ اللہ نے مثال کے طور پر کافروں کے گھروں اور اُن کے لوازمات کا ذکر کیا ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہو کہ سب لوگ ایک ہی دین پر جمع ہو جائیں گے تو ہم اُن کی تمام چیزیں سونے اور چاندی کی بنا دیں۔

یہاں پر اُمَّةً سے مراد دین ہے اور دین سے مراد کفر کا دین ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کو اس قدر سونا چاندی نہ دیا جانے کا خطرہ ہے کہ سب لوگ کفر کی طرف ہی مائل ہو جائیں گے۔ وہ دیکھیں گے کہ کفر والوں پر بڑے انعامات ہو رہے ہیں، وہ اس دین کو سچا سمجھ کر اسی کو اختیار کر لیں گے۔ سورۃ البقرہ میں بھی اُمَّةً وَّاحِدَةً کا ذکر آیا ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (آیت ۲۱۳) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ اس سے مراد سچا دین ہے۔ پھر اُن میں اختلافات پیدا ہوئے تو اللہ نے اُن کی راہنمائی کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈرسنانے والے یعنی اپنے انبیاء بھیجے۔

دنیا کی تحقیر

فرمایا ہم کافروں کو فراوانی کے ساتھ سونا چاندی عطا کر دیتے مگر ہمارے نزدیک دنیا کے اس مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کیونکہ یہ تو صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہے جو ناپائیدار اور فانی ہے دنیا کے مال و متاع کی تحقیر مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں بھی آتی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر و مشرک کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا کیونکہ کفر اور شرک کا مرتکب اللہ کا باغی ہوتا ہے۔

اس حصہ آیت کی ترکیب مفسرین کرام دو طرح سے کرتے ہیں۔ آیت میں آمدہ لفظ اِنْ کو اگر اِن مخففہ تسلیم کیا جائے تو معنی ہوگا اِنَّہٗ یعنی بیشک شان یہ ہے کہ یہ سب چیزیں البتہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ یعنی یہ بے وقعت اور ناپائیدار اشیاء ہیں کیونکہ پائیداری ان چیزوں سے نہیں بلکہ ایمان، اعمال صالحہ اور خوش اخلاقی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس صورت میں لَمَا کو لَمَا پڑھا جائے گا۔ اور یہ اِنْ نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور اس حالت میں لَمَّا کو لَمَّا ہی پڑھا جائے گا۔ جیسے سورۃ الطارق میں ہے اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (آیت۔۴) یعنی کوئی نفس نہیں ہے۔ مگر اُس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے محافظ مقرر ہے جو اُس کے وجود اور اُس کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مذکورہ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ نہیں ہے یہ سب کچھ مگر سامان دُنیا کی زندگی کا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی جیسی قیمتی متاع کو بھی ایک حقیر چیز شمار کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق دُنیا کی زندگی تک محدود ہے اور اس کے بعد ختم ہو جانے والی ہے۔

متقین کے لیے آخرت

آگے اللہ نے تصویر کا دوسرا رُخ بھی بیان فرمایا ہے وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ اور تیرے پروردگار کے نزدیک آخرت تو متقیوں کے لیے ہے، جو کفر و شرک، کبائر اور معاصی سے بچتے ہیں۔ آخرت میں حصہ خالص ایمان والوں کے لیے ہے جو بدعقیدگی، بداعمالی اور بداخلاقی سے پاک ہوں گے۔

ایک موقع پر حضور علیہ السلام ننگی چارپائی پر فروکش تھے اور آپ کے جسم اطہر

پر چارپائی کے نشانات پڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور! دنیا کے قیصر و کسریٰ، ملوک اور جابر تو عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ آپ بغیر چادر کے چارپائی پر تکلیف برداشت کر رہے ہیں حالانکہ آپ اللہ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا، اے ابن خطابؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو ملنے والے انعامات اسی دنیا میں محدود ہیں جب کہ ہمارے لیے اللہ نے انہیں آخرت کا ذخیرہ بنا دیا ہے اور عیش و آرام ہمیں آگے چل کر میسر ہوگا۔ سورۃ الانعام میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (آیت ۳۲) دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشہ ہے جو کافروں کو میسر ہے جب کہ آخرت کا گھر بہتر ہے جو متقیوں کے حصہ میں آنے والا ہے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کو میسر ہوں اور ہمارے لیے آخرت میں حصہ ہو؟ یعنی تمہیں اس بات میں تردد نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا کے متاع کی تحقیر کی وجہ سے ہی حضور علیہ السلام نے نَهٰى عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ فِىْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرما دیا کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور ہمیں یہ آخرت میں میسر ہوں گی اہل جنت کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پیش کیا جائیگا، اور جو شخص اس دنیا میں ایسے برتن استعمال کرے گا، وہ آخرت میں ان سے محروم رہے گا۔ بہرحال مومن کی کوشش تو آخرت ہونی چاہیئے، کہ وہاں کامیابی حاصل ہو جائے۔ یہاں کا ساز و سامان تو محض عارضی ہے۔

ایک اشکال

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سونے چاندی کی زیادہ فراوانی اس لیے نہیں دی کہ کہیں سب کے سب لوگ مال و دولت کو دیکھ کر کفر کا راستہ ہی نہ اختیار کر لیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ یہ مال و دولت مومنوں کو عطا کر دیتا تاکہ اس کی وجہ سے سب لوگ ایمان لے آتے۔ اس اشکال کے جواب میں

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ مال و دولت کی فراوانی میں بہت سے خطرات بھی ہیں کہ لوگ دنیا کی آرام و راحت میں مبتلا ہو کر کہیں آخرت کو ہی نہ بھول جائیں اور معاصی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (العلق-۶، ۷) جب کوئی انسان اپنے آپ کو غنی پاتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ (التکاثر-۱) انسان کو کثرتِ طلب نے اُسے غافل کر دیا ہے۔ اس واسطے اللہ نے اہلِ ایمان کو دنیا میں مال و دولت کی فراوانی نہیں عطا کی۔

امام زمخشریؒ اس اشکال کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں مومنوں کے لیے سونے چاندی کی فراوانی کر دی جاتی تو اس میں کافروں کے لیے ایمان لانے کی کشش تو ضرور ہوتی مگر اس قسم کا ایمان محض لالچ کی بنا پر ہوتا نہ کہ دل کی تصدیق کے ساتھ۔ اس قسم کا ایمان منافقوں کا ایمان ہوتا ہے جو کہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ آج بھی لوگ دنیا کے مال کی خاطر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو نوکری، مکان، بیوی اور دیگر آسائشوں کی وجہ سے عیسائیت کی گود میں چلے گئے، اور کتنے لوگ ہیں جنہوں نے محض لالچ میں آکر مرزائیت کو قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا لالچ والا ایمان اللہ کو پسند نہیں لہٰذا اُس نے دنیا میں اہلِ ایمان کے لیے مال و متاع کو پُرکشش نہیں بنایا۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

ع ۴ ۱۰

ترجمہ:۔ اور جو شخص اعراض کرتا ہے رحمان کے ذکر سے ہم مقرر کر دیتے ہیں اُس کے لیے شیطان، پس بے شک وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے (۳۶) اور بےشک وہ (شیاطین) البتہ روکتے ہیں اُن کو سیدھے رستے سے۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں (۳۷) یہاں تک کہ جب وہ آئے گا ہمارے پاس تو کہے گا (وہ اپنے شیطان سے) کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فرق ہوتا۔ پس بہت ہی بُرا ساتھی ہے (۳۸) اور ہرگز نہیں فائدہ پہنچائے گا تمھیں آج کے دن جب کہ تم نے ظلم کیا ہے۔ بیشک تم عذاب میں مشترک ہو (۳۹) (اے پیغمبر!) کیا آپ سنائیں گے بہروں کو یا راہ دکھائیں گے اندھوں کو، اور اُس کو جو صریح گمراہی میں بھٹک رہا ہے (۴۰) پس یا تو ہم آپ کو لے جائیں گے، اور بیشک ہم ان لوگوں سے انتقام لینے والے ہیں (۴۱) اور یا ہم دکھا دیں گے آپ کو وہ چیز جس کا وعدہ ہم نے ان سے کیا ہے۔ بیشک ہم اِن پر قدرت رکھنے والے ہیں (۴۲) پس آپ مضبوطی سے پکڑیں اس چیز کو جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے۔ بیشک آپ سیدھے راستے پر ہیں (۴۳) اور بے بیشک یہ (قرآن) البتہ ذکر ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے، اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا (۴۴) اور آپ پوچھ لیں اُن سے جن کو ہم نے بھیجا تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے۔ کیا مقرر کیے ہیں ہم نے رحمان کے سوا دوسرے معبود

جن کی عبادت کی جائے ﴿۴۵﴾

ربط آیات

پہلے توحید اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے رسالت کا ذکر فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ..... الخ (آیت - ۲۳) اسی طرح آپ سے پہلے ہم نے جس بستی میں بھی رسول یا نبی بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے اس کا انکار کیا اور اپنے آباؤ اجداد کی فرسودہ رسوم پر کاربند رہنے پر اصرار کیا۔ قَالُوٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (آیت - ۲۴) کہنے لگے کہ جس چیز کو تم لے کر آئے ہو، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ عرب کے مشرکوں کا بھی یہی حال ہوا کہ جب بھی ان کے پاس حق بات آئی قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ (آیت - ۳۰) کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہے تو اسے مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل ہونا چاہیئے تھا۔ تاکہ ہم بھی مان لیتے۔ ہم کسی نادار آدمی کو اللہ کا نبی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

قرآن سے اعراض کا نتیجہ

فرمایا اگر یہ لوگ نبی آخر الزمان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے، اور آپ کے لائے ہوئے قرآن سے بھی اعراض کرتے ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ جو شخص خدائے رحمان کے ذکر سے اعراض کرتا ہے نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ لفظ ذکر کے دو معانی آتے ہیں۔ ذکر سے عام فہم مراد یاد الہٰی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یاد الہٰی سے اعراض کرنا ہرگز پسندیدہ امر نہیں۔ تاہم یہاں پر سیاق و سباق کے پیش نظر ذکر سے مراد خود قرآن حکیم ہے۔ جیسے بھی ذکر قرآن کریم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قرآنی تعلیمات سے اعراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے جو اسے ہمیشہ بہکا کر گمراہ کرتا رہتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر کسی بستی میں تین مسلمان رہتے ہوں۔ اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو اُن پر شیطان غالب آجاتا ہے اسی طرح جو ذکرِ الٰہی یا نصیحت سے اعراض کرتا ہے۔ اس پر بھی شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور اُس کو ہر وقت گمراہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ نے انسان کی آزمائش کے لیے اُس کے ساتھ فرشتوں کو بھی مقرر کر رکھا ہے اور شیاطین کو بھی۔ فرشتے اور شیطان ہر وقت آدمی سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ اگر طبیعت میں نیکی کا جذبہ بیدار ہو تو سمجھ لو کہ یہ فرشتے کی کارروائی کا نتیجہ ہے۔ اور اگر دل میں بُرائی کا وسوسہ پیدا ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر وقت شیطان کے شر سے خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیئے۔ اِن شیاطین کا کام یہ ہوتا ہے وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ کہ وہ لوگوں کو سیدھے رستے سے روکتے ہیں۔ ہر نیکی کے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اور انہیں بُرائی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

معرضین کی غلط فہمی

فرمایا اگرچہ معرضینِ قرآن پر شیطان مسلط ہوتا ہے وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ مگر وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ اُن کی فہم و فکر کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ بُرائی کو نیکی تصور کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ مشرک کافر اور بدعتی لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ کام تو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں۔ مگر سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت بڑے نیکی کے کام انجام دے رہے ہیں۔ مثلاً جب کافر اور مشرک لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں یا غیر اللہ سے فریاد رسی کرتے ہیں۔ تو سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ بدعات کے پجاری بھی عرس منا کر، قبروں پر چادریں چڑھا کر، چراغاں کر کے اُن پر گنبد بنا کر، تیسرا، ساتا اور چالیسواں کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں کہ وہ کارِ ثواب انجام دے رہے ہیں۔ شیطان اُن کے دلوں میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ یہ بڑی نیکی کا کام ہے۔ اسی پر اپنی اور مُردوں کی نجات کا دار و مدار ہے اور انہی امور سے دنیا میں عزت اور شہرت حاصل ہوگی۔ وہ انہیں خوشنما کر کے دکھاتا رہتا ہے اور بے نصیب آدمی عمر بھر ایسے ہی بے معنی امور کی انجام دہی کرتے کرتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کو سورۃ کہف میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دیں کیا ہم تمہیں اعمال کے لحاظ سے سخت نقصان زدہ لوگوں کے متعلق بتلائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سعی دنیاوی زندگی میں ہی برباد ہو گئی وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (آیت ۱۰۴) مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ زندگی بھر اسی زعم میں مبتلا رہتے ہیں حَتّٰى إِذَا جَاءَنَا یہاں تک کہ جب وہ موت سے ہمکنار ہو کر ہمارے پاس آتے ہیں تو اُس وقت آنکھیں کھلتی ہیں۔ عام محاورے میں بھی کہا جاتا ہے اَلنَّاسُ نِيَامٌ إِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوا اس وقت لوگ دنیا میں غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں، جب انہیں موت آ جائے گی تو حقیقت میں اُس وقت بیدار ہوں گے۔ جب تمام حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے۔

شیطان کی دوستی پر حسرت

فرمایا جب کوئی قرآن سے اعراض کرنے والا مر کر ہمارے پاس پہنچ جاتا ہے قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ تو اُس وقت شیطان سے کہتا ہے کاش میرے اور تمہارے درمیان دنیا میں مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو میں تیرے دام میں نہ پھنستا اور نہ آج یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوتا۔ فَبِئْسَ الْقَرِينُ تو تو بہت ہی برا ساتھی ثابت ہوا۔

یہاں پر مشرقین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی ہے دو مشرق حالانکہ مشرق تو ایک ہی ہے جب کہ اس کی ضد مغرب ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مشرقین سے مراد در اصل مشرق اور مغرب ہیں کیونکہ بعض اوقات تغلیباً مشرق اور مغرب کو مشرقین کہا جاتا ہے۔ عربی ادب میں ایسی اور مثالیں بھی ملتی ہیں جیسے

أَخَذْنَا بِأَطْرَافِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ
لَنَا قَمَرَاهَا وَالنُّجُومُ الطَّوَالِعُ

ہم نے آسمان کے اطراف کو تمہارے اوپر بند کر دیا ہے کیونکہ دونوں چاند (یعنی چاند اور سورج) ہمارے لیے ہیں۔ اسی طرح ستارے بھی اب ہمارے ہی ہیں۔

وَبَصْرَةُ الْأَرْضِ مِنَّا وَالْعِرَاقُ لَنَا
وَالْمَوْصِلَانِ وَمِنَّا الْمِصْرُ وَالْحَرَمُ

بصرہ اور عراق بھی ہمارا ہے ، اور دونوں موصل ، مصر اور حرم بھی ہمارے ہیں یہاں بھی جزیرہ اور موصل کو ملا کر موصلان کہا گیا ہے ۔

سورۃ الرحمٰن میں دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر بھی آتا ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (آیت - ۱۷) اللہ تعالیٰ دونوں مشرقوں کا بھی رب ہے اور اور دونوں مغربوں کا بھی ۔ بعض فرماتے ہیں کہ مشرق اور مغرب کو دو دو اس لیے کہا گیا ہے کہ موسم سرما اور گرما کے مشرق اور مغرب مختلف ہوتے ہیں ۔ دونوں موسموں میں سورج اور چاند کے طلوع و غروب کے مقامات میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے ، اس لیے مشرق کو دو مشرق اور مغرب کو دو مغرب کہا گیا ہے ۔

فرمایا کہ بعض آدمی مرنے کے بعد حسرت و افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے دُنیا میں شیطان کو اپنا ساتھی بنایا مگر فرمایا وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ تمہارا افسوس کرنا آج کے دن کچھ کام نہیں آئے گا کیونکہ تم نے دنیا میں رہ کر ظلم کا ارتکاب کیا اور شیطان کی بات مان کر کفر ، شرک ، بدعات اور معاصی میں مبتلا ہوئے آج تم تابع اور متبوع برابر ہو اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ اور عذاب میں اشتراک رکھتے ہو یعنی تم دونوں عذاب میں مشترکہ طور پر مبتلا ہو گے ۔

حضور علیہ السلام کے لیے تسلی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار و مشرکین کے اقوال و افعال سے سخت کوفت ہوتی تھی ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ کیا آپ بہروں کو سنا سکیں گے اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ یا اندھوں کو راہ دکھائیں گے وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یا اس شخص کو راہِ راست پر لے آئیں گے جو صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے ؟ مطلب یہ ہے کہ کافر و مشرک اندھوں ، بہروں اور گمراہوں کی مانند ہیں ، آپ ان کو کیسے راہِ راست پر لا سکیں گے ، یہ تو آپ کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ لہٰذا اگر یہ ایمان نہیں لاتے ، آپ کی رسالت پر یقین نہیں کرتے اور قرآن کو وحی نہیں مانتے تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ ہم خود ان سے نپٹ لیں گے ۔ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ

پھر یا تو ہم آپ کو اُٹھا لیں گے یعنی اپنے پاس بلا لیں گے اور اس صورت میں فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ہم خود ان بدبختوں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ہم ان کو چھوڑیں گے نہیں بلکہ ان کو ان کی کارکردگی کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

فرمایا دوسری صورت یہ ہے اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ یا ہم آپ کو دکھا دیں گے جو وعدہ ہم نے اُن لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے ساتھ تو یہی وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان، توحید، رسالت اور قرآن کا انکار کرے گا۔ ہم اس کو ضرور سزا میں مبتلا کریں گے۔ چنانچہ ہم آپ کی زندگی میں ان کو سزا میں مبتلا ہوتے ہوئے دکھا دیں گے تاکہ آپ کی تسلی ہو جائے کہ ان نابکاروں کو ان کے کیے کا بدلہ مل گیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے کافر، مشرک اور منافق حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہلاک کر دیے گئے، بعض ملک بدر ہوئے اور بعض مغلوب ہو گئے اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ کیونکہ ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔ ہماری گرفت سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے اور ضرور اپنے انجام بد کو پہنچنے والے ہیں۔

تمسک بالقرآن

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے پیغمبر! فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ آپ مضبوطی سے پکڑے رکھیں اُس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ قرآن پاک، دین اور شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ و تلقین کریں۔ آپ شیطان کے بہکائے ہوئے لوگوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہی حکم عام اہل ایمان کے لیے ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لیں اور انہیں زندگی کا لائحہ عمل بنا لیں کہ اسی میں سب کی کامیابی ہے اگر اسمیں شک پیدا ہوا اور اس آفاقی قانون کے ساتھ ساتھ دیگر قوانین سے بھی استمداد کیا تو کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ صرف اسی کو مضبوطی سے تھامنے میں کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

فرمایا اے پیغمبر اسلام! اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ بے شک آپ راہ راست پر ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔ ایمان، توحید اور نیکی کا یہی راستہ ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام تک پہنچا ہے۔ نیز فرمایا وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ بیشک یہ قرآن پاک نصیحت ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بھی۔ عام طور پر ذکر کا معنی نصیحت کیا جاتا ہے۔ تاہم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ذکر سے مراد عزت اور شرف ہے۔ یہی معنی سورۃ صٓ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ (آیت۔۱) قسم ہے شرف والے قرآن کی، تو فرمایا کہ یہ قرآن پاک آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث شرف ہے۔ اس سے بڑی عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام قرآن قریش کی عربی زبان میں نازل فرمایا یہ ایسا کلام ہے جس سے مادی اور روحانی دونوں قسم کی ترقی یقینی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے آپ قومی نبی ہیں لہٰذا قریش کی سعادت آپ کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری حیثیت آپ کی بین الاقوامی نبی کی ہے، جیسے فرمایا قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف۔ ۱۵۸) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں تم سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بہرحال قرآن کا پروگرام پہلے حضور علیہ السلام کی قوم قریش کو دیا گیا اور پھر اُن کی وساطت سے یہ پیغام ساری دنیا کو عطا کیا گیا۔ چنانچہ یہ قرآن قریش کے لیے خاص طور پر باعث عزت و شرف ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ قریش کے شرف کا یہ مطلب بھی ہے کہ خلافت بھی انہی میں رہیگی۔ چنانچہ پہلی ساڑھے چھ صدیاں تک مسلمانوں کی خلافت قریش کے پاس ہی رہی۔ اس کے بعد جب اُن میں صلاحیت باقی نہ رہی، امت میں فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے تو خلافت سلجوقیوں اور ترکوں کی طرف منتقل ہو گئی۔

قرآن و توحید کے متعلق سوال

فرمایا یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے عزت کا باعث ہے وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ اور عنقریب قرآن کے بارے میں تم سے سوال کیا جائیگا۔

باز پرس ہوگی کہ ہم نے تمہیں اس قرآن پاک کے ذریعے شرف بخشا تھا، تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ عام طور پر قرآن کا مقصد ختم ہو چکا ہے، لوگوں نے اسے پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بجائے اس کو غلافوں میں بند کر کے الماریوں کی زینت بنا دیا ہے۔ قیامت کے دن حضور علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں شکایت پیش کریں گے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان۔۳۰) پروردگار! میری اس قوم نے قرآن پاک کو پس پشت ڈال دیا تھا، انہوں نے اس کو نافذ نہ کیا اور اس طرح اس کی تعلیمات سے مستفید نہ ہوئے بلکہ الٹا اس کی مخالفت کرتے رہے۔ بہرحال قرآن کریم بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

آگے اللہ نے توحید کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ذرا ان سے پوچھ لیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سوال کے مصداق سابقہ کتب سماویہ زبور، تورات اور انجیل کے قاری ہیں۔ کہ ان سے پوچھ لیں اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ کیا ہم نے رحمان کے سوا دوسرے معبود ٹھہرائے ہیں کہ جن کی عبادت کی جائے؟ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے سوا کسی کو معبود بنانے کا حکم نہیں دیا، پھر یہ لوگ کس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے انبیاء نے بھی خالص توحید ہی کا درس دیا اور آپ کی تعلیمات اور قرآن کا محور بھی توحید ہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ معراج کی رات جب تمام انبیاء علیہم السلام کا اجتماع ہوا اور حضور علیہ السلام نے سب کو نماز پڑھائی تو اس وقت آپ نے انبیاء سے دریافت کیا کہ تمہیں کس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا، تو سب نے یہی جواب دیا بعثنا بالتوحيد (طبقات ابن سعدؒ) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بَاطِلٌ کہ ہماری سب کی مشترکہ دعوت کلمہ توحید تھی اور یہ بھی کہ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ باطل ہے

وقت یہ بھی کہا اَنْتَ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَسَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا اور آپ تمام انبیاء اور رسل کے سردار ہیں۔ آپ کے بعد قربِ قیامت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا۔ مگر وہ آپ کے اتباع پہ ہوں گے، اپنی شریعت جاری نہیں کریں گے بلکہ دجال کا فتنہ ختم کر دیں گے۔ بہرحال یہ مسئلہ تخلیقِ کائنات کے وقت سے طے شدہ متفق علیہ رہا ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کی عبادت روا نہیں۔ اللہ نے اپنے سوا کسی کو معبود نامزد نہیں کیا، اس کی گواہی سابقہ انبیاء بھی دیں گے۔ یہ مسئلہ توحید بھی آ گیا۔ آگے مزید تسلی کا مضمون آ رہا ہے۔ نیز شرک کی تردید اور طریقہ تبلیغ بھی بیان ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۬ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ

سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ ع

ترجمہ ۵ :- اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرآوردہ لوگوں کی طرف ۔ پس کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿۴۶﴾ پس جب وہ آئے اُن کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اچانک وہ اِن (نشانیوں) کے ساتھ ہنستے تھے ﴿۴۷﴾ اور ہم نہیں دکھاتے اُن کو کوئی نشانی مگر وہ بڑھی ہوئی ہوتی تھی دوسری سے ۔ اور پکڑا ہم نے اُن کو عذاب میں تاکہ وہ لوگ باز آجائیں ﴿۴۸﴾ اور کہا انہوں نے اے جادوگر انسان ! دعا کر ہمارے لیے اپنے پروردگار کے پاس جو کچھ اُس نے عہد کیا ہے تمہارے ساتھ ۔ بیشک ہم راہ پر آجائیں گے ﴿۴۹﴾ پس جب ہم نے کھول دیا اُن سے عذاب تو اچانک وہ توڑتے تھے (عہد کو) ﴿۵۰﴾ اور پکارا فرعون نے اپنی قوم کے درمیان اور کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا یہ ملک مصر میرے قبضہ میں نہیں ہے ؟ اور یہ جو نہریں چلتی ہیں میرے محل کے سامنے ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ؟ ﴿۵۱﴾ بھلا میں بہتر ہوں اس شخص سے جو حقیر ہے اور قریب نہیں کہ وہ صاف بات کر سکے ﴿۵۲﴾ پس کیوں نہیں ڈالے گئے اُس پر کنگن سونے کے ، اور کیوں نہیں آتے اُس کے پاس فرشتے لگاتار ﴿۵۳﴾ پس خفیف بنایا اس نے اپنی قوم کو تو انہوں نے اُس کی اطاعت کی بیشک تھے وہ لوگ نافرمان ﴿۵۴﴾ پس جب انہوں نے ہمیں غصہ

دلایا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور ہم نے ان سب کو پانی میں غرق کر دیا (۵۵) پس کر دیا ہم نے ان کو گئے گزرے لوگ ، اور ایک مثال پچھلوں کے لیے (۵۶)

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت بیان ہوئی ۔ نیز فرمایا کہ جو لوگ قرآن پاک سے اعراض کرتے ہیں اُن کے ساتھ سزا کے طور پر شیاطین مقرر کر دیے جاتے ہیں ۔ جو انہیں ہمیشہ گمراہ کرتے رہتے ہیں اور دوزخ تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے ۔ وہاں پہنچ کر ایسے لوگ افسوس کا اظہار کریں گے مگر اُس وقت کا تأسف کچھ مفید نہیں ہوگا ۔ اور پھر تابع اور متبوع سب عذاب میں شریک طور پر شریک ہوں گے ۔ اُس کے بعد حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ وحی الٰہی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھیں کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں ۔ اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ وقت پر ضرور عذاب میں مبتلا کرے گا ۔ فرمایا یہ قرآن پاک آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعثِ عزت و شرف ہے ۔ قیامت کے دن اس کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ دنیا میں تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام آسمانی کتب اس بات پر متفق ہیں کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔ اب آج کی آیات میں اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور ساتھ فرعون کی نے کا منہ بھی بیان کیا گیا ہے ۔

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی قوموں کے حالات آپس میں ملتے جلتے ہیں ۔ فرعون کے سردار بھی بڑے مغرور اور سرکش تھے ۔ جب کہ سردارانِ قریش بھی ایسے ہی تھے ۔ دونوں اقوام نے اپنے اپنے نبی کو سخت ایذائیں پہنچائیں مگر بالآخر اپنے مجرمانہ انجام کو پہنچے ۔ چنانچہ یہاں پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرما کر حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے سربرآوردہ لوگوں کی طرف فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار

کا فرستادہ ہوں۔ میں خود نہیں آیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ میں تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں اور تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ کفر اور شرک سے باز آجاؤ اور صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خاص طور پر فرمایا:

هَلْ لَّكَ إِلَىٰٓ أَن تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

(سورۃ النّٰزعٰت) کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے، اور میں تجھے تیرے پروردگار کا راستہ بتاؤں تاکہ تجھ میں خوف پیدا ہو۔

یہاں پر نشانیوں سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ ان میں دو بڑی نشانیاں عصا اور ید بیضا تھیں۔ سورۃ الاعراف میں آتا ہے فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ (آیت۔ ۱۳۳) ہم نے فرعونیوں پر طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون جیسی واضح نشانیاں بھیجیں، مگر وہ تکبر کرتے رہے، اور وہ مجرم لوگ ہی تھے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جن نشانیوں کا ذکر ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، اس سے یہی نو معجزات مراد ہیں۔

فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے نشانیاں لے کر فرعون اور اُس کی قوم کے پاس آئے فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ تو وہ لوگ ان نشانیوں کا مذاق اڑانے لگے۔ انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیہودہ باتیں کیں۔ اگلی آیت میں آرہا ہے کہ آپ کو جادوگر کہا اور معجزات کو کرتبوں سے تعبیر کیا۔ حالانکہ معجزہ تو اللہ کے نبی کی صداقت کی نشانی ہوتا ہے اور ایسی چیز ہر شخص پیش نہیں کرسکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ الغرض فرعون اور اُس کی قوم نے معجزات کی ہنسی اڑائی۔

بلاوجہ ہنسی ٹھٹھے بھی کوئی اچھی چیز نہیں چہ جائیکہ اللہ کے نبی اور اُس کے لائے ہوئے معجزات کی ہنسی اڑائی جائے۔ ہنسنا اگرچہ ایک طبعی امر ہے مگر حضور علیہ السلام کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے۔ آپ زیادہ سے زیادہ مسکرا دیتے تھے۔ بعض اوقات

ہنستے بھی تھے مگر قہقہہ نہیں لگاتے تھے کہ یہ غفلت کی علامت ہے۔ اسکی یہ دوسری وجہ ہے کہ آگے آنے والی مشکل منزل کے پیش نظر انسان کو ہنسنا کم اور رونا زیادہ چاہیے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دے کر بھیجا وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ہم اُن لوگوں کو جو بھی نشانی دکھلاتے تھے وہ پہلی نشانی سے بڑھی ہوئی ہوتی تھی۔ تمام معجزات ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ مگر فرعونیوں نے اُن کو تسلیم نہ کیا بلکہ ہنسی مذاق میں اڑا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کہ ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ باز آجائیں۔ اُن کی یہ گرفت معمولی نوعیت کی تھی اور محض تنبیہ کے لیے تاکہ وہ اللہ کے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے باز آجائیں۔

اللہ کا فرمان ہے کہ ہم نے بنی نوع انسان کے لیے دنیا میں دستور قائم کر رکھا ہے کہ ہم انہیں کبھی راحت دے کر آزماتے ہیں اور کبھی تکلیف میں مبتلا کر کے پھر جب لوگ آسودگی کی حالت میں شکر ادا نہیں کرتے تو ہم ان پر بعض مصائب ڈال دیتے ہیں جس کا مقصد انہیں تنبیہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ بُرائی سے ہٹ کر نیکی کی طرف آجائیں۔ چنانچہ فرعونیوں کو بھی اللہ نے بطور تنبیہ معمولی قسم کی سزا میں مبتلا کر دیا۔

دعا کی درخواست

جب فرعون اور اس کے حواریوں کو تکلیف پہنچی وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ تو کہنے لگے۔ اے جادوگر! موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر خطاب کیا کیونکہ اُس زمانے میں جادو کا بڑا چرچا تھا ایسے ساحر عالم کو بھی کہا جاتا تھا۔ فرعون نے بڑے بڑے ماہر ساحر اپنے دربار میں جمع کر رکھے تھے جن سے وہ امور سلطنت میں مشورے لیا کرتا تھا۔ تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہا کہ اے جادوگر! ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دُعا کر اُس عہد کے ساتھ جو اُس نے آپ کے ساتھ کر رکھا ہے یا جو اُس نے آپ کو سکھا رکھا ہے۔ کہنے لگے تمہاری دُعا کی وجہ سے ہی ہماری تکلیف دُور ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہماری یہ مشکل حل ہو گئی۔

إِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ تو ہم تیری بات مان کر راہ راست پر آجائیں گے۔ پھر جب اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کے نتیجے میں اُن کی تکلیف کو دُور کر دیا تو ارشاد ہوا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ جب ہم نے اُن سے سزا کو دُور کر دیا إِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ تو انہوں نے اُس عہد کو توڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو تسلیم نہ کیا بلکہ حسب سابق آپ کا اور آپ کے لائے ہوئے معجزات کا تمسخر اڑانے لگے۔ گویا انہوں نے راہ راست پر آجانے کا عہد توڑ دیا۔

فرعون کا تکبر

آگے اللہ نے فرعون کے غرور و تکبر کا ذکر کیا ہے وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ اور فرعون نے اپنی قوم کو پکارا قَالَ يٰقَوْمِ کہنے لگا، اے میری قوم کے لوگو! أَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ کیا مصر کی بادشاہی میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ وَهٰذِهِ الْأَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اور کیا یہ نہریں میری نہیں ہیں جو میرے محلات کے سامنے بہہ رہی ہیں۔ اُس زمانے میں مصر کی سلطنت ارد گرد کی سلطنتوں سے مال و دولت تجارت اور زراعت کے لحاظ سے بڑھی ہوئی تھی۔ بڑا خوشحال ملک تھا۔ دریائے نیل پر جگہ جگہ ڈیم بنے ہوئے تھے۔ نہریں جاری تھیں، جن سے آبپاشی خوب ہوتی تھی۔ فرعون نے اس چیز پر غرور کیا کہ دیکھو اتنے خوشحال ملک کی باگ ڈور تو میرے ہاتھ میں ہے۔ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں کس قدر صاحب اقتدار و اختیار ہوں؟ پھر اگلا سوال کیا أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ کیا بھلا میں اس حقیر شخص سے بہتر نہیں ہوں؟ موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ مال و دولت ہے، نہ فوج، نہ سلطنت۔ یہ تو ایک بے وقعت سا آدمی ہے بھلا اس کا اور میرا مقابلہ کیا ہے۔ میں تو لازماً اس سے بہتر ہوں۔

پھر کہنے لگا فَلَوْلَآ أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ کہ مدعی نبوت موسیٰ علیہ السلام کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے جاتے۔ اُس زمانے میں سونے کے کنگن پہننا بہت بڑی امارت اور عزت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

فرعون خود بھی سونے کے کنگن اور مرصّع ریشمی لباس پہنتا تھا۔ وہ بہترین گھوڑے پر سواری کرتا تھا یا بہترین رتھ پہ سوار ہوتا تھا۔ تو کہنے لگا کہ دنیا میں بڑائی کی یہ نشانیاں ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام اس معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ لہٰذا ہم اُس کو اللہ کا نبی کیسے تسلیم کر لیں۔ پھر کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام میں جسمانی طور پر بھی ایک نقص ہے وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ کہ وہ بات بھی اچھے طریقے سے نہیں کر سکتا۔ آپ کی زبان میں قدرے لکنت تھی۔ جس کی وجہ سے آپ اپنا مافی الضمیر احسن طریقے سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ پروردگار! میرے سینے کو کھول دے میرے کام کو آسان بنا دے وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ (طٰہٰ - ۲۸) اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ یہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔ پھر اس دعا کے نتیجے میں آپ بات کرنے کے قابل ہو گئے تھے تاہم لکنت کا کچھ اثر باقی رہ گیا تھا جس کی بنا پر فرعون نے کہا کہ یہ تو بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا۔ تو بھلا یہ شخص مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتا ہے؟

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات تو سمجھ میں آجاتی تھی مگر آپ کے کلام میں زیادہ فصاحت نہیں تھی، اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا (القصص - ۳۴) میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی میرے ساتھ بھیج دے کیونکہ وہ زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اگر میری بات کو سمجھنے میں لوگوں کو دقت پیش آئی تو ہارون علیہ السلام اُس کی وضاحت کر دیں گے۔

بہرحال فرعون کہنے لگا کہ نبوت کی دلیل کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے جاتے اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ یا کم از کم اُس کے ساتھ لگاتار فرشتے آتے جو اُس کی نبوت کی تصدیق کرتے تو ہم پھر بھی مان لیتے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کی صورت میں کوئی باڈی گارڈ بھی نہیں ہے، لہٰذا ہم اُس کے دعوئ نبوت کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

قوم کی بے وقوفی

اللہ نے فرمایا فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ اس طریقے سے فرعون نے اپنی قوم کو بیوقوف بنایا۔ چکنی چپڑی باتیں کر کے اور موسیٰ علیہ السلام کو حقیر ثابت کر کے قوم کو ورغلایا۔ چنانچہ قوم اُس کے بہکاوے میں آگئی فَاَطَاعُوْهُ اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی یعنی فرعون کی ہاں میں ہاں ملادی کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہتا ہے وہ درست ہے۔ فرعون کی قوم واقعی بے وقوف تھی۔ وہ عقلِ معاش سے تو بخوبی واقف تھے اور دنیا طلبی کو خوب جانتے تھے، مگر عقلِ معاد سے محروم تھے اور نہیں جانتے تھے کہ حساب کتاب کا ایک دن آنے والا ہے جب اللہ کی بارگاہ میں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا اور اُس وقت اُن کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔ فرعون کی اس قسم کی تقریر سورۃ مومن میں بھی گزر چکی ہے جب اُس نے اپنے حواریوں سے کہا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے دو اور یہ اپنے رب کو بلالے اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ (آیت ۲۶) مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دین ہی نہ بدل ڈالے یا زمین میں فساد نہ برپا کر دے۔ بہر حال فرعون نے اپنی چرب زبانی سے قوم کو بے وقوف بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن بنا دیا۔ فرمایا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ بے شک وہ سب کے سب نافرمان لوگ تھے۔ پوری کی پوری قوم کے نابجار ہونے کی بعض دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً قومِ نوح کے متعلق فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ (الاعراف۔ ۶۴) وہ ساری قوم دل کی اندھی تھی ماسوائے اُن نفوس کے جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ اسی طرح قومِ فرعون کے متعلق سورۃ مومن میں موجود ہے کہ پوری قوم میں صرف ایک شخص مومن تھا جس کے نام پر سورۃ کا نام موسوم ہے اور یا پھر فرعون کی بیوی مومنہ تھی، باقی سب نافرمان ہی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارے ملک پر شیطان کا غلبہ ہو چکا ہے۔ ہمارا ملک بھی اسی زد میں آیا ہوا معلوم ہوتا ہے جہاں نیکی والے آدمی بالکل قلیل تعداد میں ہیں اور اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کافر، مشرک، بدعتی ہیں، یا پھر کھیل تماشے

کے دلدادہ ہیں۔ انہیں نیکی کا کوئی کام آتا ہی نہیں۔ یہ لوگ اسی حالت میں پڑے رہتے ہیں حتیٰ کہ یا تو موت آجاتی ہے اور یا پھر ان پر کوئی آفت ڈال دی جاتی ہے کبھی غلامی میں جکڑے جاتے ہیں، کبھی ملک کا کوئی حصہ چھن جاتا ہے، طوفان آتے ہیں، زلزلے آتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ قوم کی اکثریت نافرمان ہوتی ہے۔

قوم فرعون سے انتقام

فرمایا فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا جب قوم فرعون نے ہمیں غصہ دلایا۔ بار بار تبلیغ حق کے باوجود انہوں نے خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیا اِنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ پس ان سب کو پانی میں غرق کر دیا۔ صرف چھ لاکھ ستر ہزار آدمی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ وہی بحر قلزم سے پار گئے تھے باقی سب فرعونی بحیرہ قلزم کی لہروں کا شکار بنے۔ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا پس ہم نے ان کو گئے گزرے لوگ بنا دیا۔ کتب سماویہ اور تاریخ میں ان کے قصے کہانیاں ہی باقی رہ گئیں اور وہ سب نابود ہو گئے۔ وَمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ اور پچھلوں کے لیے انہیں ایک مثال بنا دیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ دیکھ لیں کہ اس قسم کے سرکشوں کا کیا انجام ہوتا ہے یہ تو بڑے سرکش اور والیان ملک کا حال ہوا، بھلا عام لوگوں کے غرور و تکبر کی کیا حیثیت ہے۔ جو لوگ اللہ کے دین میں روڑے اٹکائیں گے۔ خدا کی شریعت کو ٹھکرائیں گے۔ ان کا انجام بھی سابقہ نافرمان قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

درس نمبر ۹ | آیت ۵۷ تا ۶۲

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوٓا ءَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلٰٓئِكَةً فِى الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هٰذَا صِرٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾

ترجمہ :- اور جب بیان کی گئی مثال عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلانے لگے (۵۷) اور انہوں نے کہا، کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، انہوں نے یہ مثال نہیں بیان کی آپ کے سامنے مگر جھگڑا کرنے کے لیے، بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں (۵۸) نہیں ہے وہ (عیسیٰ ابن مریم) مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا، اور بنایا ہم نے اس کو نمونہ بنی اسرائیل کے لیے (۵۹) اور اگر ہم چاہیں تو بنا دیں تمہاری جگہ فرشتے زمین میں جو آگے پیچھے آتے رہیں (۶۰) اور بیشک وہ (عیسیٰ ابن مریم) البتہ نشانی ہے

قیامت کی۔ پس نہ تم شک کرو اُس (قیامت) کے بارے میں۔ اور میری بات مانو۔ یہی ہے سیدھا راستہ (۶۱) اور نہ روکے تمھیں شیطان۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (۶۲)

ربطِ آیات

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ فرعون اور اس کے حواریوں کا بھی جنہوں نے غرور و تکبر کی بناء پر موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کیا، اور ان کی شان میں نازیبا کلمات بھی کہے۔ اللہ نے دنیا میں ہی اُن کی گرفت کی اور فرعون مع اپنے لاکھوں لشکریوں کے بحیرۂ قلزم کی موجوں کی نذر ہوگیا۔ دنیا میں اُن کو یہ سزا ملی جب کہ آخرت کا دائمی عذاب آگے آنے والا ہے۔ اللہ نے اُن کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے باعثِ عبرت بنا دیا۔

قریشِ مکہ کا واویلا

اَب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی قوم قریشِ مکہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی۔ اس مثال سے مراد وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں بیان فرمائی ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (آیت ۔۹۸) تم اور وہ معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ نیز فرمایا لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا (آیت ۔۹۹) اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ مطلب یہ کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو یہ تو عبادت کے لائق ہی نہیں۔ اگر یہ معبود ہوتے تو پھر تو دوزخ سے بچ جاتے مگر موجودہ صورت میں تم اور تمہارے یہ معبودانِ باطلہ سب جہنم رسید ہوں گے۔

جب یہ مثال بیان کی گئی تو اللہ نے فرمایا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ تو اے نبی علیہ السلام آپ کی قوم چیخنے چلانے لگی۔ کہنے لگے دیکھو آپ ہمارے معبودوں کی مذمت بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ وہ بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے

انہوں نے دلیل کے طور پر کہا کر ہمارے معبودوں میں تو فرشتے، عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام بھی شامل ہیں جو اللہ کے مقرب ہیں تو کیا ملائکہ اور انبیاء بھی ہمارے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ اس سوال کا جواب اللہ نے سورۃ الانبیاء میں ہی دیا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (آیت۔ ۱۰۱) جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقرر ہو چکی ہے، وہ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے، اس سے مراد ملائکہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔ کہ اگرچہ لوگوں نے ان کو معبود بنالیا مگر ان کے لیے اللہ نے بھلائی لکھ دی ہے لہٰذا وہ اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ انہوں نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ مشرکوں نے از خود اُن کو الوہیت کے درجے پہ پہنچا دیا۔ لہٰذا یہ اُن کے ساتھ سزا میں شریک نہیں ہوں گے۔

مشرکین نے اللہ کے آخری نبی اور رسول پہ دوسرا اعتراض یہ کیا کہ آپ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں اس لیے تو مسیح علیہ السلام کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں اور اُن کی خوبیاں گنواتے ہیں۔ اُن کے اس اعتراض کی بنیاد سورۃ آل عمران کی آیت۔ ۵۹ پر تھی اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے جن کو اللہ نے مٹی سے تخلیق فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے واسطہ کے پیدا کیا، اور حواؑ کو بغیر ماں کے واسطے سے تخلیق کیا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے واسطہ کے پیدا فرما دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا شاہکار ہے، وہ جس طرح چاہے کسی کو پیدا فرمائے وگرنہ اُس کا عام قانون تو یہی ہے کہ وہ انسان کو ماں اور باپ دونوں کے واسطہ سے پیدا فرماتا ہے جیسے اُس کا ارشاد ہے۔ اے لوگو! ہم

اللہ سے ڈر جاؤ جس نے تمھیں ایک جان سے تخلیق کیا وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا پیدا اسی ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے اس کا جوڑا یعنی حضرت حواؑ کو پیدا کیا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء - ۱) اور پھر ان دونوں سے کثیر تعداد میں مرد و زن پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیئے۔ بہر حال مشرک لوگوں کا اعتراض یہ تھا کہ اللہ کا قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عام قانونِ تخلیق سے مستثنیٰ قرار دے کر ان کی عزت و احترام کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی عبادت کرانا چاہتے ہیں۔ جس طرح نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں، اسی طرح آپ بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ وَقَالُوا ءَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ وہ یہ سوال بھی کرتے تھے کہ بھلا بتلاؤ کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام؟

اللہ نے اس قسم کی بیہودہ باتوں کے جواب میں فرمایا مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا انہوں نے یہ مثال آپ کے سامنے محض جھگڑا کرنے کے لیے بیان کی ہے۔ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی مثال آپ پر فٹ کرنا چاہتے ہیں۔ جو کہ نہایت ہی غلط بات ہے۔ حقیقت یہ ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ یہ جھگڑالو لوگ ہیں جو آپ کو اس قسم کی بیہودہ باتوں میں الجھانا چاہتے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ فرشتوں نے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام نے کبھی اپنی عبادت کا حکم لوگوں کو نہیں دیا، وہ تو ہمیشہ اپنی پرستش سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے اور دنیا میں اللہ کی وحدانیت کا درس دیتے رہے إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (آل عمران - ۵۱) عیسیٰ علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ میرا اور تمھارا پروردگار اللہ ہے، اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ انہوں نے متنبہ کر دیا إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اس پر جنت حرام قرار دے دی اور اس کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔

انہوں نے توحید کی تعلیم دی مگر خود اُن کے نام نہاد پیروکاروں نے توحید کے اس عقیدے کو بگاڑ کر انہی کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔ کسی نے خدا کا بیٹا کہا، کسی نے تینوں میں سے تیسرا تسلیم کیا اور کسی نے خود خدا کہہ دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام پر انعاماتِ الٰہیہ

اللہ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ نہیں تھے وہ مگر ایک بندے جس پر ہم نے انعام کیا۔ آپ پر پہلا انعام تو تخلیق کے سلسلے میں ہوا کہ اللہ نے بغیر باپ کے اپنی قدرت کاملہ سے اُن کو پیدا فرمایا۔ اُن کی پرورش بھی عجیب و غریب طریقے سے ہوئی۔ اللہ نے انہیں انجیل جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ اور آپ کے ہاتھ پر حیرت انگیز معجزات کا اظہار فرمایا۔ اور پھر سب سے بڑا انعام نبوت و رسالت ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں۔ تو فرمایا وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہم نے آپ کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنا دیا۔ اس کی وضاحت سورۃ آل عمران میں موجود ہے۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (آیت۔ ۴۹) اللہ نے آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کی نبوت بین الاقوامی نہیں بلکہ قومی تھی۔ بہرحال یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام تھا۔ فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ اور اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ زمین میں فرشتے بنا دیں جو آگے پیچھے آتے رہیں۔ یہ اُس کی قدرت میں ہے کہ زمین پر فرشتوں کو نازل فرمائے مگر اُس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے عیسیٰ علیہ السلام جیسی جلیل القدر ہستی کو پیدا کیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

نزولِ مسیح بطور آثارِ قیامت

بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اور دوسری بات یہ کہ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ بے شک آپ قیامت کی نشانی ہیں۔ علم تو نشانی کو کہتے ہیں۔ اور علم بایں معنی کہ ایک ایسی چیز جس کے ذریعے قیامت کا قریب الوقوع ہونا معلوم ہوگا۔ یعنی مسیح علیہ السلام کا نزول قربِ قیامت

کی علامت ہوگا۔ اور یہی چیز آپ کی حیات کی دلیل ہے کہ آپ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت میں نازل ہوں گے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اِنَّہٗ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے اور معنیٰ یہ بنتا ہے کہ بیشک قرآن ایک علم ہے جس کے ذریعے وقوعِ قیامت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ نے قرآنِ پاک میں قیامت کا ذکر بکثرت کیا ہے بلکہ قرآنِ کریم کا ایک تہائی حصہ قیامت کے موضوع پر ہی مشتمل ہے۔ تاہم اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اِنَّہٗ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی بیشک عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں جو کہ آپ کے دوبارہ نزول کی طرف ایک اشارہ ہے۔ امام ابن کثیرؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کی روایات متواتر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے کثیر راویان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے۔ اس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام قربِ قیامت میں ضرور نازل ہوں گے اور یہ حقیقت ہر مسلمان کے عقیدہ کا جزو ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے کَیْفَ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ اُس وقت کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان کی طرف سے نازل ہوں گے آپ صاحبِ انصاف حاکم ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اُس وقت جزیہ موقوف ہو جائے گا کیونکہ اُس وقت اسلام کے سوا دنیا پر کوئی دوسرا دین نہیں ہوگا۔ اگر کوئی عیسائی اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے اور اسی کے مطابق فیصلے کریں گے۔ مسلم شریف میں امام ابن ابی ذئب کی روایت میں آتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے آئیں گے اور قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ واقعہ معراج میں بھی موجود ہے کہ جب عالمِ بالا میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع ہوا اور قیامت کا ذکر ہوا تو تمام انبیاء نے یہی کہا کہ ہمیں قیامت

قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے قیامت کی گھڑی کے متعلق تو علم نہیں۔ البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے مجھے زمین پر اتاریں گے اور میں دجال کو قتل کروں گا۔ قربِ قیامت کی نشانیوں میں خروجِ دجال کے علاوہ خروجِ یاجوج ماجوج کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ (الانبیاء۔۹۶) اسی طرح سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسف الارض یعنی زمین کا دھنس جانا، آگ کا عدن کے کنارے سے نکلنا اور لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جانا، وغیرہ علاماتِ قیامت میں شمار ہوتی ہیں۔ اور نزولِ مسیح بھی انہی نشانیوں میں شامل ہے۔

فرمایا فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا پس تم قیامت کے بارے میں شک میں نہ پڑو وَاتَّبِعُوْنِ اور میری بات کو مانو۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین، قیامت پر ایمان اور نزولِ مسیح کو قیامت کی علامت کے طور پر ماننا ہر اہلِ ایمان کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہی سیدھا راستہ ہے جس شخص نے اس عقیدے کے خلاف کیا، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔

قادیانیوں کا باطل عقیدہ

حیاتِ مسیح علیہ السلام کے سلسلے میں قادیانیوں نے بہت دجل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جن احادیث میں نزولِ مسیح کا ذکر صراحتاً موجود ہے ان کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ان احادیث میں مذکور مسیح سے مراد مثیلِ مسیح ہے۔ جو مرزا غلام احمد کی صورت میں آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام روح مع الجسد دوسرے آسمان پر زندہ و موجود ہیں اور قربِ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر نزول فرمائیں گے اور یہاں پر عدل و انصاف قائم کریں گے۔ جن احادیث میں نزولِ مسیح کا ذکر آیا ہے وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں۔ لہٰذا ان میں کسی قسم کا شک یا تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ "عقیدۃ الاسلام فی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام" عربی زبان میں ایک ضخیم کتاب ہے جس

میں تمام متعلقہ احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جس سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہاں پر علم سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے قرب قیامت کا پتہ چلتا ہے۔ اور مراد اس سے علامت اور نشانی ہے۔

شیطانی حملہ سے بچاؤ

فرمایا سیدھا راستہ تو یہی ہے جو ایمان، توحید اور نیکی کا راستہ ہے۔ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اور شیطان تمہیں اس راستے سے کہیں روک نہ دے تمہیں عقیدہ قیامت سے متزلزل نہ کر دے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، لوگوں کا عقیدہ خراب کرتا ہے، شک ڈالتا ہے، لہٰذا اُس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

ع ١١ / ١٢

ترجمہ :۔ اور جب آئے عیسٰی علیہ السلام واضح نشانیوں کے ساتھ تو کہا انھوں نے تحقیق لایا ہوں میں تمہارے پاس حکمت ۔ اور تاکہ میں بتلاؤں تم کو بعض وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو ۔ پس ڈر جاؤ اللہ تعالٰے سے اور میری اطاعت کرو ﴿٦٣﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہی وہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے ۔ پس اُسی کی عبادت کرو ۔ یہ ہے سیدھا راستہ ﴿٦٤﴾ پس اختلاف کیا مختلف فرقوں نے اپنے درمیان ۔ پس ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا

دردناک دن کے عذاب سے (۶۵) نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر قیامت کا کہ آجائے اُن کے پاس اچانک اور اُن کو خبر بھی نہ ہو (۶۶) دوست اُس دن بعض بعض کے لیے دشمن ہوں گے ، مگر متقی لوگ (۶۷)

توحید ، رسالت اور معاد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ اگر عابد اور معبودانِ باطلہ سب جہنم میں جائیں گے تو پھر مسیح علیہ السلام کا کیا بنے گا کیونکہ اُن کی بھی تو لوگ پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح ملائکہ کے پجاری بھی ہیں اور مذکورہ اصول کے تحت اُن کو بھی سزا ملنی چاہیئے۔ اللہ نے جواباً فرمایا کہ یہ جھگڑالو لوگ ہیں۔ نہ تو حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی انصاف سے کام لیتے ہیں۔ ملائکہ اور عیسیٰ علیہ السلام نے تو کبھی لوگوں کو اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا اُن کے صرف عابد جہنم میں جائیں گے۔ انہوں نے تو ہمیشہ لوگوں کو کفر اور شرک سے بچنے کی تلقین کی۔ یہ لوگ محض جھگڑا کرنے کی خاطر ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے کہ جب لوگ حقیقت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو پھر جھگڑے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ درس کی آیات میں مسیح علیہ السلام کی پوزیشن واضح کی کہ وہ تو ہمارا بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا۔ آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو بلند حیثیت عطا فرمائی اور آپ کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا۔ آپ قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جب دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ اب قیامت آنے والی ہے۔ فرمایا قیامت کے بارے میں شک نہ کرنا، میرا اتباع کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔ کہیں شیطان تمہیں اس صراطِ مستقیم سے بہکا نہ دے۔

مسیح علیہ السلام کی بعثت

گذشتہ درس میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دو باتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک یہ کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور آپ قیامت کی نشانی

ہیں۔ اب تیسری بات یہ بیان ہو رہی ہے وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ جب عیسٰی علیہ السلام واضح نشانیاں لے کر دنیا میں آئے قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔ اس بات کا تعلق آپ کی بعثت کے مقصد سے ہے۔ آپ بینات کے لیے واضح نشانیاں لائے بینات کا اطلاق معجزات پر بھی ہوتا ہے اور دلائل اور احکام پر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے انجیل کے ذریعے آپ پر احکام بھی نازل فرمائے اور دلائل بھی سمجھائے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال معجزات بھی عطا کیے۔ پھر خاص طور پر حکمت کا ذکر کیا کہ میں تمہارے لیے حکمت بھی لایا ہوں۔ حکمت کا عام معنی دانائی کی باتیں ہیں یعنی ایسی پکی باتیں جن میں کسی قسم کا نقص نہ پایا جاتا ہو۔ حکمت ایک ایسی عظیم چیز ہے جس کے متعلق خود خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ - ۲۶۹) اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا کرے۔ اور جس کو حکمت دے دی گئی، اُس کو بہت بہتری عطا ہو گئی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد دین کو سمجھنا اور اس کا اتباع کرنا ہے یعنی معرفۃ الدین والفقہ فیہ دین کی معرفت رکھنے والا آدمی ہی صحیح معنوں میں دانا یا دانش ور ہے نہ کہ جھوٹی کہانیاں اور ڈرامے لکھنے والا۔

سورۃ احزاب میں اللہ نے ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (آیت - ۳۴) اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہے۔ حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت مطہرہ ہے۔ جس پر آپ اپنی زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حکیم سے مراد وہ عقلمند اور دانا آدمی ہے جو حقائق کو سمجھتا ہو، حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہو اور دین کے اصولوں اور اس کی مصلحتوں پر عبور رکھتا ہو۔ بعض حکمت کا مفہوم یہ بتلاتے ہیں کہ افضل الاشیاء کو افضل العلوم کے ذریعے جاننا حکمت ہے۔ افضل چیز اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اُس کے اسمائے

مبارکہ اور اس کی توحید ہیں۔ اور افضل العلم وہ علم حضوری ہے جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی روشنی میں حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح شیطان کی مکاریوں کی پہچان کو بھی حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال عیسیٰؑ نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔

اختلافی امور کی وضاحت

پھر آپ نے چوتھی بات یہ فرمائی وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ اور تاکہ میں تمہیں بعض وہ باتیں بتلا دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو مختلف شرائع میں بعض احکام تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی بعض چیزوں میں ترمیم کر دی گئی اور بعض کو منسوخ کر دیا گیا اور ان کی جگہ نئے احکام نازل ہوئے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شریعت موسوی کی بعض حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیا گیا۔ سورۃ آل عمران میں جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے فرائض منصبی کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا کہ میری بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آیت ۵۰) تاکہ میں اللہ کے حکم سے تم پر بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو پہلے تم پر حرام تھیں۔ بہر حال یہاں پر بعض اختلافی امور کا ذکر ہے کیونکہ مختلف شرائع میں تمام احکام یکسر نہیں بدل دیے جاتے بلکہ اُن میں سے بعض احکام کو تبدیل کیا جاتا ہے جن کی خاص ضرورت ہوتی ہے۔

اس حصہ آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ انسان کے دین، اخلاق اور عمل سے متعلق امور کی وضاحت ہر نبی کے فرائض منصبی میں شامل رہی ہے۔ البتہ تمام دنیوی امور کے متعلق وضاحت کرنا نبی کے لیے ضروری نہیں کیونکہ یہ کام لوگ اپنی عقل اور تجربے کے ذریعے سمجھتے ہیں اور اُن کو انجام دیتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی دنیا کے معاملات تم بہتر سمجھتے ہو، لہٰذا مجھے بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ میرے لیے ضروری ہے کہ میں تمہارے درمیان اختلافی امور کو کھول کر بیان کر دوں۔ تمہارے عمل، اخلاق، اصول اور عبادات میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اُن کو بیان کر دوں۔

عیسیٰ کی تعلیمات

آپ نے قوم کو تعلیم دی۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا یہ مطلب ہے کہ انسان کفر، شرک، کبائر صغائر اور خدا کی نافرمانی سے بچ جائے اور نبی کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء۔ ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقت میں اللہ کی اطاعت کی۔ لہٰذا نبی کی اطاعت فرض ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو فرمایا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ بے شک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے۔ ربوبیت کا معنی کسی چیز کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا مظہر خود انسان ہے جس کی تخلیق کے مختلف مراحل، اُس کے بچپن، جوانی اور پھر بڑھاپے کا ذکر اللہ نے قرآن کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ انسان خود اپنے وجود پر ہی نظر ڈال لے تو اسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑے بڑے حیوانات، نباتات، جمادات اور معدنیات ہر چیز کو حدِ کمال تک پہنچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب ہر چیز کا رب وہی ہے فَاعْبُدُوْہُ تو پھر عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ نہ اُس کی ربوبیت میں کوئی شریک ہے، نہ خالقیت میں اور نہ الوہیت میں۔ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ (آیت ۔ ۷۲) جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اُس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا، اور اُس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ غرضیکہ عیسیٰ علیہ السلام جب اس دنیا میں تھے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہی دعوت دیتے تھے۔

دین میں فرقہ بندی

اس دعوت کے جواب میں فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِهِمْ

مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا۔ مسیح علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے کئی فرقے بن گئے۔ یہودیوں نے تو سرے سے مسیح علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا ہی انکار کر دیا۔ ان کو دجال کہا اور ان کی جان کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ ان کو سولی پر لٹکانے کی کوشش کی۔ ان کی بدبختی کا یہ حال تھا کہ جب آپ سولی کند سے پر اٹھائے سولی کے مقام کی طرف جا رہے تھے تو ان ظالموں نے آپ کے منہ پر تھوکا اور اس طرح آپ کی تذلیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ادھر نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کر لیا مگر جلد ہی ان کی تعداد میں کمی آنے لگی اور غلط کار لوگ دنیا میں پھیلنے لگے۔ پولس نے اللہ کے صاحب کتاب و شریعت نبی کے متعلق غلط عقائد وضع کیے۔ آپ کی محبت میں اس قدر غلو کیا کہ آپ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ کسی فرقے نے تینوں میں تیسرا خدا مانا اور کسی نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی خدا ہیں۔ اللہ نے ان سب عقائد کی نفی کی اور فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ ۔۱۷) بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (الزخرف ۔۵۹) وہ تو ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا۔ اللہ نے آپ کو ایک عورت کے پیٹ سے بغیر باپ کے توسط کے پیدا کیا۔ آپ توحید کے علمبردار تھے اور شرکیہ امور سے بیزاری کا اعلان کرتے تھے۔ ان کے متعلق غلط عقائد پیدا کرنے والے کفر کے مرتکب ہوئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

نزول قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر یہود و نصاریٰ کو ابھی تک حقیقت سمجھ میں نہیں آئی اور وہ بدستور کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ رومن کیتھولک والے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقہ قدرے جدت پسند ہے مگر ان کے بھی بنیادی عقائد وہی ہیں جن کی قرآن نفی کرتا ہے آج دنیا میں سب سے زیادہ آبادی (تقریباً اڑھائی ارب) عیسائیوں کی ہے مگر عقائد مشرکانہ ہیں۔ اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان ۔۱۳)

جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ نے یہاں پر فرمایا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ پس ہلاکت اور بربادی ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا دردناک دن کے عذاب سے۔ اس سے مراد قیامت والا دن ہے۔ جب مجرم لوگ دردناک عذاب کا شکار ہوں گے ظلم کی ابتداء بدعقیدگی یعنی کفر اور شرک سے ہوتی ہے اور پھر اس میں ظلم و جور، حق تلفی، معاصی اور دیگر مظالم شامل ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، ایسے لوگوں کو قیامت والے دن ہلاکت و بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قیامت کا انتظار

فرمایا حقیقت واضح ہو جانے کے باوجود اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو پھر کس چیز کا انتظار رہ گیا ہے؟ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر قیامت کا اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً کہ آجائے ان کے پاس اچانک وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور ان کو پتہ بھی نہ چلے۔ فرمایا اب تمام دلائل، معجزات، احکام اور ہدایت کے تمام ذرائع آچکے ہیں اور صرف قیامت کا آنا باقی ہے جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور ان کے لیے ایمان لانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ اس قیامت سے مراد قیامت صغریٰ اور کبریٰ دونوں مراد ہیں قیامت صغریٰ تو ہر شخص کی موت پر واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمایا مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جس کی موت واقع ہو گئی اس کی تو قیامت برپا ہو گئی۔ یہ قیامت صغریٰ ہے جو ہر نفس پر واقع ہوتی ہے۔ اس کے وقوع کا بھی کسی کو علم نہیں اور عام طور پر یہ بھی اچانک ہی آتی ہے اور انسان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ پھر برزخ کی زندگی شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں ابتدائی سوال وجواب کی منزل آجاتی ہے قیامت کبریٰ جو کہ پوری کائنات کے لیے اجتماعی قیامت ہے۔ وہ بھی اچانک ہی آئے گی اور کسی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ تو فرمایا کیا یہ لوگ قیامت کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ برپا ہو اور حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے۔ جب وہ موقع آجائے گا تو پھر کفار و مشرکین کا کوئی عذر قابل مسموع نہیں ہوگا۔ ان

دار العمل سے نکل کر دار الجزا میں پہنچ چکے ہوں گے۔ اُس وقت لوگ دنیا میں واپس آنے، ایمان لانے اور نیک اعمال انجام دینے کی خواہش کریں گے۔ مگر کچھ شنوائی نہیں ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعتقاد و اعمال کا بھگتان کرنا ہوگا۔

فرمایا قیامت کے دن کیا ہوگا؟ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اُس دن دنیا میں ایک دوسرے کے دوست دشمن بن جائیں گے۔ مشکل کے وقت کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا بلکہ دوستی دشمنی میں بدل جائیگی اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ سوائے متقی اور پرہیزگار لوگوں کے کہ جن کی دوستی قیامت والے دن بھی قائم رہے گی۔

محبت کی چار قسمیں

شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی چار قسمیں ہیں یعنی روحانی، قلبی، عقلی اور نفسانی۔ فرماتے ہیں کہ قیامت والے دن روحانی اور قلبی محبت تو قائم رہے گی جبکہ عقلی اور نفسانی محبت ختم ہو کر دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں کہ جو روحیں عالمِ ارواح میں ایک دوسری کے ساتھ متعارف تھیں، وہ دنیا میں آکر بھی آپس میں محبت اور الفت کا سلوک ہی کریں گے، اور اُن کی یہ روحانی محبت برزخ اور آخرت تک قائم رہیگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ یعنی روحیں ایک لشکر میں، جو عالمِ ارواح میں متعارف تھیں، ان کے حاملین دنیا میں بھی آپس میں محبت کریں گے اور اُن کی دوستی عالمِ برزخ اور قیامت کے دن بھی قائم رہے گی۔ اِن میں انبیاء، اولیاء، صلحاء، اصفیاء اور شہداء کی روحیں شامل ہیں۔

فرمایا قلبی محبت اچھے اخلاق، اچھی سیرت، صحیح اعتقاد اور عمل صالح پر مبنی ہوتی ہے۔ جو ایماندار، نیک اور صالح آدمی محض اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر کوئی دنیوی لالچ نہیں ہوتا اُن کی محبت میں بھی قیامت والے دن کوئی فرق نہیں آنے گا اور وہ اپنی جگہ قائم و دائم رہیگی۔

فرمایا تیسری محبت عقلی محبت ہے جس کا دارومدار امورِ معاش پر ہوتا ہے۔ اس محبت کا دارومدار کاروبار کی شراکت پر ہوتا ہے۔ لوگ ایک جگہ کام کرتے ہیں۔

کارخانے میں مزدور ہیں یا کسی دفتر میں فرائض انجام دیتے ہیں۔ باہم کھیتی باڑی کرتے ہیں یا مشترکہ تجارت کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ آپس میں محبت کرنے لگتے ہیں۔ فرمایا یہ عارضی محبت ہے اور قیامت والے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔

شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ چوتھی محبت نفسانی ہے۔ اس کی بنیاد خواہشات نفسانیہ پر ہوتی ہے۔ لوگ محض اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے دنیا میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ———— ایک دوسرے سے مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اس میں میاں بیوی کی محبت آجاتی ہے۔ فساق و فجور کی باہمی محبت بھی محبت نفسانیہ ہوتی ہے۔ غرضیکہ ایسی محبت کی بنیاد نیکی پر نہیں، بلکہ ذاتی مفاد پر ہوتی ہے، لہٰذا ایسی محبت بھی قیامت والے دن دشمنی میں بدل جائے گی۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی قسم کی محبت والے لوگ اکثریت میں ہیں۔ اور انہی کی دوستی قیامت کو دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ البتہ پہلی اور دوسری قسم کی محبت جو متقیوں میں پائی جاتی ہے، وہ وہاں بھی قائم رہے گی۔

مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ میری بزرگی کی وجہ سے محبت کرنے والے لوگ کہاں ہیں، وہ آئیں تاکہ میں انہیں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دوں۔ جس دن میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ یہ وہی ابرار اور صلحاء، انبیاء اور شہداء ہوں گے جنہوں نے حقیقی طور پر محض اللہ کی رضا کی خاطر ساری امت سے خیر خواہی کی یا ان کے لیے دعا کی۔

بیہقی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آپس میں اللہ کی عظمت اور نیکی کی خاطر محبت کرنے والے اگر مشرق و مغرب میں بھی ہوں گے تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے ان کو اکٹھا کر دے گا۔ الغرض! معاش اور نفسانی خواہشات پر مبنی محبت درست نہیں ہے، یہ قیامت والے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور روحانی اور قلبی محبت رکھنے والے متقین قیامت والے دن کامیاب ہوں گے اور ان کی محبت وہاں بھی قائم رہے گی۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ:- اے میرے بندو! نہیں خوف تم پر آج کے دن اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿۶۹﴾ وہ جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر، اور تھے وہ فرمانبردار ﴿۶۹﴾ (ارشاد فرمائے گا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تمہاری عزت کی جائے گی ﴿۷۰﴾ پھیرے جائیں گے اُن پر پیالے سونے کے اور گلاس۔ اور اُن (جنتوں) میں وہ چیز ہو گی جس کو

چاہیں گے نفس ۔ اور لطف اٹھائیں گی جن سے آنکھیں ۔ اور تم اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے ﴿۷۱﴾ اور یہی ہے وہ جنت جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے تمہارے کردہ اعمال کے عوض ﴿۷۲﴾ تمہارے لیے اس (جنت) میں پھل ہوں گے بہت جن میں سے تم کھاؤ گے ﴿۷۳﴾ بیشک گنہگار لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۷۴﴾ نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے اور وہ اُس میں مایوس ہوں گے ﴿۷۵﴾ اور نہیں ظلم کیا ہم نے اُن پر ، مگر تھے وہ خود ہی ظلم کرنے والے ﴿۷۶﴾

ربط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر اور ساتھ مشرکین کا رد فرمایا ۔ پھر نبوت و رسالت کے سلسلہ میں پہلے موسیٰ علیہ السلام اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اور اُن کی بعثت کا مقصد واضح کیا ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مان کر جو لوگ شرک میں مبتلا ہوئے اُن کا انجام بیان فرمایا ۔ پھر ایسے لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کے بارے میں فرمایا کہ کیا اب یہ قیامت کے منتظر ہیں جو اچانک آجائے گی اور اُن کو پتہ بھی نہیں چلے گا ، اس وقت لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ایک دوسرے کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے ۔ البتہ جو لوگ کفر ، شرک ، معاصی اور بدعقیدگی سے بچتے رہے ، اُن کی دوستی قیامت والے دن بھی قائم رہیگی ۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اُن کی دوستی معاش یا خواہشات نفسانیہ کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ محض رضائے الٰہی اور روحانی مناسبت کی وجہ سے تھی ۔

جنت کی بے خوف و حزن زندگی

اب آج کے درس میں پہلے اہلِ جنت کی زندگی اور اُن کو ملنے والے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر گنہگاروں کی جہنم رسیدگی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اے میرے بندو ! آج کے دن تم پر خوف یا ڈر نہیں ہے ۔ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کی رحمت کے مقام

میں پہنچ چکے ہو۔ اب تمھیں مستقبل میں کسی جسمانی یا روحانی تکلیف کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ تم ہمیشہ کے لیے امن و سکون، آرام و آسائش اور سرور و فرحت کی زندگی بسر کرو گے۔ دنیا کی زندگی میں انسان کتنا ہی خوشحال ہو مگر وہ مستقبل کے کسی نہ کسی خطرے میں ضرور پریشان ہوتا ہے۔ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوتا ہے، کبھی صحت کی طرف سے پریشانی کہیں کسی مالی و جانی نقصان کا اندیشہ، جوانی اور عیش عمر ہی بیت جانے کی فکر وغیرہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے انسان کسی نہ کسی وقت پریشان ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص جنت میں پہنچ گیا، وہ ہمیشہ کے لیے مامون ہو گیا۔ اُسے مستقبل کے کسی نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ فرمایا وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی تم غمگین ہو گے۔

خوف اور غم میں یہ فرق ہے کہ خوف کسی آنے والی مشکل کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے جب کہ غم کسی سابقہ کارکردگی کی بناء پر ہوتا ہے۔ فرمایا تمھاری سابقہ زندگی بھی چونکہ کفر، شرک اور معاصی سے پاک گزری ہوگی لہٰذا تمھیں اُس زندگی کے اعمال پر کوئی غم بھی نہیں ہوگا کہ فلاں غلط کام کیوں کیا۔ بر خلاف اس کے جو لوگ دنیا کی زندگی میں کفر اور شرک میں مبتلا رہے۔ نفاق اور الحاد کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے۔ انہیں اُس زندگی پر غم اور افسوس ہوگا کہ انہوں نے اُس زندگی کو ضائع کر دیا۔ اور آخرت کے لیے کوئی توشہ تیار نہ کر سکے۔ الغرض! فرمایا کہ قیامت والے دن تو متقیوں کی دوستیاں قائم رہیں گی انہیں نہ تو مستقبل کا کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ وہ سابقہ زندگی پر پشیمان ہوں گے۔

فرمایا یہ بشارت اُن لوگوں کے لیے ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے۔ آیات میں احکام، مسائل، دلائل، معجزات غرضیکہ تمام ایمانیات شامل ہیں۔ تو فرمایا خوف و غم سے مستثنیٰ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات، اس کے انبیاء، ملائکہ، کتب سماویہ، قیامت کے دن اور تقدیر پر ایمان لائے یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین کیا اور زبان سے ان کا اقرار کیا۔ قلبی یقین کے ساتھ ساتھ زبانی اقرار بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتی۔ فرمایا ایک تو وہ ایمان لائے اور دوسری بات یہ کہ وَکَانُوْا

مُسْلِمِیْنَ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بھی تھے۔ اللہ کے ہر حکم کی اطاعت، دل و جان سے تعمیل کرتے تھے، نیکی کو انجام دیتے تھے اور منہیات سے بچتے تھے۔ گویا یہ بشارت ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ (حٰمٓ السجدۃ - ۳۰) جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس بات پر مستقیم رہے اُن پر رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور خوشخبری دیتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ۔ اور غمگین نہ ہو، اور اُس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

پھر اُن سے کہا جائے گا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جب کسی نیک آدمی کو جنت کی خوشخبری دی جائے گی تو اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی ساتھ ہی جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ اگرچہ اُن کے اعمال قدرے کم ہی کیوں نہ ہوں، مگر یہ اہل ایمان کی قدر دانی ہوگی کہ اُن کی بیویوں کو بھی اُن کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اس قسم کی خوشخبری سورۃ المومن میں بھی بیان ہوئی ہے۔ وہاں پر حاملین عرش فرشتوں کی دعا مذکور ہے کہ وہ اہل ایمان کے لیے اس طرح دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! انہیں ہمیشہ کے باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور نہ صرف اُن کو بلکہ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ (آیت ۸) اُن کے آباؤ اجداد، بیویوں اور اولاد کو بھی جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ تُحْبَرُوْنَ تم سب کی عزت افزائی کی جائے گی۔ تمہارا احترام ہوگا، کسی قسم کی ذہنی یا جسمانی کوفت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی کسی تذلیل و توہین کا خطرہ ہوگا۔

سونے چاندی کے برتن

آگے اللہ تعالیٰ نے جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو اہل جنت کو حاصل ہوں گی۔ فرمایا يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ پھیرے جائیں گے اُن پر سونے کے پیالے اور آبخورے۔ صحاف کے معنے رکابیاں، پیالے یا پلیٹیں ہیں اور اکواب مشروبات کے لیے استعمال ہونے

گئے ہوں یا آبخورے کہے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ جنت کو سونے کے برتنوں میں
خورد و نوش کی اشیاء پیش کی جائیں گی۔ تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اعلیٰ
درجے کے جنتی کے لیے سات لاکھ خادم ہوں گے جو اس کی خدمت اور اشیاء
کی فراہمی کے لیے ہمہ وقت مستعد ہوں گے اور یہ بھی ہے کہ ہر برتن میں کھانا پینا
مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں پر مشتمل ہوگا جس سے جنتی لوگ مستفید ہوں گے
روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ہر برتن میں جنتی کی خواہش کے مطابق چیز موجود ہوگی۔
یہاں بھی فرمایا ہے۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ سونے کے برتنوں میں
ہر وہ چیز ہوگی جس کو نفس چاہیں گے۔ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ اور جس سے آنکھیں
لطف اندوز ہوں گی یعنی وہ مناظر بھی جنت میں موجود ہوں گے جن سے انسان کی
آنکھیں سرور حاصل کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ نہایت ہی حسین منظر ہوتے کیونکہ بُرے
مناظر سے تو آنکھیں خوش نہیں ہوتیں۔ بہرحال جنت میں اہلِ جنت کے لیے ہر وہ نعمت
میسر ہوگی جس کے ذریعے انسان کے طبعی تقاضے پورے ہوتے ہوں یا جو قلب کی
خوشی و مسرت کا باعث بن سکتے ہوں فرمایا وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اے ایمان
والو! تم رحمت کے اس مقام میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے اور وہاں سے
کبھی نکالے نہیں جاؤ گے۔

مسلم شریف میں حضرت حذیفہؓ کا واقعہ آتا ہے کہ آپ نے ایران کے
سفر کے دوران کسی مجوسی سے پانی طلب کیا تو اس نے چاندی کے آبخورے میں
پانی پیش کیا۔ آپ نے پینے سے انکار کر دیا اور دوبارہ پانی طلب کیا۔ وہ پھر
چاندی کے برتن میں پانی لایا کیونکہ ان کا طریقہ تھا کہ وہ بڑے آدمیوں کو سونے چاندی
کے برتنوں میں اشیائے خورد و نوش پیش کرتے تھے حضرت حذیفہؓ نے پانی کا
وہ برتن پھینک دیا کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لا تشربوا في آنية
الذهب والفضة ولا تاكلوا في صحافها فانها لهم في
الدنيا ولكم في الآخرة اے ایمان والو! سونے چاندی کے

برتنوں میں مت کھاؤ پیو۔ کیونکہ یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے ہیں۔ آخرت میں کافر ان سے محروم رہیں گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان یہ بھی ہے کہ جو آدمی سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے فانما یجرجر فی بطنہ نار جھنم ایسا شخص اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈالتا ہے۔

سونے چاندی کے زیورات کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ سونا مرد کے لیے تو قطعاً حرام ہے البتہ وہ ایک مثقال (ساڑھے تین ماشے) تک چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ تاہم عورت کے لیے سونے چاندی کے زیورات پہننا جائز ہے۔ جہاں تک سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کا سوال ہے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ مرد اور عورت دونوں کے لیے ممنوع ہیں۔ بعض اوقات لکڑی یا کسی دیگر دھات کا بنا ہوا برتن ٹوٹ جائے تو اس کو جوڑنے کے لیے سونے یا چاندی کا ٹانکہ لگا دیا جاتا ہے یا سونے چاندی کی تار سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام مالکؒ ایسے برتن کے استعمال کو بھی ناپسند کرتے ہیں۔ البتہ دوسرے فقہائے کرام ایسے برتن کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو ٹوٹ گیا تو اُس کو سونے یا چاندی کا پترا لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس پیالے میں حضور علیہ السلام کو ہر قسم کے مشروب پلائے ہیں۔ اس سے یہ جواز بھی نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص کا دانت ٹوٹ جائے تو اس کو سونے یا چاندی کے تار کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ ایک صحابی کی ناک کسی جنگ میں کٹ گئی تھی۔ پہلے اس کو چاندی کے ساتھ جوڑا گیا تو بدبو دیتی تھی۔ پھر سونے کی ناک لگائی گئی تو کام دے گئی۔ بہرحال سونے چاندی کا اس قسم کا استعمال تو روا ہے مگر سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جب سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال روا نہیں تو اُن کو اپنے پاس رکھنا بھی درست نہیں۔ ایسے برتن کو یا تو خیرات کر دینا

چاہیئے یا کسی دوسری جنس میں تبدیل کر لینا چاہیئے۔ یہی حکم تصویر، مجسمہ یا خاندے کے بیت بھی ہے۔ ریشم کے متعلق حکم یہ ہے کہ اصلی ریشم جو کیڑے کی ڈوری سے نکالا جاتا ہے وہ مردوں کے لیے ناجائز اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ البتہ جنت میں ریشم کا لباس مرد و زن سب کے لیے ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (فاطر-۳۳) جنت میں جنتیوں کو خالص ریشم کا لباس پہنایا جائے گا۔

من پسند اشیاء

فرمایا کہ جنت میں ہر من پسند چیز میسر ہوگی۔ ہر جنتی کی ہر جائز خواہش پوری کی جائیگی۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جنت میں کوئی بری خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی، لہذا انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اونٹوں کو بہت پسند کرتا ہوں، کیا مجھے یہ جانور جنت میں بھی میسر ہوں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! تمہاری یہ خواہش پوری کی جائیگی۔ اسی طرح ایک شخص نے عرض کیا، حضور! مجھے کھیتی باڑی کا بڑا شوق ہے، کیا میں یہ شوق جنت میں بھی پورا کر سکوں گا؟ فرمایا جونہی کوئی شخص کاشتکاری کی خواہش کا اظہار کرے گا۔ تو اس کے سامنے فوراً زمین تیار کی جائیگی، اس میں تخم ریزی ہوگی، فصل اگ کر بڑی ہوگی اور پک کر تیار ہو جائیگی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے فصل کو کاٹ کر اناج کے ڈھیر لگا دیے جائیں گے اور اس طرح تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ وہاں کسی موسم یا بارش کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ بلکہ سارا عمل آناً فاناً مکمل ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم! تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی گئی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اصل چیز جنت کا داخلہ ہے اگر وہ تمہیں میسر آگیا تو پھر تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ اگر چاہو گے تو یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہو گے جا سکو گے۔ وہ تمہیں نہایت تیز رفتاری کے ساتھ اڑائے جائے گا حتیٰ کہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کر لو گے مگر نہ کوئی تھکاوٹ اور نہ کسی حادثے کا خطرہ ہوگا۔

جنت کی وراثت

ارشاد ہوتا ہے وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا یہی ہے وہ جنت جو تم کو وراثت میں دی گئی ہے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اُن اعمال کے بدلے جو تم انجام دیتے تھے اگرچہ جنت میں داخلہ ایمان کی بنیاد پر ہوگا لیکن ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ درجہ اور مرتبہ تو اعمال کی وجہ سے ہی حاصل ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البینۃ ۷) کی شرط لگائی ہے۔ اور جنت کی وراثت کا مطلب یہ ہے کہ یہ بنی نوع انسان کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہے جنہیں اولاً جنت میں رکھا گیا اور پھر زمین پر اتار دیا گیا۔ آپ کو آدم علیہ السلام کی یہ میراث ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملے گی۔

فرمایا اس جنت میں لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ تمہارے لیے بہت سے پھل ہوں گے مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ جن میں سے تم کھاؤ گے۔ یہ پھل سدا بہار رہیں گے اور کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جونہی کسی درخت سے کوئی پھل توڑا جائے گا، اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا اور اس طرح یہ لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔ جب کوئی جنتی کسی پھل کی خواہش کرے گا، درخت جھک کر اس کے قریب آجائے گا اور وہ اسے آسانی کے ساتھ توڑ کر کھالے گا۔

گنہگاروں کا انجام

ترغیب کے بعد اب اگلی آیت میں ترہیب کو بھی بیان کیا ہے اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ بے شک مجرم اور گنہگار لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں کفر، شرک، نفاق اور الحاد کا شیوہ اختیار کیا اور کبائر وصغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اُن کے لیے سخت عذاب ہوگا لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ جو ان سے ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ متواتر تیزی میں رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ کہ وہ اس عذاب میں آس توڑ بیٹھیں گے یعنی مایوس ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں گزر چکا ہے کہ جب ظالم لوگ

عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ (آیت۔ ۴۴) تو کہیں گے کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ مگر وہ جہنم سے خروج کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

فرمایا وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ہم نے اہل دوزخ پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ ہم نے تو دنیا میں اُن کو راحت کے تمام سامان مہیا کیے۔ اس کے ساتھ عقل و شعور دیا، انبیاء اور کتب بھیجیں، مبلغ اور منذر آئے اور اس طرح ہدایت کے تمام ذرائع مہیا کیے مگر انہوں نے کفر و شرک کا راستہ چنا، لہٰذا ہم نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ وَلٰكِن كَانُوا هُمُ الظّٰلِمِينَ بلکہ یہ خود ہی ظالم اور بے انصاف تھے۔ انہوں نے اپنے اختیار اور ارادے سے غلط راستہ اختیار کیا۔ اور اس طرح جہنم میں پہنچ گئے ہم نے تو ان پر بالکل ظلم نہیں کیا۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ :- اور پکاریں گے (دوزخ والے، اور کہیں گے) اے مالک! چاہیئے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمہارا پروردگار۔ وہ کہے گا بیشک تم رہنے والے ہو (اسی مقام میں) ﴿۷۷﴾ البتہ تحقیق لائے ہیں ہم تمہارے پاس حق، لیکن اکثر تم میں سے حق کو ناپسند کرنے والے ہیں ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے پختہ بات ٹھہرائی ہے؟ پس بیشک ہم بھی ٹھہرانے والے ہیں پختہ بات ﴿۷۹﴾ کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کی پوشیدہ بات اور سرگوشی کو؟ کیوں نہیں، اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کے پاس لکھتے ہیں (ان کی

باتوں کو) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر) اگر ہو رحمان کے لیے اولاد، پس میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوں (۸۱) پاک ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا جو رب ہے عرش کا، اُن چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (۸۲) پس چھوڑ دیں اِن کو، گھستے رہیں (غلط باتوں میں) اور کھیلتے رہیں حتیٰ کہ جا ملیں اپنے اس دن سے جس کا اِن سے وعدہ کیا جاتا ہے (۸۳)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ملنے والی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ پھر مجرموں کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور اُن سے عذاب میں تخفیف نہ کی جائے گی۔ گنہگار مایوس ہو جائیں گے کہ اب اس عذاب سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اس انجام کو پہنچے۔ ہم نے تو اُن کے لیے ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے تھے، مگر خود انہوں نے توحید کا انکار اور معاد پر یقین نہ لا کر اپنی عاقبت کو خراب کر لیا۔ اس طرح اللہ نے ان لوگوں کی تھوڑی سی کیفیت بیان کر دی۔

داروغۂ جہنم سے درخواست

اب آج کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کی بے قراری کا کچھ حال بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ دوزخی لوگ جہنم کے داروغہ مالک کو پکاریں گے، اے مالک! لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ وہ ہمارا فیصلہ ہی کر دے۔ فیصلے سے مراد موت ہے۔ کہیں گے کہ ہم سخت تکلیف میں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اس عذاب میں تخفیف نہیں کرتا تو پھر ہمیں موت ہی دے دے تاکہ ہم اس عذاب سے تو چھوٹ جائیں۔ دنیا میں بھی بعض اوقات انسان بیماری یا کسی دوسری مصیبت سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتا ہے کہ اسے مصیبت سے نجات مل جائے۔ تو دوزخ والے بھی عذاب سے

تنگ آ کر موت کی تمنا کریں گے۔ مگر وہاں موت بھی نہیں آئے گی۔ اللہ نے سورۃ طٰہٰ میں
مجرموں کی یہ حالت یہ بیان فرمائی ہے لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت ٧٤)
نہ وہاں موت آئے گی اور نہ ہی زندگی کی کوئی سہولت ہوگی۔ بلکہ وہاں تو تکلیف ہی تکلیف
ہوگی جس سے تنگ آ کر دوزخ والے موت کی تمنا کریں گے مگر وہ بھی نہیں آئے گی۔ اہل
دوزخ کی اس قسم کی پکار کا ذکر سورۃ الاعراف میں بھی بیان ہوا ہے۔ اہل دوزخ اہل
جنت سے درخواست کریں گے أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ (آیت ٥٠)
ہمیں بھی ٹھنڈا پانی یا جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے اس میں سے ہمیں
بھی کچھ دے دو۔ مگر آگے سے جواب آئے گا کہ اللہ نے یہ اشیاء کافروں پر حرام
کر دی ہیں۔ لہٰذا تمہیں ان نعمتوں میں سے کچھ نہیں مل سکتا۔

اس آیت کریمہ میں دوزخ کے فرشتے کا نام مالک ذکر کیا گیا ہے سورۃ المدثر
میں ہے عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (آیت ٣٠) دوزخ پر انیس فرشتے مقرر
ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک نامی فرشتہ ان سب کا نگران ہوگا۔ جس
سے دوزخ والے درخواست کریں گے کہ اپنے پروردگار سے کہو کہ وہ ہمارا فیصلہ
ہی کر دے یعنی ہمیں موت ہی دے دے۔ مگر قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ وہ کہے گا۔
بیشک تم اسی مقام میں رہنے والے ہو یعنی تمہاری درخواست قبول نہیں کی جاتی
تم نہ تو یہاں سے نکل سکو گے اور نہ ہی تمہیں موت آئے گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے
لیے یہیں رہنا ہوگا۔ اللہ نے اسی قسم کی ایک حالت کا ذکر سورۃ فاطر میں بھی
کیا ہے۔ فرمایا کافروں کے لیے جہنم کی آگ ہوگی۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا
رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ (آیت ٣٧)
وہ اس میں چیخیں چلائیں گے کہ پروردگار ہمیں یہاں سے نکال لے۔ اب ہم اچھے
اعمال انجام دیں گے۔ مگر جواب آئے گا آج ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں
تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ اہل دوزخ کی اس قسم کی ایک درخواست کے جواب میں

دو تم فرمائے گا۔ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (المؤمنون ۱۰۸) ذلیل ہو کر دوزخ میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام بھی نہ کرو۔ میں تمہارا کوئی عذر سننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

امام ترمذی نے بعض تابعین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کافر لوگ دوزخ میں ایک ہزار برس تک چیختے چلاتے رہیں گے کہ ہمیں کچھ راحت مل جائے، عذاب میں تخفیف ہو جائے یا پھر موت ہی آجائے مگر کچھ جواب نہیں آئے گا۔ پھر ایک ہزار سال کے بعد یہ جواب آئے گا کہ ذلیل ہو کر یہیں دوزخ میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام بھی نہ کرو۔ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ بے شک ہم تمہارے پاس سچا دین لائے ہیں جو صحیح اصولوں پر قائم و دائم ہے اور جس میں انسانیت کی فلاح کا پورا پروگرام موجود ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ مگر تم میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔ فرمایا لوگوں نے دنیا میں خود ساختہ دین بنا رکھے تھے، قومی، برادری اور ملکی رسم و رواج پر چلتے رہے۔ حق کا تمسخر اڑاتے رہے اور آج جب گرفت میں آگئے ہیں تو یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔ یا موت کے متلاشی ہیں۔ آج ان کی بات نہیں سنی جائیگی بلکہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی دوزخ میں رہنا ہوگا

مشرکین سے مقابلہ

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے۔ دنیا میں کافر و مشرک ہمیشہ دین حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ مکے اور عرب کے کافروں اور مشرکوں نے بھی دین حق کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اللہ نے اسی بات کا ذکر فرمایا ہے اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا کیا انہوں نے کوئی پختہ تدبیر مقرر کی ہے، کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ تو پھر سن لیں فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ہم نے بھی پختہ ارادہ کر لیا ہے اور ان کی ہر تدبیر کو ناکام بنانے پر تُل گئے ہیں۔ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام اور دین اسلام کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بناتے تھے، سازشیں کرتے تھے، مگر اللہ نے فرمایا۔ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال ۳۰)

یہ لوگ بھی پوشیدہ تدبیریں کر رہے ہیں اور ہم بھی کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہی بہترین تدبیر کنندہ ہے۔ اسی کی تدبیر غالب آئیگی۔ چنانچہ اللہ نے کافروں کے سارے منصوبے ناکام بنا دیئے اور وہ اسلام کا راستہ نہ روک سکے۔

اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے مکے کے کافر اور مشرک سخت نالاں تھے بالآخر انہوں نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ دین اسلام کو مٹانے ... و ... کنے کے لیے دونوں طریقے استعمال کرو۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو شخص ... چاہنے کی کوشش کرے اس پر تشدد کرو۔ تاکہ وہ اسلام کا خیال چھوڑ دے۔ اور اگر اس طریقے سے کام بنتا نظر نہ آئے تو لالچ دے کر بھی دین سے روکنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ کے الفاظ میں کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے غافل ہونے کی وجہ سے اس نبی کی بات بڑھی ہے، آئندہ جو شخص اس دین میں آئے اس کے رشتہ دار والے کو مار مار کر اس شخص کو اپنے پرانے دین میں واپس آنے پر مجبور کر دیں۔ جو اجنبی شخص شہر میں آئے اسے بہکا دو کہ وہ اس نبی کے پاس نہ بیٹھے۔ اس فیصلے کے مطابق جب پتہ چلتا کہ کسی کا رشتہ دار اسلام کی طرف راغب ہے تو اس کو سخت تکالیف پہنچائی جاتیں۔ حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے بڑی تکلیف پہنچائی، کسی کے بھائی کو مارا۔ کسی کے ماموں کو تکلیف دی۔ چنانچہ مکے کے رہنے والے برادری کے اعتبار سے تشدد کرتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص باہر سے آتا تو اس کو نبی علیہ السلام کے خلاف اکساتے اور پراپیگنڈا کرتے کہ یہ شخص دیوانہ ہے۔ الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے لہذا اس کے قریب نہ جانا۔

اعشیٰ عرب کا مشہور شاعر تھا جو صناجۃ العرب یعنی عرب کا باجا کہلاتا تھا۔ بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا، جونہی کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف کوئی شعر کہہ دیا فوراً مشہور ہو جاتا اور لوگ اس کی بات پر یقین کر لیتے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ یہ شخص مکہ آیا اور اس نے حضور علیہ السلام سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس سے ابوجہل اور اس کی پارٹی کو سخت تشویش پیدا ہوئی کہ اگر یہ شخص محمد سے متاثر ہو گیا

تو پھر سارا عرب پیچھے لگ جائے گا اور اسلام کا راستہ روکنا مشکل ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے اعشٰی شاعر کو اونٹ لیے ہوئے سو اونٹ محض اس لیے دیے کہ وہ حضور علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص اونٹ لے کر واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اونٹ سے گرا، گردن ٹوٹ گئی اور وہیں مر گیا۔ بہرحال مشرکین مکہ نے لالچ دے کر اعشٰی کو حضور علیہ السلام سے دور رکھا۔

حضرت ضمادؓ پہلی زندگی میں کاہن اور مشہور معالج تھے۔ انہوں نے بھی نبی علیہ السلام سے ملنا چاہا۔ لوگوں نے روکنا چاہا، مگر اس نے کہا کہ اگر بقول تمہارے یہ شخص دیوانہ ہے تو میں اس کا شافی علاج کر دوں گا۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت کے مطابق جب حضرت ضمادؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے سامنے وہی خطبہ ارشاد فرمایا جو آپ عام طور پر جمعہ میں سنتے ہیں اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ جونہی آپ نے یہ خطبہ سنا، بس گرویدہ ہو گیا۔ علاج کرنے کے لیے آیا تھا مگر اپنا علاج کروا بیٹھا۔ کہنے لگا لوگ غلط کہتے ہیں کہ یہ شخص مجنون ہے۔ اس کی زبان سے تو اللہ نے وہ کلام جاری کیا ہے جس کا اثر سمندر کی گہرائیوں تک پہنچتا ہے۔ بہرحال حضرت ضمادؓ اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔

دینِ حق سے روکنے کی کوشش گذشتہ ادوار میں بھی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متعلق بھی سورۃ الاعراف میں موجود ہے کہ وہ لوگ راستوں پر بیٹھ کر ڈاکے ڈالتے تھے وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (آیت - ۸۶) اور دوسرا کام یہ کرتے تھے کہ اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔ ان کا طریقہ بھی یہی تھا۔ کہ کبھی تشدد کے ذریعے روکتے اور کبھی لالچ کے ذریعے۔

دورِ حاضر کے فتنہ دین

اہلِ حق پر تشدد کرنے والے ہر زمانے میں رہے ہیں اور آج بھی دنیا میں موجود

ہیں۔ روس، چینی، ویٹ نامی اشتراکی تشدد کے ذریعے اسلام کا راستہ روک رہے ہیں۔ روسی اور چینی مسلمانوں پر اقتصادی اصلاحات کے نام پر بڑا تشدد کیا گیا۔ انہیں نماز ادا کرنے سے اور قرآن کی تلاوت سے زبردستی روکا گیا حتیٰ کہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی کتب تہ خانوں میں چھپالیں اور اپنے مذہبی شعائر چھپ چھپا کر ادا کرنے لگے اب تو کچھ نرمی ہو گئی ہے۔ وگرنہ سٹالن وغیرہ نے تو مذہب اختیار کرنے والوں کو جان سے مار دینے کا حکم دے رکھا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران سٹالن نے چار چار ہزار آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد ناشتہ کیا۔ مسجدوں اور دیگر عبادت خانوں کو مسمار کر دیا گیا۔ بھارت میں ہندو بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ اب تک بابری مسجد کے تنازعہ میں سینکڑوں آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہی کام عیسائی مشنریاں انجام دے رہی ہیں۔ وہ کتابیں شائع کر کے مسلمانوں کو عیسائی بناتے ہیں۔ سکولوں، کالجوں اور ہسپتالوں کے ذریعے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ لوگ لالچ میں آکر عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں۔ عیسائیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کے خلاف اس قدر پراپیگنڈا کرو کہ اگر وہ عیسائی نہیں بن سکیں تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہیں۔

فلسطین کے مسلمان جس بربریت کا شکار ہو رہے ہیں۔ وہ ساری دنیا پر عیاں ہے۔ بچوں اور عورتوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ بیچارے گھر بار چھوڑ کر کیمپوں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ فلپائن کے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں انہیں مورو یعنی قزاق مسلمان کہا جاتا ہے۔ وہ بیچارے اکثریتی صوبوں میں اپنا حق مانگتے ہیں مگر ان پر جبر کیا جاتا ہے۔ قبرص میں ترک مسلمانوں پر سخت تشدد کیا جا رہا ہے ۱۹۶۱ء میں چالیس ہزار ترک قبرصیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب وہ ملک کے ایک کونے میں پناہ گزین ہو چکے ہیں اور بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم ہیں۔ کافر طاقتیں دنیا بھر میں مسلمانوں کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں بلکہ انہیں تشدد کے ذریعے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اللہ کا پختہ وعدہ ہے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر ۴۵) عنقریب یہ جماعتیں

طاقتیں شکست کھا جائیں گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ اسلام کو سینکڑوں سال تک غلبہ رہا۔ ترک مسلمانوں نے چار سو سال تک اسلام کا دفاع کیا۔ پھر جب یہ سازشوں کا شکار ہونے لگے تو ان میں کمزوری آگئی۔ انگریزوں کو غلبہ حاصل ہو گیا تو انہوں نے مسلمان سلطنتوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اُن کو علم سے محروم کر دیا اور مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔

فرمایا اگر انہوں نے کوئی خفی تدبیر کی ہے اور اسلام کے خلاف سازشوں کا جال پھیلایا ہے تو ہم تدبیر کرنے والے ہیں۔ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ "کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ فرمایا بَلٰى کیوں نہیں؟ ہم ان کے متعلق سب کچھ سنتے اور سب کچھ جانتے ہیں وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی تمام پوشیدہ تدبیروں کو لکھتے رہتے ہیں۔ ہمارے کراماً کاتبین ان کی ہر چیز نوٹ کر رہے ہیں اور یہ ساری مثل قیامت والے دن ہمارے سامنے پیش ہوگی اور پھر ان کے متعلق آخری فیصلے ہوں گے۔

خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ

اللہ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبرؐ! غلط عقیدہ رکھنے والے اُن کافروں اور اہل کتاب سے کہہ دیں۔ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ اگر خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تو سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کو ماننے والا ہوں، لہٰذا میں تمہاری یہ بات کو نہیں مانتا کہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر اِنْ نافیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں، نہ حقیقی اور نہ مجازی، لہٰذا میں خدا تعالیٰ کا اولین عبادت گزار ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؓ نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عبد کا ایک معنی انکار کرنا بھی ہوتا ہے اس لحاظ

سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر خدائے رحمان کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کا انکار کرتا۔ مدعا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد تسلیم کر لی جائے تو پھر اس کو قدیم کی بجائے حادث ماننا پڑے گا، اور یہی چیز اس کی صفاتِ عالیہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اولاد ہونا مخلوق کی صفت ہے جو کہ کمزوری پر دلالت کرتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بات بطور فرض کرنے کے کہی گئی ہے۔ کہ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ فرض کرو اگر خدائے رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرنے کے لیے تیار ہوتا، مگر یہ چیز محال ہے۔ نہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور نہ میں اس کی تعظیم کے لیے تیار ہوں۔ غرضیکہ فرمایا سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا رب رَبِّ الۡعَرۡشِ جو عرشِ عظیم کا بھی رب ہے۔ وہ پاک اور منزہ ہے عَمَّا یَصِفُوۡنَ اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ یہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے فرزند بتاتے ہیں، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، یہ غلط کہتے ہیں۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ (الاعراف - ۱۹۰) اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے شرک سے بالکل پاک ہے۔

فرمایا فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا ان کو چھوڑ دیں اور باطل چیزوں میں گھسے دیں یہ لوگ شرکیہ اور کفریہ عقائد میں ہی پھنسے رہیں وَیَلۡعَبُوۡا اور کھیل کود میں لگے رہیں حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ یہاں تک یہ اُس دن سے جا ملیں جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ دن قیامت کا دن ہے جب ان کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے عقیدہ و عمل کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیۡنَ (آیت - ۱۰۴) ہمارا یہ وعدہ ہے جسے ہم ضرور پورا کر کے رہیں گے اور انہیں اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ ع

ترجمہ :- اور وہ وہی ذات ہے آسمان میں معبود اور زمین میں معبود - اور وہ حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۸۴﴾ اور بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے - اور اُسی کے پاس ہے قیامت کا علم - اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۸۵﴾ اور نہیں مالک وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا، سفارش کے، ماسوائے اُس کے کہ جس نے گواہی دی حق کی - اور وہ جانتے ہیں ﴿۸۶﴾ اور

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے ان کو پیدا کیا ہے تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ پس یہ کدھر پھیرے جاتے ہیں (۸۷) اور قسم ہے رسول کی اس بات کی کہ اے پروردگار! بیشک یہ لوگ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لاتے (۸۸) پس آپ درگذر کریں ان سے اور کہیں سلام۔ پس عنقریب یہ جان لیں گے (۸۹)

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں جس قدر مضامین بیان ہوئے ہیں ان کا اعادہ سورۃ کے آخر میں کیا جا رہا ہے۔ مکی سورۃ ہونے کے ناطے اس میں توحید، اس کے عقلی و نقلی دلائل، شرک کا ابطال، مشرکین کا رد، رسالت و نبوت، معاد اور جزائے عمل جیسے مضمون آئے ہیں۔ اس کے علاوہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی آیا ہے۔ اب انہی مضامین کا خلاصہ سورۃ کے آخر میں بیان کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ توحید

آج کے درس میں پہلے توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے یعنی اس کے سوا ارض و سماء میں کوئی معبود نہیں۔ الوہیت کا مالک صرف وہی ہے۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ ان کو بھی الوہیت کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ یا پھر آسمانی کرّے سورج، چاند اور دیگر سیارے اور ستارے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی معبود نہیں۔ زمین میں انسان، جن، چرند، پرند، شجر و حجر ہیں مگر ان میں کوئی مستحق عبادت نہیں۔ یہ سب مخلوق ہیں جب کہ لائق عبادت خالق ہی ہو سکتا ہے۔ مشرک لوگ فرشتوں، ستاروں اور سیاروں کو الٰہ مانتے ہیں۔ خود انسان فرشتوں اور جنات کی پوجا کرتے ہیں۔ کبھی سیاروں ستاروں اور شجر و حجر میں کرشمے مانتے ہیں۔ کبھی زندوں اور کبھی قبر والوں کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے اور کبھی ان کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ آسمان کی

بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔

عبادت انتہائی درجے کی عاجزی اور نیازمندی کو کہتے ہیں جو کہ خدائے وحدہ لاشریک کے ساتھ ہی وابستہ ہے جو مافوق الاسباب تمام چیزوں پر تصرف رکھتا ہے۔ لہٰذا اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ کہ وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی بھی علیم کل نہیں، لہٰذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔

آگے فرمایا وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اور بڑی ہی بابرکت وہ ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو کچھ ان دونوں یعنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے وہاں بھی اللہ مالک الملک ہی کی بادشاہی ہے جس میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ عرش سے لے کر فرش تک اُسی کا تصرف ہے اور اس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں۔ یہ مسئلہ توحید بیان ہو گیا اور ساتھ مشرکین کا رد بھی۔

وقوع قیامت کا علم

آگے وقوع قیامت اور جزائے عمل کے بارے میں فرمایا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ اور اُسی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ وہ کب آئے گی۔ اُس کے سوا وقوع قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔ سورۃ الاعراف میں تصریح موجود ہے اللہ کا فرمان ہے اے پیغمبر! لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ قیامت کا علم میرے پروردگار کے پاس ہی ہے لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ (آیت ۱۸۷) وہی اُس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ ہاں وقوع قیامت سے پہلے بعض نشانیوں کا علم اللہ نے اپنے انبیاء کو بتایا ہے جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے مثلاً یہ کہ مسلمانوں میں تنزل پیدا ہو جائے گا، امام مہدی کا ظہور ہوگا، مسیح علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا، دجال کا ظہور ہوگا جسے مسیح علیہ السلام قتل کریں گے، یاجوج ماجوج کی یورش، سورج کا مغرب سے طلوع

مشرق مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسوف وغیرہ۔ بہرحال اللہ نے قیامت کے وقوع کا علم کسی کو نہیں دیا۔ تو فرمایا کہ اسی کے پاس ہے قیامت کی خبر وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے عقائد و اعمال کا حساب دینا ہے۔

مسئلہ شفاعت

آگے شفاعت کا مسئلہ بھی اللہ نے بیان فرمایا ہے اور اس کا تعلق بھی معاد سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ اور جن کو یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے جن کو مشرک لوگ اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں، یا اُن کی عبادت کرتے ہیں وہ یا تو بُت اور پتھر کے بُت ہیں جو بے جان چیزیں ہیں جو روح اور عقل و شعور سے خالی ہیں۔ اور یا پھر اگر جاندار ہیں، فرشتے، انبیاء، اولیاء ہیں تو وہ ویسے بے اختیار ہیں اور سفارش کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا (الزمر - ۴۴) آپ کہہ دیجئے کہ شفاعت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

سفارش کے بارے میں اللہ نے قانون یہ بیان فرمایا ہے إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ کہ سفارش کا کسی کو اختیار نہیں سوائے اُس کے کہ جس نے حق کی گواہی دی یعنی جس نے کلمہ توحید کو قبول کیا وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور وہ جانتے بھی ہیں کہ کن لوگوں کے حق میں سفارش کی جا سکتی ہے۔ جس شخص نے خود کلمہ توحید قبول نہیں کیا، وہ سفارش کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اس کے اہل تو اللہ کے انبیاء، شہداء اور صالحین لوگ ہی ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ایسے لوگوں کی سفارش کریں گے جن کا خاتمہ کلمہ توحید پر ہوگا۔ مگر اعمال میں کچھ کوتاہی رہ گئی تھی۔ اللہ کا کوئی مقرب ترین بندہ بھی کسی کافر، مشرک یا منافق کے حق میں سفارش نہیں کر سکے گا۔

اور جن کے حق میں گواہی دی جا سکے گی یعنی سفارش کی جا سکے گی، وہ بھی وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے کلمہ حق کو قبول کیا۔ کسی ایسے شخص کی سفارش نہیں ہوگی جس نے ایمان قبول نہ کیا ہو۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ قیامت والے دن کسی کے حق میں سفارش

مفید نہیں ہوگی اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (آیت - ۱۰۹) سوائے
اس کے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے اور جس کی بات اللہ تعالیٰ کو پسند
ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان کے کلمہ کو ہی پسند کرتا ہے وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ
(الزمر - ۷) اور اللہ اپنے بندوں سے کفر کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اُس کا قانون یہی ہے
کہ وہ اپنے انبیاء اور کتب کے ذریعے حق کو واضح کر دیتا ہے اور پھر اختیار بندے
کو دے دیتا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۲۹)
کہ جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔ تو
سفارش انہی کے حق میں قبول ہوگی جو ایمان لائے گا۔

البتہ مشرک لوگ جس قسم کی سفارش کا عقیدہ رکھتے ہیں، اُس کی کوئی حیثیت
نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض اُن کے معبود ہر حالت میں اُن کی سفارش
کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کی سفارش کو ضرور ہی قبول بھی کرے گا۔ اس طرح کی جبری
اور قہری سفارش کی نفی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجبور نہیں ہے کہ وہ کسی کی سفارش
ضرور ہی قبول کرے بلکہ اس کا فرمان تو یہ ہے لَا يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ
(البقرۃ - ۲۵۵) اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی جرأت بھی نہیں
ہوگی چہ جائیکہ وہ کسی کی سفارش قبول کرنے پر مجبور ہو۔ اللہ نے یہ اختیار اور اقتدار
کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا ہے۔

اللہ کی صفت خالقیت

آگے اللہ نے اپنی توحید کے سلسلے میں صفتِ خالقیت کا ذکر فرمایا ہے
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں پیدا کس
نے کیا ہے لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے
کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے
ہیں کہ توحید کے چار درجات میں سے دو درجات میں تو اہلِ ایمان، کافر، مشرک،
اہلِ کتاب، ہنود وغیرہ سب متفق ہیں اور دو درجات میں مختلف ہو جاتے ہیں۔ توحید
کے پہلے دو درجا[illegible] میں سے پہلا درجہ صفتِ خالقیت کا ہے کہ اللہ کے [illegible]

خالق نہیں اور دوسرا درجہ واجب الوجود ہونے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود خود بخود ازلی
اور ابدی ہے اور یہ کسی کا عطا کردہ نہیں۔ اس درجہ میں بھی دہریوں کی ایک قلیل تعداد
کے سوا سب مذاہب و ملت والے متفق ہیں کہ واجب الوجود بھی صرف اللہ ہے، باقی
تمام مخلوق کا وجود اللہ کا عطا کردہ ہے اور ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ البتہ باقی
دو درجات یعنی تدبیر اور عبادت میں اہل ایمان ایک طرف اور باقی لوگ دوسری
طرف ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا عقیدہ یہ ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی
الْاَرْضِ (السجدة - ٥) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز
کی تدبیر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی ہر چیز کو حدِ کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور
اس معاملہ میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے برخلاف بعض لوگ، فرشتوں،
جنوں، اولیاء اللہ، انبیاء اور اہلِ قبور کو بھی مدبر مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی اُن کی
حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط عقیدہ ہے۔ جہاں تک عبادت
کا تعلق ہے تو ایک مومن عبادت بھی اللہ کے سوا کسی کی نہیں کرتا۔ جب کہ کافر،
مشرک اور بدعتی دوسروں کی بھی صد درجہ تعظیم کرتے ہیں۔ اُن کو نذر و نیاز پیش کرتے
ہیں اور اُن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ یہ بھی شرک کا ارتکاب ہے جب کہ
ایک مومن آدمی میں توحید کے چاروں درجات پائے جاتے ہیں۔ بہرحال یہاں پر
صفتِ خالقیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے سوال کر کے
دیکھ لیں۔ یہ لوگ لازماً یہی کہیں گے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔ فرمایا اگر یہ
بات ہے فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ تو یہ لوگ کدھر پھیرے جاتے ہیں۔ یہ کس اندھیرے
میں ٹکریں مارتے ہیں۔ جب خالق اللہ ہے تو پھر مدبر بھی وہی ہے اور عبادت
کے لائق بھی صرف وہی ہے۔ یہ مشرکوں اور کافروں کا رد بھی ہو گیا کہ اتنے دلائل
وشواہد کے باوجود لوگ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر وہ ان دلائل پر ذرا بھی
غور کریں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ جو لوگ انبیاء کی بعثت
کتابوں کے نزول، مبلغین کی تبلیغ کے باوجود کفر اور شرک کا راستہ اختیار کرتے

ہیں وہ بے نصیب ہی ہو سکتے ہیں۔

اللہ کے حضور شکایت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اُس شکایت کا ذکر کیا ہے۔ جو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں پیش کی۔ اللہ کے ہر نبی اور خصوصاً حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دعوت دینے میں اپنی انتہائی کوشش کی۔ عمر بھر تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے اور اس راہ میں تمام مشکلات کو عبور کیا، ماریں کھائیں، طعنے سُنے اور ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی اذیت برداشت کی مگر لوگوں کی اکثریت پھر بھی ایمان نہ لائی۔ چنانچہ اللہ کا نبی جب دن رات محنت کر کے تھک جاتا ہے تو پریشان ہو کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ وَقِيلِهِ اور قسم ہے نبی کی اس بات کی يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ میں نے پوری پوری کوشش کی ہے۔ مختلف طریقوں اور مثالوں سے بات سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر ان پر ذرہ بھی اثر نہیں ہوا اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ گویا اللہ نے اپنے نبی کے اس دردمندانہ قول کی قسم اٹھائی ہے جس سے کافروں اور مشرکوں کی بدبختی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح کی ایک شکایت کا ذکر سورۃ الفرقان میں بھی موجود ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (آیت ۳۰) اللہ کا رسول قیامت والے دن بارگاہ رب العزت میں شکایت پیش کرے گا کہ اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ ان کو تیرے قرآن کا پروگرام پسند نہ آیا، لہٰذا یہ زندگی میں عمل درآمد کے لیے اِدھر اُدھر سے قانون حاصل کرتے رہے، اب تو ہی ان کے درمیان فیصلہ فرما۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر نبی اپنی اُمت کے لیے نہایت ہی ہمدرد، غم خوار اور خیرخواہ ہوتا ہے۔ ہود علیہ السلام نے بڑی دردمندی سے قوم کو کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (الاعراف ۶۸) میں

تمہارا خیر خواہ ہوں اور امانت دار بھی کہ اللہ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں، لہٰذا میری بات سنو اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی قوم سے درد بھرے لہجے میں فرمایا، اے میری قوم کے لوگو! لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (الاعراف ۹۳) تحقیق میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے ہیں اور تمہارے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں، لہٰذا میری بات کو تسلیم کر لو۔ اور پھر امت کے حق میں سب سے بڑھ کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے قوم کو سمجھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور کہا لوگو! قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کلمہ ایمان اور کلمہ توحید کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو اللہ نے اپنے نبی کے اس درد بھرے قول کی قسم اٹھائی ہے کہ پروردگار! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے مطلب یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر پھر بھی مخلوق کی عبادت پر اصرار کر رہے ہیں اور اللہ کا نبی بڑے دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی درد بھری بات کے جواب میں آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کفار و مشرکین کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے درگزر کریں۔ آپ ان کی حرکات سے دل برداشتہ نہ ہوں فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد - ۴۰) کیونکہ آپ کے ذمہ میرا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو پھر حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (البقرۃ - ۱۱۹) اور دوزخ میں جانے والوں کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ کیوں یہاں آئے بلکہ خود ان سے سوال ہوگا مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ (المدثر - ۴۲) کہ تم جہنم میں کیسے پہنچے؟ نبیوں کا کام یہ ہے کہ وہ حق تبلیغ ٹھیک طریقے سے ادا کر دیں اور یہ امانت امت تک پہنچا دیں۔ اب

منزلِ مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص ایمان حاصل کرنے کے قابل ہے اور کون نہیں۔

فرمایا آپ درگزر کریں، ان سے تعرض نہ کریں وَقُلْ سَلٰمٌ انہیں سلام کہہ کر الگ ہو جائیں۔ اسے سلام متارکت کہتے ہیں۔ جب تم کسی طرح نہیں مانتے تو پھر ہم تمہارے ساتھ لڑائی جھگڑا تو نہیں کریں گے بلکہ علیحدگی اختیار کریں گے، تم اپنا کام کرتے رہو ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ مگر ایک بات یاد رکھو فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ تمہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ بعض نتائج دنیا میں سامنے آجائیں گے۔ اور پھر آخرت میں تو حتمی فیصلے ہوں گے۔ سب کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کون سا طرزِ عمل اختیار کیا۔ اللہ کے نبی ان کو کس بات پر آمادہ کرتے تھے اور یہ لوگ کیا جواب دیتے تھے، یہ سب باتیں سامنے آجائیں گی اور پھر حق و انصاف کے ساتھ فیصلے ہوں گے۔ اس طرح اللہ نے سورۃ کے آخر میں اپنے نبی کے لیے تسلی کا سامان بھی مہیا کر دیا۔

سُورة الدّخان

مكّيّة

درس اول ۱ آیت ۱ تا ۸

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ دخان مکی ہے۔ اس کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ۞۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞۲ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۞۳ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۞۴ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۚ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۞۵ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۞۷ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞۸

ترجمہ:- حٰمٓ (۱) قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی (۲) تحقیق ہم نے نازل کیا اس کو ایک برکت والی رات میں۔ بیشک ہم ڈرانے والے ہیں (۳) اس رات میں جدا کیا جاتا ہے ہر معاملہ حکمت والا (۴) حکم ہوتا ہے ہماری جانب سے۔ بیشک ہم بھیجنے والے ہیں (۵) مہربانی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے

بے شک وہی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ⑥
وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان
ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو ⑦ نہیں کوئی عبادت
کے لائق اُس کے سوا، وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت
طاری کرتا ہے۔ تمہارا پروردگار اور تمہارے پہلے آباء اجداد کا
پروردگار ⑧

نام و کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الدخان ہے۔ یہ نام اس کی آیت ۱۰ میں آمدہ لفظ
دخان سے ماخوذ ہے۔ عربی زبان میں دخان دھوئیں کو کہتے ہیں اور یہ دو قسم سے مذکور ہے
ایک دھواں قحط سالی کا ہوتا ہے اور دوسرا دھواں وہ ہے جو قیامت کی نشانی کے
طور پر قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔

یہ سورۃ حوامیم سبعہ کی پانچویں سورۃ ہے۔ جو مکی زندگی کے آخری حصہ میں گزشتہ
سورۃ زخرف کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ
۳۴۴ الفاظ اور ۱۴۳۱ حروف پر مشتمل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کی رات یا جمعہ
کے دن اس سورۃ کی تلاوت کا بڑا اجر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص
رات کے وقت اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہے۔ اُس کے لیے ستر ہزار فرشتے دن
کے وقت دعائیں مانگتے ہیں۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں اور خاص طور پر حوامیم سبعہ کی طرح اس سورۃ میں بھی زیادہ تر بنیادی
عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت وحقانیت کا ہی تذکرہ ہے۔ اور
احکام بہت کم ہیں۔ گزشتہ سورۃ میں دلائل توحید پر زیادہ زور تھا۔ جب کہ اس سورۃ میں
انذار کا پہلو غالب ہے۔ منکرین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر دین حق کی مخالفت سے باز
نہ آئے تو وہ نہ صرف دنیا میں سزا کے مستحق ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی انتقام
لے گا۔ چنانچہ اس سورۃ میں بطشۃ الکبریٰ کا ذکر بھی آیا ہے جیسا کہ بدر کے مقام پر
خدا کی سخت گرفت آئی تھی۔ اگر معارضہ کرو گے، اللہ کے نبی کا مقابلہ کرو گے تو پھر

اللہ تعالیٰ سخت انتقام لے گا۔

حروف مقطعات

ان ساتوں سورتوں کی ابتدا حروف مقطعات حٰمٓ سے ہو رہی ہے اور معاً بعد قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت کا بیان ہے۔ ان حروف مقطعات کے متعلق سابقہ سورتوں میں عرض کیا تھا کہ ان حروف کے قطعی معنی اللہ کے نبی نے بیان نہیں فرمائے تاہم بعض مفسرین نے بعض امکانی معنے بیان کیے ہیں۔ مثلاً حٰمٓ میں ح کا اشارہ حکم کی طرف اور م کا اشارہ ملک کی طرف ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حکم بھی خدا تعالیٰ کا ہے اور بادشاہی بھی اسی کی ہے اور یہ چیز اگلی آیتوں میں بیان ہو رہی ہے۔ بعض مفسرین نے ح سے حکمت اور م سے متین یعنی مستحکم مراد لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی ہر سورۃ مضبوط حکمتوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ معنی بھی درست ہے۔ قرآن کی ہر بات ایسی مستحکم ہے جس کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خلاف واقع ہے۔ تاہم شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سے مراد ایک اجمالی نور ہے جو عالم قدس سے آکر اس عالم تخلیط میں متعین ہوتا ہے اور بیماریوں کے شرور و فتنوں سے ٹکراتا رہتا ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے مقامات کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ کیونکہ وہ شر و فساد کو مٹانے کے لیے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں جس سے حق واضح ہو جاتا ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سورۃ کا نام ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی بعض صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح حروف مقطعات کا ہر حرف خدا تعالیٰ کے کسی اسم کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے ح سے حنان اور م سے مالک تاہم زیادہ سلامتی والی بات وہی ہے۔ جو امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بیان فرمائی ہے کہ ان حروف میں زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ اس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ اللہ تعالیٰ ان حروف کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں[1]

کتاب مبین

سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کو قسم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی

[1] جلالین صفحہ

قرآن کو کتاب مبین کہا گیا ہے اور اس کی وضاحت دوسرے مقامات پر موجود ہے جیسے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (نحل - ۸۹) ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کل شئ سے ہر وہ چیز مراد ہے جس انسان کو دین کے معاملہ میں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ہر وضاحت طلب چیز کو قرآن پاک بالواسطہ یا بلاواسطہ ضرور واضح کر دیتا ہے اور کوئی اشتباہ نہیں رہنے دیتا۔ بلاواسطہ تفصیل تو یہ کہ قرآن پاک اپنی وضاحت خود بیان کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی چیز یا کسی معاملہ کا ذکر کسی جگہ اجمال کے ساتھ کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہے۔ اور بالواسطہ وضاحت کئی صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ مثلاً کسی مسئلہ کی وضاحت پیغمبر علیہ السلام کے سپرد کر دی جائے، جیسے فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل - ۴۴) ہم نے یہ ذکر یعنی قرآن حکیم اس لیے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ اور یہ وضاحت بھی نبی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ باطنی وحی کے ذریعے نبی کے قلب پر مطلوبہ وضاحت القاء کر دیتا ہے اور نبی آگے لوگوں کو بتا دیتا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کے بعینہ الفاظ وحی جلی کہلاتے ہیں اور پیغمبر کا بیان وحی خفی ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی وضاحت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرآن میں کسی چیز کا اصول بیان کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کی وضاحت اہل علم پر چھوڑ دی جاتی ہے جو مذکورہ اصول کی روشنی میں مسئلہ کی جزئیات کی وضاحت کرتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی چیز ائمہ مجتہدین کو سونپ دی جاتی ہے تاکہ وہ کسی حل طلب مسئلہ کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کر دیں۔ یہ سب چیزیں قرآن پاک کی وضاحت کے ضمن میں ہی آتی ہیں۔ بہرحال قرآن ایک ایسی چیز ہے جس کی کسی بات کو مجمل نہیں چھوڑا گیا بلکہ ہر چیز کی کسی نہ کسی طریقے سے وضاحت کر دی گئی ہے۔

امام شافعیؒ، امام ابن تیمیہؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ احادیث نبوی بھی قرآن کی شرح ہیں اور ان کی روشنی میں بھی قرآن کی ہر مشکل بات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ بہرحال کتاب مبین کی قسم اٹھا کر اگلی بات کی گئی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کا ایک نام فرقان بھی ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (الفرقان۔۱) بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان کو نازل فرمایا یعنی ایک ایسی کتاب جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دیتی ہے، اور اس لحاظ سے بھی یہ کتاب مبین ہے۔

لیلۃ القدر میں نزول

بہرحال اللہ نے اسی کتاب کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ بے شک ہم نے اس کو نازل فرمایا ایک بابرکت رات میں۔ اس رات سے کونسی رات مراد ہے۔ اس میں مفسرین کرام کی دو رائے ہیں۔ بعض اس کو پندرھویں شعبان کی رات بتاتے ہیں کیونکہ اگلی آیت میں یہ وضاحت آرہی ہے فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ کہ اس مبارک رات میں ہر حکمت والے معاملہ کو الگ کر دیا جاتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شب برات یعنی پندرھویں شعبان کی رات کو بعض معاملات الگ کر کے فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور وہ سال بھر کے کام مقررہ اوقات میں انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان امور میں پیدائش، موت، ترقی تنزل، خوشحالی، قحط، طوفان، زلزلہ، حادثہ وغیرہ شامل ہیں۔ جن کو لوح محفوظ سے منتقل کر کے قضا و قدر کے فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور وہ فرشتے سال بھر حکم خداوندی کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس رات کی فضیلت میں آتا ہے کہ جو شخص اس رات کثرت سے عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے، اس کو مغفرت کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے۔ البتہ بعض آدمیوں کو اس موقع پر بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ ان میں مشرک، کینہ پرور، والدین کے نافرمان، مسلسل شراب نوشی وغیرہ آتے ہیں۔ بہرحال بعض احادیث میں آتا ہے کہ پندرھویں شعبان کی رات بڑی بابرکت رات ہے جس میں بندے کی عبادت مقبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت جتنی اس رات میں ہوتی ہے اتنی کسی دوسری رات میں نہیں ہوتی۔

پندرہویں شعبان کی اس تمام تر فضیلت کے باوجود جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں پر لیلۃ المبارکہ سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے جس کا ذکر سورۃ القدر میں ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (آیت ۱) یعنی ہم نے اس قرآن پاک کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ وہ ایک رات جو عبادت و ریاضت کے لحاظ سے ایک ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ ایک ہی رات کے دو مختلف نام ہیں اور اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو لوح محفوظ سے بیت العزت (جو کہ آسمان دنیا پر ہے) یا بیت المعمور پر اتارا جو کہ ساتویں آسمان پر ہے۔ اور پھر وہاں سے تئیس ۲۳ برس میں تھوڑا تھوڑا کر کے حضور علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔ قرآن پاک میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ قرآن پاک رمضان المبارک کے مہینہ میں نازل کیا گیا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ ۔ ۱۸۵) رمضان المبارک وہ ماہ مبارک ہے جس میں قرآن پاک کو نازل کیا گیا۔ اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں کو آتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی رات کے ہیں اور یہاں مذکورہ لیلۃ المبارکہ سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے جو رمضان میں آتی ہے۔ بلکہ تفسیری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتب سماویہ رمضان المبارک کی پہلی، تیرہ یا سترہ تاریخ کو نازل ہوئیں۔ جب کہ اللہ کی یہ آخری کتاب اس مہینے کے آخری عشرہ میں نازل کی گئی۔

فرمایا ہم نے اس قرآن حکیم کو ایک بابرکت رات میں نازل فرمایا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ ہم نے اپنے دستور کے مطابق پہلے انبیاء پر بھی کتب اور صحائف نازل فرمائے اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کیا کہ اگر وہ کفر، شرک اور معاصی سے باز نہیں آئیں گے، انبیاء کی بات کو نہیں مانیں گے تو قیامت والے دن خدا کی گرفت میں آئیں گے۔ ہر نبی مبشر اور منذر ہوتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (النساء ۔ ۱۶۵) ہم نے تمام رسولوں کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجا تاکہ بعد میں کسی کو اعتراض کا موقع نہ رہے۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کتاب مبین کو مبارک رات میں نازل فرمایا اور تحقیق ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ یہ اس کتاب کی غایت بھی ہوگئی۔

فرمایا اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا یہ حکم ہماری جانب سے ہوتا ہے اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ تحقیق ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔ انبیاء رسل کو ہدایت خلق کے لیے اور فرشتوں کو مختلف امور کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف ملائکہ کو مختلف ڈیوٹیوں پر متعین کر رکھا ہے۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام وحی الٰہی لانے پر مامور ہیں، کوئی روزی پہنچانے پر مامور ہے کوئی بادلوں کا فرشتہ ہے اور کوئی ملک الموت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام کائناتی معاملات سے متعلق فرشتوں کو مامور کر دیا جاتا ہے اور وہ تعمیل حکم کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء اور فرشتوں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بھی ہے۔ لہٰذا جو اس صفت کا انکار کرے گا۔ وہ بھی کافر تصور ہوگا۔

رحمتِ باری

ارشاد ہوتا ہے رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یہ مہربانی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مبارک رات میں قرآن کریم کا نزول فرمایا جس میں انسان کی پوری زندگی کا پروگرام موجود ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بیشک وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور وہ وہی ذات ہے جو کہ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا جو کہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ ہر چیز کا رب ہے اور کوئی چیز اُس کی ربوبیت سے باہر نہیں وہی ہر چیز کی بتدریج پرورش کر کے اُسے حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ ساری مخلوق کا وہی پروردگار ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ اگر تم یقین لانے والے ہو تو اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر جاندار اور غیر جاندار اسی کی رحمت کا محتاج ہے۔ اور وہ ایسی ذات ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے۔ وہ علیم کل، قادر مطلق اور سمیع و بصیر ہے۔ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وہی زندہ کرتا اور وہی موت دیتا ہے گویا موت و حیات

بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کو وہ زندہ رکھنا چاہے اُسے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی اور جسے وہ ختم کرنا چاہے اُسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے۔ حی اور قیوم ہے، ہمیشہ سے زندہ ہے۔ اور زندگی بخشنے والا ہے۔ کوئی انسان، فرشتہ جن، پرند، چرند گھر سے زندگی لے کر نہیں آیا بلکہ سب کی زندگی اللہ وحدہٗ کی عطا کردہ ہے۔ وہ جب چاہے یہ زندگی چھین بھی لیتا ہے اور اُس کے راستے میں کوئی چیز مزاحمت نہیں کر سکتی۔ فرمایا وہ ذاتِ باری تعالیٰ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا رب بھی ہے۔ سب کا ایک ہی پروردگار ہے جو کہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

قرآنِ حکیم کی حقانیت بیان کرنے کے بعد اللہ نے اپنی بعض صفات کا تذکرہ کیا اور ارض و سماء کی ربوبیت کو خاص طور پر بیان فرمایا۔ آگے انذار کا پہلو آرہا ہے کہ اگر اُس کی توحید کو تسلیم نہیں کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر بھی قادر ہے۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ﴿٩﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ﴿١٠﴾ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ﴿١٤﴾ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

ترجمہ:۔ بلکہ یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں ﴿۹﴾ پس آپ انتظار کریں جس دن لائے گا آسمان ایک کھلا دھواں ﴿۱۰﴾ جو ڈھانپ لے گا لوگوں کو۔ یہ دردناک عذاب ہے ﴿۱۱﴾ (پھر کہیں گے یہ لوگ) اے ہمارے پروردگار! کھول دے ہم سے عذاب کو۔ بیشک ہم ایمان لانے والے ہیں ﴿۱۲﴾ کہاں ہوگا ان کے لیے نصیحت پکڑنا، اور البتہ تحقیق آیا ہے ان کے پاس رسول کھول کر بیان کرنے والا ﴿۱۳﴾ پھر انہوں نے روگردانی کی اس سے اور کہا کہ یہ سکھلایا ہوا دیوانہ ہے ﴿۱۴﴾ بیشک ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت۔ بیشک تم پلٹ کر وہی ہو لوٹنے

والے ہو (۱۵) جس دن ہم گرفت کریں گے بڑی گرفت
بیشک ہم انتقام لینے والے ہیں (۱۶)

ربط آیات

سورۃ کے آغاز میں قرآن پاک کے لیلۃ القدر میں نزول کا بیان تھا۔ اللہ نے نزول قرآن کی غرض و غایت بھی بیان فرمائی اور یہ بھی کہ اس ایک رات میں مستحکم فیصلے کیے جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے انذار کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعے لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈراتا ہے۔ فرمایا نزولِ قرآن اس کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی توحید کا تذکرہ فرمایا کہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا وہی پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندگی اور موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ موجودہ لوگوں کا بھی پروردگار ہے اور ان کے پہلے آباؤ اجداد کا بھی، لہٰذا اس کی توحید پر کاربند رہنا چاہیے۔ اور اس کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیے۔

شک و تردد

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے لوگوں کے سامنے بے شمار کھلے دلائل اور توحید کی واضح نشانیاں پیش کی ہیں، اگر ان میں ذرا بھی سمجھ ہوتی تو یہ لوگ توحیدِ باری تعالیٰ کو تسلیم کر لیتے۔ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ بلکہ یہ تو شک میں کھیل رہے ہیں۔ ان کے کفریہ اور شرکیہ عقائد میں ذرا فرق نہیں آیا، بلکہ یہ اپنے غلط عقائد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ انہیں نہ تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین آتا ہے اور نہ یہ لوگ وقوعِ قیامت کو ماننے کے لیے تیار ہیں۔ انہیں رسولوں اور خاص طور پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر بھی یقین نہیں اور نہ ہی وہ قرآن کو اللہ کا کلام اور اس کی وحی تسلیم کرتے ہیں بلکہ ہر طرف سے شک و تردد میں مبتلا ہیں اور انبیاء کی بتائی ہوئی باتوں کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔

عذابِ دخان

فرمایا ان تمام دلائل، براہین، امثلہ، شواہد اور مختلف طریقوں سے حقیقت سمجھانے کے باوجود اگر یہ لوگ لہو و لعب کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ کفر و شرک اور باطل عقائد پر ہی جمے ہوئے ہیں فَارْتَقِبْ تو آپ انتظار کریں اس دن کا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ جس دن آسمان ایک کھلا

دھواں لانے گا۔ یعنی آسمان پر دھواں چھا جائے گا۔ يَغْشَى النَّاسَ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ فرمایا هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ کافر اور مشرک آپ کی بات نہیں مانتے اور اس کا ٹھٹھا اور استہزاء کرتے ہیں تو آپ درگزر کریں۔ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب پورے آسمان پر دھواں چھا جائے گا اور یہ دھواں کفار و مشرکین کے لیے سزا کا موجب ہوگا۔

قیامت کا دھواں

مذکورہ دھوئیں کے متعلق مفسرین کرام کے دو اقوال ملتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے وہ دھواں مراد ہے جو قربِ قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اور جسے علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربِ قیامت کی جن نشانیوں کا تذکرہ فرمایا ہے اُن میں سورج کا مغرب سے طلوع، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض اور دجال کا خروج، مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسوف یعنی زمین کا دھنس جانا، عدن کے کنارے سے آگ کا ظہور جو لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جائیگی اور دھواں (جو ساری زمین پر پھیل جائے گا) کا ذکر آتا ہے۔ اس دھوئیں کا اثر مومن اور کافر پر مختلف ہوگا۔ مومن لوگ اس سے زکام جیسا معمولی اثر محسوس کریں گے جب کہ کافروں کے لیے یہ جلی ہوئی کسی چیز کا دھواں محسوس ہوگا۔ یہ دھواں اُن کے لیے سخت ناگوار ہوگا اور ایسا محسوس ہوگا جیسے اُن کے ناک، منہ یا مبرز سے نکل رہا ہے۔

قحط کا دھواں

تاہم دوسرے مفسرین کرام اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کوفہ میں قیام پذیر تھے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا کہ فلاں جگہ پر ایک واعظ نے سورۃ الدخان کی یہی آیت تلاوت کی اور بیان کیا کہ اس دھوئیں سے قیامت کا دھواں مراد ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے یہ سنا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بھائی! جس شخص کو کوئی چیز معلوم ہو اُسے بلا کم و کاست بتلا دینی چاہیئے اور جس کا علم نہ ہو اُس کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیئے اور تکلف میں نہیں پڑنا چاہیئے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ بغیر علم کے

خواہ مخواہ متقی بن کر فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص ۸۶) اے لوگو! میں تم سے تبلیغ دین کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے ہوں۔ بہرحال حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس دھوئیں سے مراد قیامت کا دھواں نہیں بلکہ قحط کا دھواں مراد ہے جو مشرکین عرب پر وارد ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب قریش حد سے بڑھ گئے، کفر و شرک پر اصرار اور اللہ کے نبی کی مخالفت ان کا وطیرہ بن گیا، ان کی طرف سے ایذا رسانی نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر دیا، تو حضور علیہ السلام نے کفار و مشرکین کے حق میں بددعا فرمائی اَللّٰهُمَّ سَبْعًا كَسَبْعِ يُوْسُفَ اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط ڈال۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور مکے میں قحط سالی پیدا ہو گئی۔ ادھر یمن میں واقع یمامہ غلہ کی منڈی تھی۔ وہاں کا سردار مسلمان ہو گیا تو مشرکین نے اس کی توہین کی اور اس نے ردعمل کے طور پر یمامہ سے مکہ کے لیے گندم کی برآمد روک دی جس کی وجہ سے اہل مکہ دانے دانے کو ترسنے لگے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مردار اور خشک چمڑا ابال کر کھانا شروع کر دیا۔ اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو ہر طرف دھواں ہی دھواں نظر آتا۔ روایات میں آتا ہے کہ بعض مشرکین حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لیے مدینہ طیبہ پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس قحط سالی کو دور کرے۔ آپ نے دعا فرمائی تو وہ دھواں بھی دور ہو گیا اور قحط سالی سے بھی نجات مل گئی۔ بہرحال اس دخان سے مراد قحط سالی کا دھواں ہے جو حضور علیہ السلام کی دعا سے دور ہوا۔ مسلم کی روایت[1] میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضور! آپ مضر کے لیے استغفار کریں کہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مضر کے لیے؟ تم تو بڑے جری ہو جو ایسی بات کرتے ہو (قریش مضر میں سے ہی تھے) پھر آپ نے دعا کی تکلیف دور ہوئی اور پھر آسودہ حال ہوئے تو پھر نافرمانی کی تو اس پر[2]

---

[1] مسلم صفحہ ۳۷۳ ج ۲

سے بدر میں بڑی گرفت میں اُن کو مبتلا کر کے ہلاک کیا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ پانچ نشانیاں پہلے ہی گزر چکی ہیں۔ جن میں سے ایک نشانی یہی قحط سالی کا دخان ہے دوسری نشانی شق القمر کا واقعہ ہے۔ تیسری رومیوں کا مغلوب ہو کر چند سال میں پھر غالب آجانا ہے۔ جس کا ذکر سورۃ الروم میں ہے۔ چوتھی نشانی بطشہ یعنی سخت پکڑ ہے اور پانچویں لزام ہے جس کا ذکر سورۃ الفرقان کے آخر میں آتا ہے۔ ان دونوں سے مراد بدر کی لڑائی ہے۔ جس میں کافروں کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور عذاب اُن کے ساتھ لازم ہو کر رہ گیا۔ بدر میں قتل ہونا اور قیدی بننا یہی بطشہ کبریٰ ہے۔

عذاب سے رہائی کی درخواست

بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اس کھلے دھوئیں کا انتظار کریں جب وہ لوگوں پر چھا جائے گا اور یہ دردناک عذاب ہوگا۔ اس وقت لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ہم یقیناً ایمان لانے والے ہیں۔ کافروں اور مشرکوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ جونہی عذاب کو دیکھا تو ایمان کا دعویٰ کر دیا اور جب مصیبت ٹل گئی تو پھر شرک کے شرک۔ سورۃ الاعراف میں فرعونیوں کا حال بھی ہم پڑھتے ہیں کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی، طوفان آجاتا یا قحط پیدا ہوجاتا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہتے کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ ہماری یہ تکلیف دور کر دے۔ ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم ایک مدت کے لیے اُن سے عذاب کو کھول دیتے ہیں اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (آیت۔ ۱۳۵) تو وہ اپنے عہد کو فراموش کر کے اُسی کفر اور شرک کی طرف آجاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ وہ لوگ عذاب دور ہو جانے کے بعد ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں مگر اللہ نے فرمایا اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى کہاں ہوگا ان کے لیے نصیحت پکڑنا۔ جب ہم اُن کی تکلیف رفع کر دیں گے تو یہ پھر اپنے عہد سے مکر جائیں گے اور کفر و شرک میں ہی مبتلا رہیں گے۔ فرمایا ان کی زبان پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے،

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ان کے پاس ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا رسول آچکا ہے مگر انہوں نے اُس کو تسلیم نہ کیا ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ پھر اُس سے روگردانی کی، اُس کی کسی بات پر یقین ہی نہ کیا بلکہ کہنے لگے وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ یہ تو سکھایا ہوا جادوگر ہے، ہم اُس کو اللہ کا نبی کیسے تسلیم کریں۔ اسی قسم کا مضمون سورۃ الفجر میں بھی آتا ہے۔ قیامت والے دن جب جہنم مجرموں کے سامنے آجائے گی تو پھر اُن کی آنکھیں کھلیں گی۔ اُس دن انسان نصیحت پکڑنا چاہتے ہوں گے مگر اللہ نے فرمایا وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (آیت ۲۳) مگر اس دن ان کیلئے نصیحت پکڑنا سود مند نہ ہوگا۔ اس دن انسان افسوس کرے گا يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (آیت ۲۴) اور کہے گا کاش کہ میں نے اپنی دائمی زندگی کیلئے کچھ آگے بھیجا ہوتا مگر وہ وقت گزر چکا ہوگا۔ ادھر عام انسان کی بھی یہ حالت ہے کہ جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (المنافقون۔ ۱۰) اور کہتا ہے کہ پروردگار! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تو میں صدقہ خیرات کروں اور نیکی کماؤں۔ مگر اس وقت تو مہلت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور اس کی خواہش پوری نہیں ہو پاتی۔ یہاں بھی اللہ نے یہی بات فرمائی ہے کہ مجرم لوگ عذاب کا نزول دیکھ کر ایمان لانے کی خواہش ظاہر کریں گے مگر اللہ فرمائے گا کہ میں نے تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے مگر تم نے کچھ نصیحت حاصل نہ کی، بلکہ روگردانی کی اور سکھایا ہوا مجنوں کہنے لگے۔ اب تمہارا ایمان قابل قبول نہیں اور نہ ہی عذاب کو دور کیا جائے گا۔

معلم مجنون کی تشریح میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں رہنے والے رومی غلام عداس سے بعض چیزیں سیکھتے ہیں اور پھر انہیں بطور قرآن پیش کر دیتے ہیں۔ بعض اس کو دیگر عجمی غلاموں کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ وہ بیچارے تو خود سیکھنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ نے اُن سے کیا سیکھنا تھا۔ کافر و مشرک لوگ اس لیے بھی حضور علیہ السلام کو دیوانہ کہتے تھے کہ آپ نعوذ باللہ الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں کہ ہم نے

کے بعد انسان کی بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی۔ سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ وہ لوگ آپ کو اس بات پر بھی دیوانہ کہتے تھے کہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے اور باقی سارے معبود باطل ہیں۔ اللہ نے اُن کا بیان سورۃ صٓ میں نقل کیا ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (آیت ۵)

کیا تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود بنالیا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے حالانکہ ہمارے آباؤ اجداد تو سب کی تعظیم کرتے آئے ہیں، اُن کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں مگر یہ شخص کہتا ہے کہ سب کی بجائے ایک ہی معبود کافی ہے۔

جدید دور کے بعض ملحدوں نے بھی اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ مثلاً جرمنی کا نولڈک بڑا بے ایمان مستشرق تھا، اُس نے کہا کہ حضور علیہ السلام پر نعوذ باللہ مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ جس کے دوران وہ کچھ بڑبڑاتے تھے اور اسی کو قرآن کے طور پر پیش کرتے تھے۔ اسی قسم کی باتیں مکے کے کافر اور مشرک بھی کرتے تھے کہ یہ تو بعض غلاموں سے سیکھ کر آتا ہے اور ہمارے سامنے قرآن بنا کر پیش کر دیتا ہے۔ ورنہ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

اللہ نے جواباً فرمایا اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت کے بعد۔ کچھ عرصے کے بعد اس دھوئیں کے عذاب کو دور کر دیں گے۔ قحط سالی ختم ہو کر خوشحالی کا دور لے آئیں گے مگر اِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ تم پلٹ کر اُسی کفر و شرک کا ارتکاب ہی کرو گے اور ایمان نہیں لاؤ گے اس قسم کی مثال اللہ نے مشرکوں کے بحری سفر کی بھی بیان فرمائی ہے۔ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے اور کوئی مصیبت آپہنچتی ہے تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ انہیں اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (العنکبوت - ۶۵) تو پھر اسی طرح شرک کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہی غیروں کی نذر و نیاز وہی قبر پرستی اور وہی رسومات باطلہ انجام دینے لگتے ہیں تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ ہم

ان کی درخواست پر عذاب کو دُور تو کر دیں گے مگر پھر اسی ڈگر پر چل نکلیں گے۔

البطشۃ الکبریٰ

فرمایا یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَۃَ الۡکُبۡرٰی جس دن ہم گرفت کریں گے بڑی گرفت یعنی جس دن ہم انہیں سخت گرفت میں لیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق اس البطشۃ الکبریٰ سے مراد جنگ بدر ہے۔ یہ اللہ کی بڑی گرفت تھی جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر جلیل القدر سردار مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنے، باقی بھاگ گئے۔ کافروں کو اتنی بڑی شکست ہوئی جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ وہ لوگ بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ لڑنے کے لیے آئے تھے مگر اللہ نے ایسی سخت گرفت کی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور مکے والے ذلیل و خوار ہو کر واپس گئے۔

فرمایا اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا آخری نبی بھیجا، کتاب نازل فرمائی۔ اللہ کے نبی نے کفار و مشرکین کو سمجھانے کی پوری پوری کوشش کی اور اس راہ میں بڑی صعوبتیں بھی برداشت کیں مگر وہ نہ مانے۔ اللہ کی غیرت جوش میں آئی تو انہیں بدر کے مقام پر تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور اس طرح اپنی اور اپنے نبی کی نافرمانی کا انتقام ان سے لے لیا۔ یہ تو دنیاوی لحاظ سے گرفت تھی جو عارضی تھی اور پھر آگے دائمی گرفت آنے والی ہے۔ انتقام کا ذکر آگے بھی بکثرت آرہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب وہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو پھر وہ انتقام بھی لے لیتا ہے۔ اسی طرح قریش مکہ سے انتقام لیا اور وہ ہمیشہ کے لیے نابود ہو گئے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ أَدُّوٓا۟ إِلَىَّ عِبَادَ ٱللَّهِ ۖ إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ۖ إِنِّىٓ ءَاتِيكُم بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّى عُذْتُ بِرَبِّى وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا۟ لِى فَٱعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِى لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَٱتْرُكِ ٱلْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوا۟ مِن جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا۟ فِيهَا فَٰكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَٰهَا قَوْمًا ءَاخَرِينَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ ٱلسَّمَآءُ وَٱلْأَرْضُ وَمَا كَانُوا۟ مُنظَرِينَ ﴿٢٩﴾

ع ۱ — ۲۹ — ۱۴

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اور آیا ان کے پاس ایک عزت والا رسول ﴿۱۷﴾ (اس نے کہا) کہ حوالے کردو میری طرف اللہ کے بندوں کو، بے شک میں تمہارے لیے رسول ہوں امانتدار ﴿۱۸﴾ اور

یہ کہ تم نہ تکبر کرو اللہ کے سامنے ، تحقیق میں لایا ہوں تمہارے پاس کھلی سند (۱۹) اور بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے پروردگار کے ساتھ اور تمہارے پروردگار کے ساتھ اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو (۲۰) اور اگر تم ایمان نہیں لاتے مجھ پر ، پس تم مجھ سے الگ ہو جاؤ (۲۱) پس دعا کی اس نے اپنے پروردگار سے کہ بیشک یہ لوگ گنہگار ہیں (۲۲) پس (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ) لے کر نکل جا میرے بندوں کو رات کے وقت ، بیشک تمہارا پیچھا کیا جائے گا (۲۳) اور چھوڑ دے سمندر کو تھما ہوا ، بیشک یہ ایک لشکر ہے جس کو غرق کیا جائے گا (۲۴) بہت کچھ چھوڑا انہوں نے پیچھے باغات اور چشمے (۲۵) اور کھیتیاں اور عزت کے مقامات (۲۶) اور وہ نعمت جس میں وہ آسودہ حال تھے (۲۷) اسی طرح ہوا ، اور وارث بنایا ہم نے ان (چیزوں) کا دوسری قوم کو (۲۸) نہیں رویا ان پر آسمان اور نہ زمین ، اور نہیں تھے وہ مہلت یافتہ لوگوں میں سے (۲۹)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے زمانے کے مشرکین بالخصوص مشرکین مکہ کا تذکرہ کیا ، اُن کی نافرمانی کا حال بیان کیا اور پھر اُن پر آنے والی گرفت کا ذکر کیا ۔ اللہ نے اُن پر دھوئیں کی شکل میں قحط مسلط کیا ، انہوں نے عہد کیا کہ اگر یہ مصیبت دور ہو جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے ۔ مگر جب انہیں قحط سے نجات مل گئی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ کفر و شرک میں منہمک ہو گئے ۔ اللہ نے بھی فرما دیا کہ ہم تھوڑی مدت کے لیے ان سے تکلیف کو ہٹائیں گے لیکن نافرمانی کی صورت میں بڑی گرفت میں لے لیں گے ۔ چنانچہ اللہ نے بدر کے مقام پر بہت سے سرکردہ مشرکین کو ہلاک

کیا، بعض قیدی بنے اور بعض شکست کھا کر بھاگ گئے۔

قوم فرعون کی آزمائش

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام میں سے قوم فرعون کی گرفت کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں ایک طرف مشرکین عرب کے لیے انذار کا پہلو ہے کہ اگر وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ آپ کو ایذائیں پہنچائیں گے اور قرع قیامت اور جزائے عمل کا انکار کریں گے تو ان کا حشر بھی قوم فرعون سے مختلف نہیں ہوگا۔ اور دوسری طرف حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ اگر آج یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے تو قوم فرعون کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اور البتہ تحقیق ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کو آزمایا۔ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ اور آیا ان کے پاس عزت والا رسول۔ رسول کی بعثت اور کتاب و شریعت کا نزول ہی قوم فرعون کے لیے آزمائش کا باعث تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر عقل مند مرد و زن کو مکلف یعنی قانون کا پابند بناتا ہے اور اس پابندی میں ہی ان کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ اسی کی بدولت دنیا و آخرت میں بلند مراتب پر فائز ہو کر ترقی کی منازل طے کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اللہ کے بندے اس کے قانون کی پابندی نہیں کریں گے تو دنیا میں ذلیل ہوں گے اور برزخ اور آخرت میں بھی ذلت ناک عذاب کا شکار بن جائیں گے۔ بہرحال اس تکلیف میں ہی انسانوں کی آزمائش ہے اللہ کا فرمان ہے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء۔ ۳۵) ہم برائی اور بھلائی دونوں طریقوں سے تمہیں آزماتے ہیں۔ کبھی مصائب و تکالیف کے ذریعے اور کبھی آسودہ حالی اور خوشحالی دے کر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھیج کر انسانوں کو آزماتا ہے کہ کون مانتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ کون کفر و شرک میں مبتلا ہوتا ہے اور کون توحید اور ایمان کو قبول کرتا ہے؟

یہاں پر باعزت رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ نے قوم فرعون کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ بڑی عظمت والے رسول تھے۔ اللہ نے آپ

کی خاص طریقے سے تربیت فرمائی تھی اور آپ کو مراتب عالیہ پہ فائز کیا تھا مگر فرعون نے آپ کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر آپ کو کمین کہا۔ اپنے حواریوں سے کہنے لگا۔ بھلا بتلاؤ تم اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ (الزخرف - ۵۲) کیا میں اس حقیر آدمی سے بہتر نہیں ہوں؟ تاریخ عالم گواہ ہے کہ کافر، مشرک، مستبد اور متکبر قسم کے لوگوں نے اللہ کے نبیوں کو ہمیشہ حقیر جانا اور اسی بنا پر اُن کی نبوت و رسالت کا انکار کیا، مگر حقیقت یہ ہے نبوت و رسالت سے بڑھ کر کوئی عزت والا مقام نہیں۔ جس کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے۔ اس پہ اللہ کی خاص مہربانی ہوتی ہے۔

بنی اسرائیل کی سپردگی کا مطالبہ

فرمایا کہ قوم فرعون کے پاس اللہ تعالیٰ کے باعزت رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے فرعون سے مطالبہ کیا اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ کہ اللہ کے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے میرے حوالے کر دو۔ تاکہ میں ان کو ان کے اصلی وطن شام و فلسطین کی طرف لے جاؤں۔ تم نے انہیں بلا وجہ غلام بنا رکھا ہے، انہیں طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے ہو۔ ان سے بیگار لیتے ہو حالانکہ آزادی ہر انسان کا فطری حق ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں یعنی اُس کے حکم سے یہ مطالبہ کر رہا ہوں نیز میں امانتدار بھی ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوتا ہے وہ بلا کم و کاست تمہیں پہنچا رہا ہوں اور اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا۔ میں تم سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہوں وَاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے غرور و تکبر نہ کرو۔ اُس کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرو اور اُس کے حکم کی تعمیل کرو۔ اور یاد رکھو میرا دعویٰ نبوت محض زبانی کلامی نہیں بلکہ اِنِّيْ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ میں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے کھلی سند لے کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص معجزات عطا فرمائے ہیں جو میری صداقت کی دلیل ہیں۔ ان میں غور و فکر کرو، میری بات کو مانو، خدا کی وحدانیت پہ ایمان لاؤ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے

آزاد کر دو۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ میں

فرعون کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (النّٰزعٰت ۔ ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں لہذا میرے سوا کسی دوسری ہستی کو معبود نہ مانو۔ اور اگر تم نے ایسا کیا لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (الشعرآء ۔ ۲۹) تو تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔

اس قسم کی دھمکیوں کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے کہا وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اور بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے پروردگار کی اور تمہارے پروردگار کی، اس بات سے اَنْ تَرْجُمُوْنِ کہ تم مجھے سنگسار کر دو مطلب یہ ہے کہ میں تو خدا تعالیٰ کی پناہ پکڑنے والا ہوں مجھے تمہاری دھمکیوں کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ سنگساری ایک قدیم اور سخت ترین سزا ہے۔ اسلام میں بھی محصن زانی کے لیے یہی سزا مقرر کی گئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس گئے تھے اور اس کو تبلیغ کی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ فرعون کے شر سے ضرور آپ کو محفوظ رکھے گا۔ سورۃ طٰہٰ میں یہ تفصیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغِ حق کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے کیونکہ وہ صاحب اقتدار ہے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا تھا لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ (آیت ۔ ۴۶) تم دونوں ڈرو نہیں کیونکہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچنے دوں گا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ پھر اپنے پروردگار کی پناہ پکڑنے کا اعادہ کیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے دوسری بات یہ کی وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ اور میری صداقت کے تمام دلائل دیکھنے کے باوجود اگر تم ایمان نہیں لاتے تو پھر مجھے چھوڑ دو، مجھ سے الگ ہو جاؤ مطلب یہ کہ کم از کم مجھے تکلیف تو نہ پہنچاؤ۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔ جو کوئی حقیقت کو

سمجھنا چاہتے ہو۔ میں نے سمجھا دوں گا۔ تم تعرض نہ کرو۔ اللہ کے تمام نبیوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی بات کہی کہ ایمان قبول کر کے اپنی فلاح کا سامان پیدا کرو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو پھر مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مگر کافر و مشرک اللہ کے نبی کو کھلی چھٹی دینے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ انہیں اپنے لیے ایک مستقل خطرہ تصور کرتے تھے اور انبیاء کو تبلیغ حق سے باز رکھنے کے لیے انہیں اذیتیں پہنچاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ وہ آپ کو تبلیغ کا حق تو کیا دیتے آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔

قوم کے خلاف شکایت

بالآخر موسیٰ علیہ السلام نے تنگ آ کر فَدَعَا رَبَّهٗٓ اپنے پروردگار کے حضور دعا کی اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ پروردگار! یہ قوم تو سخت گنہگار ہے جو اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں۔ میں نے انہیں چالیس سال تک ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی طرف سے تکالیف پر صبر کیا ہے۔ مگر یہ کسی طرح مانتے ہی نہیں۔ سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا ذکر بھی ہے جو انہوں نے قوم کے حق میں کی۔ عرض کیا۔ پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے حواریوں کو اس دنیا کی زندگی میں وافر مال و دولت اس لیے عطا کی ہے کہ یہ لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کریں۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ (آیت - ۸۸) پروردگار ان کے مالوں کو مٹا دے یعنی ان کو عطا کردہ مال چھین لے اور ان کے سونے چاندی کے ڈھیروں کو مٹی میں تبدیل کر دے کیونکہ یہ لوگ تیرے عذاب دیکھے بغیر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کو ضرور سزا ملنی چاہیے۔

مصر سے نکل جانے کا حکم

جب کسی قوم کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ اللہ کے نبیوں کی ہلاکت کے منصوبے بنانے لگتے ہیں تو پھر اللہ کا غضب بھی جوش میں آجاتا ہے۔ قوم فرعون پر بھی یہی وقت آچکا تھا، جس طرح آیت - ۱۶ میں گزر چکا ہے اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔

قوم فرعون سے انتقام لینے کا وقت آچکا تھا۔ اس مقصد کے لیے

اسباب کا آغاز پہلے ہی ہو چکا تھا۔ سارے بنی اسرائیل اپنے قومی میلے کے لیے شہر سے باہر کھلے میدان میں جمع تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اے موسیٰ (علیہ السلام) میرے بندوں کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ۔ مگر گھبرانا نہیں کیونکہ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی فرعونی لشکر تمہارے تعاقب میں تمہارے پیچھے آئے گا۔ ہم تمہیں تو اپنی حفاظت میں لے لیں گے مگر انہیں ہمیشہ کے لیے نابود کر دیں گے۔ چنانچہ اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے حتیٰ کہ بحر قلزم کے کنارے پہنچ گئے۔ آگے سمندر تھا اور پیچھے لشکر فرعونی، لوگ سخت گھبرا گئے قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء۔ ۶۱) موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو فرعون کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ مگر آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (آیت۔ ۶۲) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور کوئی بچاؤ کی صورت پیدا فرمائے گا۔

فرعونیوں کی غرقابی

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے سمندر میں لاٹھی ماری تو وہ پھٹ گیا اور اس میں خشک راستے بن گئے موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو ان راستوں پر ڈال دیا اور اس طرح وہ بحفاظت بحیرہ قلزم کو عبور کر گئے۔ خشک راستے ابھی تک موجود تھے اور فرعونی لشکر پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس موقع پر اللہ نے فرمایا اے موسیٰ! وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا سمندر کو اسی طرح رکا ہوا چھوڑ دو تاکہ فرعونی لشکر بھی انہی راستوں پر سمندر میں داخل ہو جائے۔ فرمایا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ فرعون کے اس لشکر کو ہم غرق کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب فرعون کا لشکر سمندر کے کنارے پر پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ پانی میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں جن پر چل کر بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر چکے ہیں۔ چنانچہ سارا فرعونی لشکر بمع فرعون انہی راستوں پر چل نکلا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس لشکر کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ چنانچہ جب وہ سمندر کے درمیان میں پہنچے تو اللہ کے حکم سے پانی جاری ہو گیا اور پورے کا پورا لشکر بحیرہ قلزم کی موجوں کی نذر ہو گیا۔

فرعونوں کی وراثت

آگے اللہ نے عبرت اور انذار کے انداز میں فرمایا کَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اس غرق ہونے والی قوم نے اپنے پیچھے کتنے باغات اور چشمے چھوڑے مصر بڑا زرخیز ملک تھا۔ ڈیم بنے ہوئے تھے۔ نہریں جاری تھیں، پانی وافر تھا جس سے زمین سیراب ہوتی تھی اور بے شمار باغات اور چشمے تھے وَّزُرُوْعٍ اور کھیتیاں تھیں جن میں غلہ پیدا ہوتا تھا وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ اور عزت کے مقامات تھے، یعنی اُن کے محلات، عالیشان کوٹھیاں اور مکان تھے۔ جہاں وہ باعزت رہتے تھے اور جہاں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں۔ بڑی بڑی مصری عمارات کے نمونے تو آج بھی اہرام مصر اور دیگر گنبدوں اور میناروں کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ سب چیزیں فرعونی اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ فرمایا اس کے علاوہ وَّنَعْمَةٍ دیگر بہت سی نعمتیں بھی میسر تھیں جن کے ذریعے وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ اور جن میں یہ لوگ خوشیاں منایا کرتے تھے وہ سب کچھ یہیں چھوڑ گئے۔

فرمایا كَذٰلِكَ یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (آیت - ۷۸) وہ دریا کی موجوں کا شکار ہو گئے اور اُن کا نام و نشان تک باقی نہ رہا سوائے فرعون کی لاش کے کہ جس کو عبرت کے لیے پانی سے باہر پھینک دیا گیا جو آج بھی عجائب گھر میں لوگوں کو درس عبرت دے رہی ہے۔ فرمایا یہ فرعونی جو کچھ بھی اپنے پیچھے چھوڑ گئے وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ہم نے اُس کا وارث دوسرے لوگوں کو بنا دیا۔ یہ باغات، چشمے، محلات اور تمام نعمتوں پر دوسرے لوگوں کا قبضہ ہوا اور وہ ان سے مستفید ہونے لگے۔

یہ کون لوگ تھے جو فرعونیوں کی متروکہ جائیداد کے وارث بنے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا۔ مگر یہ بات تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر کے صحرائے سینا

کی طرف چلے گئے اور فرعونیوں کی غرقابی کے باوجود واپس مصر نہیں گئے۔ البتہ بہت
آگے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کو مصر پر دوبارہ تسلط حاصل
ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وراثت سے یہی وراثت مراد ہو جو بعد میں بنی اسرائیل کو حاصل
ہوئی۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس وراثت سے مراد بعینہٖ اُن چیزوں
کی وراثت نہ ہو جو فرعونی غرقابی کے وقت چھوڑ گئے تھے بلکہ اس سے اُن جیسی دوسری
چیزوں کی وراثت مراد ہو جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شام و فلسطین کی سرزمین میں عطا
فرمائی۔ وہاں بھی اللہ نے ان کو باغات، چشمے، کھیتیاں اور محلات کا وارث بنایا۔
لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس وراثت سے مراد فرعونیوں کے ترکہ کی مثل مراد ہو۔ اور اللہ نے
اس طرح اپنا وعدہ پورا کر دیا ہو۔

عدم افسوس
ہلاکت

قومِ فرعون کی ہلاکت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ
السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ اُن کی ہلاکت پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین۔ احادیث سے اس کا
مطلب یہ اخذ ہوتا ہے کہ ارض و سما کو فرعونیوں کی ہلاکت پر قطعاً افسوس نہ ہوا۔ احادیث
میں آتا ہے کہ نیک آدمی کی موت پر آسمان اور زمین افسوس کرتے ہیں۔ برخلاف
اس کے جب کسی نافرمان آدمی کی موت واقع ہوتی ہے تو زمین، آسمان، شجر و حجر غرضیکہ
ہر چیز اللہ کا شکر ادا کرتی ہے کہ مخلوق اس شریر آدمی کی شرارت سے محفوظ ہو گئی۔

حدیث میں آتا ہے کہ ہر مومن آدمی کے لیے آسمان میں دو دروازے کھلے ہوتے
ہیں۔ ایک دروازے سے اُس کے نیک اعمال اُوپر جاتے ہیں جب کہ دوسرے
دروازے سے اُس کے لیے روزی کا حکم نازل ہوتا ہے۔ جب وہ شخص اس دنیا سے
رخصت ہو جاتا ہے تو مذکورہ دونوں دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس پر یہ دروازے
افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور روتے ہیں کہ اُس مردِ مومن کے نیک اعمال کی آمد بند ہو
گئی اور اُس کے رزق کا حکم بھی ختم ہو گیا۔ اسی طرح زمین کے وہ مقامات جہاں وہ
نیک آدمی عبادت کرتا تھا یا نیکی کے دوسرے کام انجام دیتا تھا، وہ بھی روتے
ہیں کہ آج وہ نیک اعمال اور عبادات ختم ہو گئیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ارض وسما کا نہ رونا مجازی طور پر ہے یعنی ان کا
نیک آدمی کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جس کو رونے سے تعبیر کیا گیا
ہے۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے بعینہٖ رونا بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
چاہے تو نباتات اور جمادات میں بھی رونے کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے چنانچہ
احادیث میں حنانہ نامی خشک تنے کا ذکر آتا ہے جو مسجد نبوی میں گڑا ہوا تھا
اور جس کے ساتھ ٹیک لگا کر حضور علیہ السلام صحابہ کو خطاب کیا کرتے تھے جو
جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ اس پر تشریف لے گئے اس جدائی
پر وہ کھجور کا خشک تنا بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ پھر آپ نے اس پر
دستِ شفقت رکھا تو وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے
اسی طرح ارض وسما بھی روتے ہوں جنہیں ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ الغرض فرمایا
کہ فرعونوں کی موت پر نہ تو ارض وسما روئے وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ
اور نہ ہی ان کو مہلت دی گئی کہ وہ اپنی اصلاح کر سکتے بلکہ انہیں ہمیشہ کے لیے
ذلیل و خوار کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾
مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾
وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾
اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا
الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ
تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ
كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ
يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ
مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـــًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا
مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو
ذلت ناک عذاب سے ﴿۳۰﴾ فرعون سے۔ بیشک تھا وہ مغرور

اور حد سے بڑھنے والا ﴿۳۱﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے منتخب کیا اُن (بنی اسرائیل) کو علم کے ساتھ جہان والوں پر ﴿۳۲﴾ اور دی ہم نے اُن کو نشانیوں میں سے جن میں صریح آزمائش تھی ﴿۳۳﴾ بیشک یہ لوگ (اہل مکہ) کہتے ہیں ﴿۳۴﴾ نہیں ہے یہ مگر ہماری پہلی ہی موت، اور نہیں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۳۵﴾ پس لے آؤ ہمارے آباؤاجداد کو اگر تم سچے ہو ﴿۳۶﴾ کیا یہ بہتر ہیں یا قوم تبع اور وہ لوگ جو اُن سے پہلے گزرے ہیں۔ ہم نے اُن کو ہلاک کیا۔ بے شک تھے وہ مجرم ﴿۳۷﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے ﴿۳۸﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے انکو مگر حق کے ساتھ لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے ﴿۳۹﴾ بیشک فیصلے کا دن ان کے وعدے کا دن ہے سب کا ﴿۴۰﴾ جس دن نہ بچائے گا کوئی رفیق (ساتھی) دوسرے رفیق سے کچھ بھی، اور نہ اس کی مدد کی جائے گی ﴿۴۱﴾ مگر وہ کہ جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ بیشک وہ زبردست اور نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿۴۲﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور معاد کا مسئلہ سمجھانے کے لیے سابقہ اقوام اور خاص طور پر قوم فرعون کا ذکر کیا۔ پھر اُس کے انجام کو بھی بیان کیا جو اُس کے غرور و تکبر کی وجہ سے ہوا۔ وہ لوگ خود تو بحر قلزم میں غرق ہو گئے اور اپنے پیچھے ساز و سامان، باغات، چشمے، محلات اور دیگر عیش و عشرت کی اشیاء چھوڑ گئے۔ جن کا وارث اللہ نے دوسرے لوگوں کو بنایا۔ اللہ نے یہ بھی عبرت کے طور پر فرمایا کہ ان نابکاروں کی ہلاکت پر ارض و سماء روئے یعنی انہوں نے کوئی افسوس نہ کیا۔ جب ان لوگوں پر گرفت آئی تو پھر انہیں سنبھلنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے

پیروکاروں کی تسلی بھی مطلوب تھی کہ اگر ان کے مخالفین بھی سابقہ اقوام کے نافرمانوں کے نقشِ قدم پر چلتے رہے تو ان کا حشر بھی پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

آزادی کی نعمت

فرعون اور اُس کے لشکر کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل آزاد ہو کر صحرائے سینا کی طرف چلے گئے۔ فرعون کی غلامی سے آزادی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کا تذکرہ اللہ نے اس مقام پر احسان کے طور پر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی۔ بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب سے۔ مِنْ فِرْعَوْنَ یعنی فرعون (اور اس کے حواریوں) سے۔ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ بے شک وہ سرکش، متکبر اور حد سے بڑھنے والا تھا۔

بنی اسرائیل کی غلامی اور پھر آزادی کی داستان تقریباً چار صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار حاصل تھا تو بنی اسرائیل کے بیشتر افراد مصر منتقل ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس سرزمین میں قبطی قوم آباد تھی اور یوسف علیہ السلام کے بعد اسی قوم کے بادشاہ حکمران رہے۔ اس قوم کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک بتیسواں[۳۲] فرعون مسند سلطنت پر متمکن تھا۔ اکثریت کی بناء پر قبطی قوم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ ان سے طرح طرح کی بیگار لیتے، ان کو حقیر جانتے اور ان پر مظالم ڈھاتے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے فرعون کو دعوتِ توحید اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تو اُس نے موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلاتے ہوئے یاد دلایا کہ میں نے تمہاری بچپن میں پرورش کی۔ اور تم سال ہا سال تک ہمارے ہاں مقیم رہے۔ اور پھر جب تم نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تو پھر بھی ہم نے تجھ سے بدلہ نہ لیا۔ اور اب تم ہمیں توحید کی دعوت دینے آئے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو ایک شخص کو غلطی سے قتل کیا تھا۔ حالانکہ میرا ارادہ قطعاً قتل کا نہ تھا۔ اس کے برخلاف کیا تیرا مجھ پر یہی احسان ہے اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ (الشعراء۔ ۲۲) کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟ بہرحال فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا اور بنی اسرائیل کو برابر غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے رکھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کے نتیجے میں فرعونیوں کے مظالم مزید بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں فرعون سے نجات کی درخواست کی تو اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ جب آپ قوم کے ہمراہ بحر قلزم پر پہنچے تو اللہ نے وہاں بھی مدد فرمائی اور سمندر کے بیچوں بیچ خشک راستے بنا دیئے جن پر چل کر بنی اسرائیل سمندر سے پار چلے گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر تعاقب میں آ رہا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل ان خشک راستوں سے سمندر عبور کر گئے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے گھوڑے انہی راستوں پر ڈال دیئے مگر جب سمندر کے درمیان میں پہنچے تو اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی مل گیا اور تیرہ لاکھ کا فرعونی لشکر غرق ہو گیا۔ اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی اور وہ سارے کے سارے مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں چلے گئے۔ اسی واقعہ کا ذکر اللہ نے بیان کیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دی ذلت ناک عذاب سے۔

غلامی کی لعنت

اس مقام پر ذلت ناک عذاب سے مراد یہی غلامی کی مصیبت ہے جس میں بنی اسرائیل صدیوں سے پھنسے ہوئے تھے۔ غلامی بجائے خود ایک لعنت ہے۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے آزاد اور غلام کا تقابل فرمایا کہ یہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں جب کہ آزاد آدمی اپنی ہر چیز کا مالک اور متصرف ہوتا ہے اور عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ (آیت۔ ۷۵) غلام آدمی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ غلامی خواہ شخصی ہو یا اجتماعی غیر فطری چیز ہے۔ اس سے انسان کی فطرت خراب ہو جاتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ غلام کی اپنی کوئی شے نہیں ہوتی، بلکہ وہ ہمیشہ اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی کوئی ضمیر بھی نہیں ہوتی۔

شخصی غلامی کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا اور نزول قرآن کے زمانے میں یہ دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا تھا۔ یہ رواج تو اب پوری دنیا سے ختم ہو چکا ہے، مگر اجتماعی غلامی، یعنی سیاسی، ذہنی، اقتصادی اور تہذیبی غلامی آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ تمام ترقی پذیر ممالک ترقی یافتہ ممالک کے کسی نہ کسی صورت میں غلام ہیں۔ سیاسی غلامی یہ ہے کہ پسماندہ ممالک کوئی فیصلہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے بلکہ انہیں کسی سپر طاقت کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے پسماندہ ممالک کو اقتصادی غلامی میں بری طرح جکڑ

رکھا ہے جس سے وہ چاہنے کے باوجود نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ سرمایہ دار ممالک ایڈ کے نام پر قرضے دیتے ہیں اور پھر غریب ممالک کو اس جال میں بُری طرح جکڑ لیتے ہیں۔ اس نام نہاد امداد کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ امدادی رقم سے امداد دہندہ ملک سے مال خریدنا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مشیر بھی امداد وصول کنندہ ملک میں بھیج دیتا ہے اس طرح یہ ممالک کچھ فائدہ تو اس تجارتی لین دین میں اٹھا لیتے ہیں اور کچھ رقم مشیروں کی تنخواہوں اور مراعات کی شکل میں واپس لے لیتے ہیں۔ اور غریب ملک بیچارہ قرضے اور اس پر سود کی ادائیگی کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ قرضے پر ادا کیے جانے والے سود کی ادائیگی کے لیے مزید قرضہ لینا پڑتا ہے۔ اور اس طرح غریب ممالک اقتصادی طور پر غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔

جب قرض دہندہ ملک سے مشیر آتے ہیں تو وہ اپنی تہذیب اور ثقافت بھی ساتھ لاتے ہیں۔ اسی طرح جن غریب ممالک سے لوگ اعلیٰ تعلیمی وظائف پر دیگر ممالک میں جاتے ہیں، وہ بھی انہی کی تہذیب میں رنگے جاتے ہیں اور انہی کا ذہن لے کر واپس آتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی پھر مقامی لوگ بھی وہی تہذیب اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسی میں عزت جانتے ہیں۔ اس طرح غریب ممالک اقتصادی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور تہذیبی غلامی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں وہ اپنی تہذیب و ثقافت حتیٰ کہ اپنی زبان کو بھی حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور ہر کام میں ترقی یافتہ ممالک کی نقالی میں ہی عزت خیال کرتے ہیں۔ ہمارا ملک بھی ایسی ہی سیاسی، اقتصادی، ذہنی اور تہذیبی غلامی کا شکار ہے۔ اس کی ہر سکیم باہر سے بن کر آتی ہے، اس پر عمل درآمد کے لیے مشیر آتے ہیں۔ سود پر قرضہ حاصل کیا جاتا ہے اور آج حالت یہ ہے کہ پاکستان اربوں ڈالر کا مقروض ہے۔ ان قرضوں پر صرف سود کی ادائیگی کے لیے مزید قرضے لینے پڑتے ہیں اور اس طرح ہم ایسے گورکھ دھندے میں پھنس چکے ہیں جس سے نکلنا محال نظر آتا ہے۔

انگریز پہلے ہی مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔ اس نے برصغیر میں مسلمانوں کو مغلوب کر کے حکومت حاصل کی، لہٰذا وہ ان سے ہمیشہ خائف رہتا تھا اور انہیں ہر صورت میں

دبائے رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کو مسلمانوں کو کچلنے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آگیا چنانچہ اس نے تمام سرکردہ علماء اور سیاستدانوں کو قتل کروا دیا۔ بعض کو جزائر انڈیمان میں قید کر دیا۔ بعض کی جائیدادیں چھین لیں اور ان کو ہر طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا۔ انگریز جانتے تھے کہ اگر برصغیر کے لوگ آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو افریقی ممالک بھی ان کا تسلط زیادہ دیر تک برداشت نہیں کریں گے چنانچہ ایسا ہوا۔ جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں جب انگریزوں کو یہاں سے جانا پڑا تو افریقی ممالک کو بھی ہوش آیا۔ اسطرح بہت سے افریقی ممالک نے بھی آزادی حاصل کی۔ لیکن اب تک تیسری دنیا سمجھے جانے والے پسماندہ ممالک کسی نہ کسی طرح امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس، جاپان کے غلام ہیں اور بقول علامہ اقبال " غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر" ترقی پذیر ممالک بے ضمیر ہو چکے ہیں اور ترقی یافتہ ممالک کے رحم و کرم پر ہیں۔

غلامی کی ایک صورت فرقہ واریت بھی ہوتی ہے۔ زبردست قوم زیردست قوم میں فرقہ پرستی اور گروہ بندی کو ہوا دیتی اور پھر ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ساتھ لڑا دیتی ہے۔ دونوں متحارب فریق اپنے آقا کے محتاج بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ لڑاؤ اور حکومت کرو کا فارمولا کامیابی کے ساتھ آزماتے رہتے ہیں۔ ہم مسلمان آٹھ سو سال سے ان مصائب میں مبتلا چلے آ رہے ہیں۔ تاتاریوں کے زمانے سے ہمارے قدم ڈگمگائے جو آج تک نہیں سنبھل سکے۔ ترکی نے چار سو سال تک خلافت کا دفاع کیا مگر بالآخر مغلوب ہو گئے حتیٰ کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے شعار "خلافت" کا نام تک مٹا دیا۔

اب دنیا میں مسلمانوں کی کم و بیش پچاس ریاستیں ہیں مگر وہ اس قدر بے بس ہیں کہ کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتا، گویا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت بالکل ہی ختم ہو چکی ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ جس قوم کا اپنا فلسفہ نہیں ہوتا وہ دوسرے کے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں اپنا ذہن، اپنا فلسفہ اور اپنی سوچ پیدا نہیں ہو گی یہ دوسروں کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ بہرحال یہ تو ایک ضمنی بات ہو گئی۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب میں ڈال رکھا تھا۔ جس سے اللہ نے انہیں نجات

دی اور جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

آزادی کی فضیلت

دینِ اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں غلامی کو روا رکھا گیا ہے۔ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ غلام بننے کی صورت خود قرآن نے سورۃ قتال میں بیان کی ہے کہ جب دو متحارب گروہوں کے درمیان جنگ ہوتی تو اس کے نتیجے میں متحارب گروہوں کے قیدی بھی ایک دوسرے کی تحویل میں چلے جاتے۔ ان قیدیوں کو یا تو قتل کر دیا جاتا، یا آپس میں قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جاتا، یا اُن سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا۔ اور ان میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہ ہوتی تو اُن کو غلام بنا لیا جاتا۔ جب اسلام آیا تو اُس نے غلامی کے رواج کو قطعاً پسند نہیں کیا۔ بلکہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کو روا رکھا، کیونکہ اُس وقت سارا کاروبار غلاموں کے ذریعے انجام پاتا تھا اور اگر غلامی کو یکسر ختم کر دیا جاتا تو سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا اور دنیا اقتصادی جمود کا شکار ہو جاتی۔ البتہ اسلام نے غلامی کے اس رواج میں ہر چند اصلاح کی کوشش کی بلکہ اس کے خاتمہ کے لیے بہت سی ترغیبات بھی دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ غلام تمھارے بھائی ہیں۔ ان کو انسانیت سے خارج نہ کرو۔ کسی وجہ سے تمھاری غلامی میں آ گئے ہیں تو ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرو، جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ۔ اور جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ۔ ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور اگر کوئی مشقت طلب کام اُن کے سپرد کرو تو اُس میں خود بھی اُن کا ہاتھ بٹاؤ۔

جہاں تک آزادی کی ترغیبات کا تعلق ہے۔ اسلام نے غلام کی آزادی کو بڑی فضیلت بخشی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے مختلف جنایات کا کفارہ غلام کی آزادی کو قرار دیا ہے۔ قسم توڑنے، بلا وجہ روزہ توڑنے اور ظہار کا کفارہ بھی غلامی کی آزادی مقرر کیا گیا ہے۔ اگر غلام میں صلاحیت ہو تو اسے مکاتبت کے ذریعے بھی آزاد کیا جا سکتا ہے، سورۃ نور میں موجود ہے کہ اگر تمھارے غلام تم سے مکاتبت چاہیں یعنی مقررہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کرنا چاہیں تو ان کے راستے میں رکاوٹ نہ ہو فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا (آیت ۳۳) اگر اُن میں

بہتری پاؤ تو انہیں مکاتبت کے طور پر آزاد کر دو۔ پھر جب وہ مقصودہ رقم ادا کر چکیں تو انہیں مکمل آزادی دے دو۔ اسی طرح اگر غلطی سے قتل ہو جائے تو اُس کا کفارہ بھی ایک غلام کی آزادی ہے۔ بہرحال اسلام نے اُس وقت غلامی میں اصلاح اور اس کی آزادی کا بیڑا اٹھایا جب ساری دنیا اس لعنت میں گرفتار تھی اور اب جب کہ دنیا بھر میں غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے تو اسلام کو اس میں کچھ اعتراض نہیں بلکہ یہ اسلام ہی کے ایک مقصد کی تکمیل ہے۔ غرضیکہ اغیار کے اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں کہ اسلام نے غلامی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

بنی اسرائیل کی فضیلت

بنی اسرائیل کی آزادی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ اور البتہ تحقیق ہم نے علم کے ساتھ بنی اسرائیل کو جہان والوں پر منتخب فرمایا۔ یہ اُس دور کی بات ہے۔ اُس زمانے میں واقعی بنی اسرائیل کو اللہ نے باقی اقوامِ عالم پر فضیلت بخشی۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا زمانہ مبارکہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت کو تمام امم پر فوقیت عطا فرمائی اور اس کو خَیْرَ اُمَّةٍ کہہ کر خطاب فرمایا کہ تم جہان بھر میں بہترین امت ہو۔ تاہم اپنے دور میں بنی اسرائیل کو ہی فضیلت حاصل تھی۔ عَلٰی عِلْمٍ کا مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے تھے کہ اس امت میں بہت سی کمزوریاں بھی تھیں لیکن اس کے باوجود اللہ نے اُن کو باقی لوگوں کے مقابلے میں منتخب فرمایا۔

نیز فرمایا وَاٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ اور ہم نے اُن کو بہت سی نشانیاں بھی دیں جن میں اُن کی صریح آزمائش تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بہت سے معجزات عطا فرمائے۔ بنی اسرائیل کے لیے بادلوں کا سایہ کیا، اُن پر من و سلویٰ نازل کیا، اس سے پہلے بحرِ قلزم میں راستے بنا کر اُن کو پار کرایا اور اس طرح انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔ یہ سب معجزات اور نشانیاں تھیں جن سے بنی اسرائیل مستفید ہوئے۔

معاد اور جزائے عمل

اللہ نے فرعون اور اُس کی قوم کا حال ذکر کر کے فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ

بیشک یہ مکے اور عرب کے مشرک لوگ کہتے ہیں۔ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی یہ ہماری پہلی موت ہی ہے جو آنے والی ہے وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے گویا انہوں نے معاد کا انکار کر دیا کہنے لگے اگر تمہارے کہنے کے مطابق تمام مردوں کو دوبارہ بھی اٹھنا ہے فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ترجمہ ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ اس کے بغیر ہم کیسے مان لیں کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، حساب کتاب کی منزل پیش آنی ہے اور پھر جزائے عمل کے فیصلے ہونے ہیں۔

اللہ نے فرمایا۔ یہ کتنے مغرور لوگ ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ذرا ان سے پوچھو اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ کیا یہ بہتر ہیں یا قوم تبع۔ اس قوم کا تعلق یمن کے قبیلہ حمیر سے تھا۔ یہ خاندان اڑھائی تین سو سال تک سبا میں حکمران رہا۔ وہاں پر کئی تبع گزرے ہیں یعنی بڑا اوسط اور چھوٹا۔ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اوسط تبع کا ذکر ہے جو خود تو مسلمان تھا مگر اس کی قوم کافر تھی۔ ساز و سامان کے لحاظ سے اللہ نے ان کو بہت کچھ دے رکھا تھا اور بڑے آسودہ حال لوگ تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تبع کو برا نہ کہو کیونکہ وہ ایمان والا تھا۔ تو فرمایا تبع کے مقابلہ ان مشرکین مکہ کی کیا حیثیت ہے ذرا ان سے پوچھو کہ یہ بہتر ہیں یا قوم تُبَّعٍ وَّالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یا وہ لوگ بہتر تھے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ ان کے پاس تو مال و دولت اور جاہ و اقتدار اور لاؤ لشکر تھا مگر ان کے پاس کیا رکھا ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے ان کو بھی ہلاک کر دیا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ کیونکہ وہ گنہگار لوگ تھے جب یہ بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر توحید اور رسالت کا انکار کرتے ہیں تو یہ ہلاکت سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ فرمایا وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ہم نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو محض کھیل کے طور پر تو پیدا نہیں کر دیا۔ بلکہ اس کائنات کی تخلیق میں ہماری حکمت کار فرما ہے جس

چیز کا آغاز ہے اُس کا انجام بھی ضرور واقع ہوگا۔ قیامت برپا ہوگی اور حساب کتاب کی منزل آئے گی۔

فرمایا ہمارا قائم کردہ نظام کائنات باطل نہیں ہے مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے ارض و سما کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر ان میں سے اکثر بے علم ہیں جو اس کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ فرمایا اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ بے شک فیصلے کا دن ان سب کے وعدے کا دن ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب تمام امور کے ٹھیک ٹھیک فیصلے کیے جائیں گے اس دن ان کو پتہ چلے گا کہ بعث بعد الموت برحق ہے اور ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا۔ یہ ایسا دن ہوگا يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا جس دن کوئی رفیق، دوست اور ساتھی کسی دوسرے رفیق کے کام نہیں آسکے گا بلکہ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ ہی اُن کی کسی دوسرے طریقے سے مدد کی جائے گی۔ اس دن ایمان اور نیکی ہی کام آئے گی۔ جس کے پاس یہ چیزیں ہوں گی وہی مامون ہوگا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا، وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور اللہ کی مہربانی اسی شخص پر ہوگی جو دنیا میں خدا کی وحدانیت پر ایمان لایا، اس کے نبیوں کا اتباع، اللہ کی کتابوں، ملائکہ اور بعث بعد الموت پر یقین کیا۔ فرمایا اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بے شک وہ کمال قدرت کا مالک اور زبردست ہے اور ساتھ ساتھ وہ نہایت رحم کرنے والا بھی ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرے گا، وہ ضرور اس کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایمان اور نیکی حاصل کرنے کا بندوبست بھی کرنا چاہیے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ
يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ
فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ
رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ
تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾
فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ
وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ
بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ
آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ
الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِنْ
رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ
بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ
مُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾ ع

ترجمہ: بے شک تھوہر کا درخت (۴۳) کھانا ہے گنہگار کا (۴۴)
پگھلے ہوئے تانبے کی طرح، جو کھولتا ہے پیٹوں میں (۴۵)

جیسے کھولتا ہوا پانی ﴿۴۶﴾ حکم ہوگا، پکڑ لو اس کو پھر کھینچ کر لے جاؤ جہنم کے درمیان ﴿۴۷﴾ پھر ڈالو اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ﴿۴۸﴾ (کہا جائے گا) چکھ بے شک تو غالب اور عزت والا تھا ﴿۴۹﴾ بے شک یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے ﴿۵۰﴾ بیشک متقی (ڈرنے والے) لوگ امن کے مقام میں ہوں گے ﴿۵۱﴾ باغوں اور چشموں میں ﴿۵۲﴾ پہنیں گے وہ باریک ریشم اور موٹا ریشم، آمنے سامنے ہوں گے ﴿۵۳﴾ اسی طرح ہوگا۔ ہم بیاہ دیں گے اُن کو موٹی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ﴿۵۴﴾ وہ منگوائیں گے اس میں ہر قسم کا پھل اس سے ﴿۵۵﴾ نہ چکھیں گے اس میں موت کو، لیکن وہی موت جو پہلے آچکی۔ اور بچایا جائے گا اُن کو جہنم کے عذاب سے ﴿۵۶﴾ یہ فضل ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، اور یہ ہے کامیابی بڑی ﴿۵۷﴾ اے پیغمبر! بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں ﴿۵۸﴾ پس آپ انتظار کریں بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۵۹﴾

ربطِ آیات

پہلے قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان کی، پھر توحید کا مسئلہ سمجھایا، مشرکین کی قباحت، شرک کا رد اور پھر اس کا انجام بھی بیان ہوا۔ حق کی مخالفت کرنے والوں میں فرعون اور اس کے حواریوں کا تذکرہ ہوا اور پھر اُن کی غرقابی کا ذکر بھی ہوا۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی اور اُن کو اپنے زمانے میں جہاں بھر میں فضیلت عطا کی۔ پھر قریش مکہ اور مشرکین عرب کو تنبیہ کی گئی کہ تم سے پہلے قوم تبع جیسے بڑے بڑے ساز و سامان اور دولت والے لوگ گزر چکے ہیں، اُن کے حالات سے عبرت پکڑو۔ تم کس بنا پر قیامت کا انکار کرتے ہو۔ فرمایا ہم نے ارض و سما، اور

ان کے درمیان کی اشیاء کو محض لہو و لعب کے طور پر نہیں بنایا بلکہ ان کی تخلیق خاص حکمت اور مصلحت کی بناء پر عمل میں آئی ہے۔ آخری فیصلے کے لیے ایک دن مقرر ہے۔ اس دن سب اگلے پچھلے اکٹھے ہوں گے۔ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا اور نہ ہی کہیں سے مدد پہنچے گی۔ ہاں! جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوئی۔ وہ اس کے غضب سے بچ جائے گا۔

مجرمین کا انجام

اب آج کے درس میں ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں پہلے مجرموں کو ڈرایا گیا ہے اور ان کو پیش آنے والے حالات کا کچھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ بے شک تھوہر کا درخت طَعَامُ الْاَثِیْمِ گنہگار کا کھانا ہے۔ جہنم میں تھوہر کا درخت دوزخیوں کی خوراک بنے گا۔ جب ان کو بھوک ستائیگی تو کھانے کے لیے تھوہر کا درخت پیش کیا جائے گی۔ اس کی کیفیت یہ ہوگی کا الْمُھْلِ کہ یہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ جو کھانے کے بعد پیٹوں میں جاکر کھولے گا یعنی جوش مارے گا کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔ گنہگاروں کی اس قسم کی کیفیت سورۃ الغاشیہ میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا ان کے لیے خاردار جھاڑ کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ (آیت ۔ ۷) جو نہ فربہی لائے گا اور نہ بھوک کو مٹائے گا۔ سورۃ الواقعہ میں بھی مجرموں کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (آیت ۵۲) کہ تم تھوہر کے درخت سے کھاؤ گے اور پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پانی پیتے ہیں۔ ترمذی شریف اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگو! اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یاد رکھو! اگر دوزخ کے تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ دنیا میں پھینک دیا جائے تو دنیا کی ساری چیزیں اس قدر کڑوی اور تلخ ہو جائیں کہ کھانے پینے کے قابل نہ رہیں۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی خوراک یہ درخت ہوگا ان کی کیا حالت ہوگی۔

تھوہر کا پودا ایشیا اور افریقہ دونوں براعظموں میں پایا جاتا ہے۔ تاہم افریقی تھوہر نسبتاً زیادہ شدید ہوتا ہے۔ اس سے گوند بھی نکالا جاتا ہے جس کی تاثیر سخت گرم ہوتی ہے۔ بڑا کڑوا اور تلخ ہوتا ہے، تاہم سنکھیا کی طرح اس کو مدبر کر کے بعض ادویات بھی تیار کی جاتی ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اُن کے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران دو ہندوستانی طالب علموں نے اشکال پیش کیا کہ قرآن نے تھوہر کو دوزخیوں کی خوراک بتایا ہے حالانکہ اس کا پھل یہاں مکہ میں کھایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ نے تھوہر کے درخت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ سخت کڑوا اور دوزخیوں کی خوراک ہے مگر ہو سکتا ہے کہ اس کے پھل سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ نیز جس تھوہر کا پھل اس دُنیا میں کھایا جاتا ہے وہ اسی دنیا کا تھوہر ہے۔ جب کہ جو تھوہر جہنمیوں کی خوراک بنے گا، وہ جہنم کا تھوہر ہوگا۔ جسے یہاں کے تھوہر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

فرمایا ایک تو دوزخیوں کی خوراک تھوہر کا درخت ہوگا اور اس کے علاوہ ایسے پاپی شخص کے لیے اللہ کا حکم ہوگا خُذُوهُ اس کو پکڑ لو، گرفتار کر لو۔ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ اُسے گھسیٹ کر دوزخ کے درمیان پھینک دو۔ اور وہاں لے جا کر ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔ دوزخ میں ایک تو ویسے ہی چاروں طرف آگ ہوگی، اس کے علاوہ دوزخی کے سر پر سخت گرم پانی ڈالا جائے گا جو دماغ سے داخل ہو کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل جائے گا۔ اس قسم کی سزا کا ذکر سورۃ قتال میں بھی آیا ہے وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (محمد - ۱۵) دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو اُن کی آنتوں کو کاٹ کر باہر پھینک دے گا۔ وہ آنتیں پھر اپنی جگہ پر آ جائیں گی، پھر پانی پلایا جائے گا اور پھر آنتیں کٹ جائیں گی۔ اسی طرح دوزخیوں کی ایک اور سزا کے متعلق فرمایا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا (النساء - ۵۶) کہ دوزخ کی آگ میں جب اُن کی

کھال جل جائے گی۔ تو فوراً دوسری کھال پہنا دی جائے گی۔ اس طرح یہ سزا مسلسل جاری رہے گی۔

بہر حال اس مقام پر فرمایا کہ دوزخی کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اور پھر اُس سے کہا جائے گا ذُقْ اس کا مزا چکھو۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ بے شک تو دُنیا میں بڑا غالب اور عزت دار بنا پھرتا تھا۔ دنیا میں اس قسم کے بہت سے متکبر اور سرکش لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ عزت والا سمجھتے تھے۔ ابوجہل بھی انہی لوگوں میں سے تھا، جو کہا کرتا تھا کہ وادیٔ بطحا میں مجھ سے زیادہ کون عزت والا ہے؟ یہ مٹھی بھر مسلمان میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ اس طرح وہ اپنی سرداری کا چرچا کیا کرتا تھا۔

مجرمین کی سزاؤں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا کہ دوزخ والوں سے اس طرح خطاب کیا جائے گا اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ بے شک یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق تم شک کیا کرتے تھے۔ جب اللہ کے نبی تمہیں تمہارے بُرے انجام سے ڈراتے تھے تو تم کہا کرتے تھے کہ جب مر کر مٹی میں مل جائیں گے ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو پھر ہم کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ محض وہم ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص دوبارہ زندہ ہو گا۔ قیامت برپا ہو گی، حساب کتاب کی منزل آئے گی، اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا ان چیزوں کو سچ نہیں مانتے تھے بلکہ ان میں شک و تردد کا اظہار کرتے تھے۔ لو آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور سزا کا مزا چکھ لو۔

مجرمین کی سزا کے تذکرہ کے بعد اب اللہ نے نیکوکاروں کے لیے انعامات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ بے شک اللہ سے ڈرنے والے متقی لوگ جنہوں نے کفر و شرک سے اجتناب کیا اور حدودِ شرع کی حفاظت کی، وہ امن و چین کے مقام میں ہوں گے، اور وہ مقام کیا ہے؟ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وہ باغات اور نہریں ہیں جہاں وہ رہیں گے۔ وہاں پر انہیں ہر طرح کی آسائش حاصل ہو گی۔ اور وہ کسی جسمانی، روحانی یا ذہنی

پریشانی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

اہل جنت کے متعلق فرمایا یَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ اس مقام میں وہ باریک اور موٹا ریشم پہنیں گے۔ یہ پہننے ذوق کی بات ہوتی ہے، کسی کو باریک کپڑا پسند ہوتا ہے اور کسی کو موٹا۔ ان کا انتخاب اپنی مرضی کا ہو گا اور جس قسم کا لباس چاہیں گے مہیا کیا جائے گا۔ بعض اس کا یہ مطلب بھی لیتے ہیں کہ اہل جنت خود تو باریک ریشم کا لباس پسند کریں گے جب کہ اپنے خدام کے لیے موٹی قسم کا لباس بنوائیں گے، یہ وہی ریشم ہے جو اس دنیا میں مردوں کے لیے حرام ہے اور آخرت میں حلال ہو گا۔ فرمایا جنتی لوگ ایسا من پسند لباس پہنے مُّتَقٰبِلِيْنَ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ یعنی کوئی جنتی کسی دوسرے سے روگردانی نہیں کرے گا۔ اس دنیا میں تو بعض اوقات ایک دوسرے سے ناراضگی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ایک دوسرے میل ملاقات بھی بند ہو جاتی ہے، کہیں سرِ راہ ملاقات ہو جائے تو منہ پھیر لیا جاتا ہے مگر جنت میں نہ کوئی کسی سے ناراض ہو گا اور نہ اس سے منہ پھیرے گا، بلکہ سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے خوش و خرم حالت میں بیٹھنے والے ہوں گے۔ ہر جنتی کے دل میں دوسرے کے لیے محبت والفت کے جذبات ہوں گے۔

فرمایا كَذٰلِكَ یہ اسی طرح ہو گا، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ہم ان کا حوروں کے ساتھ نکاح کر دیں گے، جو موٹی آنکھوں والی خوبصورت ہوں گی۔ جنت کی حوریں انسانی نوع سے نہیں بلکہ یہ ایک دوسری مخلوق ہے۔ تفاسیر میں آتا ہے کہ حوروں کا مادہ مٹی نہیں بلکہ یہ کوئی نہایت ہی پاکیزہ جنس کی تخلیق ہے۔ بعض روایات میں زعفران اور کافور کا ذکر بھی آتا ہے۔ بعض نے عنبر اور مشک جیسے اعلیٰ مادہ کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال یہ جنتی مخلوق اہل جنت کو حاصل ہو گی اور یہ دنیاوی عورتوں کے علاوہ ہوں گی جن کا مرتبہ ان سے بہت بلند ہو گا۔

آگے اللہ نے جنتیوں کی ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے يَدْعُوْنَ فِيْهَا

يَخْتَارُونَ ـ لَحْمِ طَيْرٍ۔ جنتی لوگ جنت میں ہر قسم کا پھل امن اور دلجمعی کے ساتھ طلب کریں گے جو انہیں مہیا کیا جائے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ جونہی کسی جنتی کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش پیدا ہوگی، اُس پھل کا درخت خود جنتی کے قریب آ کر جھک جائے گا۔ وہ اُس پھل کو اتار کر استعمال کرے گا اور اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آ جائے گا۔ آمِنِينَ سے مراد یہ ہے کہ پھل کے طلب اور حصول میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوگی۔ نہ موسم کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور نہ کسی پھل کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوگا۔ بلکہ جب اور جتنی مقدار میں کوئی جنتی کوئی سا پھل حاصل کرنا چاہے گا، فوراً حاضر کر دیا جائے گا۔ جہاں تک پھل کے ذائقہ کا تعلق ہے وہ نہایت ہی لذیذ ہوگا۔ اس دنیا میں تو بعض پھل کڑوے، کسیلے اور طبیعت پر ناگوار بھی ہوتے ہیں مگر جنت میں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر پھل ایسا خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہوگا جس کا اندازہ اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ پھلوں کے علاوہ پرندوں کے گوشت کا ذکر بھی قرآن میں آتا ہے۔ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ (الواقعة - ۲۱) اور ان کی خواہش کے مطابق پرندوں کا گوشت بھی میسر ہوگا۔ جس قسم کا گوشت پسند کریں گے بغیر کسی مشقت کے حاصل ہوگا۔ غرضیکہ راحت کے اس مقام پر ہر جنتی کو مکان، خوراک، لباس اور بیوی جیسے آسائش کے سامان میسر ہوں گے۔ دنیا میں تو انسان کو کسی وقت بھی مکمل چین نصیب نہیں ہوتا۔ اور بقول سعدی صاحب انتہائی عیش و آرام کے لمحات میں بھی اندیشہ اجل موت کا درپیش ہے گویا موت کا خیال آتے ہی سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ پھر دنیا میں کسی نعمت، مال و دولت، مکان، زمین، کاروبار، کارخانہ، اولاد وغیرہ کے چھن جانے کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔ مگر جنت میں ایسی کوئی فکر لاحق نہیں ہوگی۔ جنت کی زندگی بھی دائمی ہوگی کہ اس میں موت کا خطرہ نہیں ہوگا اور وہاں کی نعمتیں بھی دائمی ہوں گی جن کے چھین جانے کا کوئی ڈر نہیں ہوگا۔

فرمایا لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وہاں موت کا کوئی خوف نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ جو موت دنیا میں آ چکی۔ اب دوبارہ موت

نہیں آئے گی۔ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب
سے بھی ہمیشہ کے لیے بچائے گا۔ اب ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ فرمایا فَضْلًا
مِّنْ رَّبِّكَ حاصل ہونے والی یہ تمام نعمتیں تیرے پروردگار کی طرف سے فضل اور مہربانی
ہے۔ اس کی مہربانی سے دنیا میں پاکیزگی نصیب ہوئی، صحیح عقیدہ اور نیک عمل نصیب
ہوا۔ پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ کردار ملا اور پھر آخرت میں یہ نتیجہ اور دائمی نعمتیں حاصل
ہوئیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ
اور درحقیقت یہ بہت بڑی کامیابی ہے جسے حاصل ہوگئی۔ دوسری جگہ موجود ہے
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران - ۱۸۵)
جو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ وہ ایسی پُرامن
زندگی میں داخل ہو گیا جہاں کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اس
دنیا میں تو ہر وقت کسی نہ کسی خطرے کے بادل انسان کے سر پر منڈلاتے رہتے ہیں
بڑی سے بڑی سلطنت بھی ہو تو اس کے چھن جانے کا خطرہ ہوتا ہے کہ آج ہے
تو ہو سکتا ہے کہ کل نہ ہو سے

یہ عالم روا روی پہ ہے
ہر چند کہیں ہے نہیں ہے   غالب

ابدی آرام و راحت جنت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید
نصیحت

سورۃ کے آخر میں اللہ نے اس کے مضامین کو دہرایا ہے۔ قرآن کریم کی
صداقت اور حقانیت کے متعلق فرمایا فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ بیشک ہم
نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے، اور اس کی غایت یہ ہے
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اللہ نے قرآن کریم کو اپنے
پیغمبر اور اس کی قوم کی مادری زبان میں نازل فرمایا۔ اس کا یہ عام قانون ہے کہ ہر
نبی کو اس کی اپنی زبان میں ہی خدا کا پیغام پہنچایا جاتا ہے تاکہ وہ اسی زبان میں اپنے
تکے قوم تک پہنچا سکے۔ حضور علیہ السلام کی مادری زبان عربی تھی اور یہی زبان آپ کے

خاندان قریش کی تھی، لہذا اللہ نے قرآن بھی اسی زبان میں نازل فرمایا لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا تاکہ آپ کی قوم کے لوگ باقی لوگوں کے معلم بن جائیں اور حضور علیہ السلام ان کے معلم ہوں۔ اسی وجہ سے ابتدائی دور کے لوگوں کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اللہ کے پروگرام کو نہیں سمجھا۔ قرآن عربی میں نازل کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اس کے اولین مخاطبین اس کو سمجھ کر آگے پہنچا سکیں۔ اسی لیے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بننے میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہی ہونی چاہیئے تاکہ بچے کا ذہن اسے قبول کرے اور پھر اس میں پختہ ہو جائے۔ یہاں تو لوگ ابتدا ہی انگریزی زبان سے کرتے ہیں حالانکہ یہ غیر فطری چیز ہے۔ بعد میں بیشک جونسی زبان چاہے سیکھے مگر آغاز اپنی زبان میں ہی ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل ۔ ۱۵) ہم کسی قوم کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کرتے جب تک اس کے پاس اپنا رسول نہیں بھیج دیتے۔ رسول چونکہ اپنی قوم کی زبان بولتا ہے لہذا وہ انہیں احکام الٰہی اچھی طرح سمجھا دیتا ہے اور دین کے سمجھنے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کیونکہ وہ تمام جزئیات کو واضح کر دیتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ایمان اور توحید کو اختیار نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے میں حق بجانب ہوتا ہے۔

انتظار اپنا اپنا

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر! فَانْتَظِرْ پس آپ انتظار کریں، کیونکہ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ آپ کے مخالفین بھی انتظار کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ کب آپ کا مشن ناکام ہوتا ہے اور آپ کے ساتھی شکست کھا جاتے ہیں، جب کہ آپ کا انتظار اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں بھی نافرمانوں کو سزا دے دیتا ہے اور آخرت کی دائمی سزا تو آگے آنے والی ہے۔ آپ انتظار کریں اور دیکھیں کہ ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔

سُورة

الجاثيه

مكيّة

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ جاثیہ مکی ہے۔ اس کی سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤

ترجمہ: حٰمٓ ① اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست اور حکمتوں والا ہے ② بے شک آسمانوں اور زمین میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے ③ اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو پھیلاتا ہے وہ جانور، نشانیاں ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے ④ اور رات اور دن کے اختلاف میں، اور جو اتارا ہے اللہ نے آسمان کی طرف سے روزی، پس زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو

اُس کے خشک ہونے کے بعد اور ہواؤں کو پھیرنے میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ⑤

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الجاثیہ ہے جو اس کی آیت ۲۸ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً اور تم ہر گروہ کو گھٹنے ٹیکے ہوئے پاؤ گے۔ یہ قیامت والے دن حساب کتاب کی منزل کا ذکر ہے کہ اس دن لوگ نہایت عاجزی کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ مفسرین کرام اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ الشریعہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی آیت ۱۸ میں شریعت کا ذکر بھی آتا ہے۔ ایک سورۃ کے متعدد نام ہونا کچھ غیر معروف بات نہیں کیونکہ سورۃ الفاتحہ کے ہم پندرہ نام بھی پڑھ چکے ہیں۔ بعض مفسرین اس کا نام حٰمٓ الجاثیة۔ یا حٰمٓ الشریعة بھی ذکر کرتے ہیں۔

یہ سورۃ حوامیم سبعہ کی چھٹی سورۃ ہے اور مکی زندگی کے آخری دور میں بی ترتیب سے نازل ہوئی۔ اس سورۃ کی سینتیس ۳۷ آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۴۹۴ کلمات اور ۲۶۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ گذشتہ حوامیم سورتوں میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ تمام سورتیں لباب القرآن یعنی قرآن کریم کا خلاصہ کہلاتی ہیں کہ ان میں اسلام کے چاروں بنیادی عقائد توحید، رسالت معاد اور قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت کو مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے گذشتہ سورۃ میں جزائے عمل کے سلسلہ میں انذار کا پہلو غالب تھا اور اس سے پہلی سورۃ میں توحید کے دلائل کی طرف زیادہ رُخ تھا۔ اب اس سورۃ میں بھی توحید اور جزائے عمل ہی کا ذکر ہے۔ گذشتہ سورۃ میں قوم تبع اور فرعون کے غرور و تکبر اور اُس کی ہلاکت کا ذکر تھا، تو اس سورۃ میں بعض لوگوں کی نافرمانی اور اُن کے انجام کا بیان آ رہا ہے۔

حروف مقطعات

دیگر حوامیم سورتوں کی طرح اس سورۃ کی ابتداء بھی حروفِ مقطعات حٰمٓ سے ہوتی ہے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام نے ان حروف کے معانی نہیں بتائے۔ تاہم مفسرین کرام لوگوں کی تقریبِ فہم کے لیے ان حروف کے بعض معانی بیان کرتے

ہیں۔ اور ان کا تذکرہ گزشتہ سورتوں کے آغاز میں بھی کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین کا قول ہے حٰمٓ خدا تعالیٰ کے اسمائے پاک میں سے ایک اسم ہے جیسا کہ ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

یُذَکِّرُنِی حٰمٓ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَهَلَّا تَلَا حٰمٓ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

کہ میرا مقابل مجھے حٰمٓ کا واسطہ دیکر لڑائی بند کرنا چاہتا ہے مگر اس نے یہ واسطہ لڑائی شروع ہونے سے قبل کیوں نہ پیش کیا تاکہ لڑائی کی نوبت ہی نہ آتی۔ گویا حٰمٓ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کے واسطے سے ایک فریق لڑائی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ ہر حرف مقطعہ کا اشارہ کسی خاص حقیقت کی طرف ہوتا ہے مثلاً یہاں پر ح کا اشارہ حکم کی طرف اور م کا ملک، مالک یا مجید کی طرف ہو سکتا ہے اور مفہوم یہ بنتا ہے کہ حکم ازلی اور ملک ابدی اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے۔ گویا قرآن کریم اور اس سورۃ کا نزول حکم ازلی اور ملک ابدی کے نظام کا ایک حصہ ہے۔ اس بات کی تائید قرآن کریم کی بعض دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جیسے فرمایا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام-۵۷) حکم اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (الانعام-۶۲) خبردار! حکم اسی کا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن-۱۶) آج بادشاہت کس کی ہے؟ اکیلے اور غالب خدا کی غرضیکہ عہد عظیم اور بقائے دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ باقی ہر چیز فانی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حمد کی طرف ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حمد ہر بندے کے لیے ہر حالت میں ضروری ہے۔ فرشتے بھی ہر وقت اللہ کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔ اور دیگر ہر چیز بھی اللہ کی حمد وثنا کرتی رہتی ہے جیسے قرآن کے مختلف مقامات پر اس کا ذکر موجود ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(الحدید ۱:۱۰) ارض و سماکی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حٰم کا اشارہ انسان کی قوتِ علمیہ کی طرف ہو سکتا ہے اور مطلب یہ کہ ہر بندے کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوتِ علمیہ کو درجۂ کمال تک پہنچائے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ الحی کی طرف اور م کا اشارہ القیوم کی طرف ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ خود زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشتا ہے۔ وہ خود قائم ہے اور ہر چیز کو وہی قائم رکھتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حقانیت کی طرف ہو سکتا ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء عدم کا رنگ رکھتی ہیں۔ جب کہ حق اور ثابت صرف ذاتِ خداوندی ہے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بعض فرماتے ہیں کہ کائنات اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزیں دراصل قدرتِ خداوندی کے مظاہر ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شیون اور آیات میں غور و فکر کرے تاکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی حقانیت معلوم ہو سکے اور وہ توحیدِ الٰہی کو سمجھ سکے۔ جو شخص نشاناتِ قدرت میں غور و فکر نہیں کرتا وہ دراصل اندھا ہے اور اسی لیے وہ توحید کا انکار کرتا ہے۔ غرضیکہ جس طرح انسان آئینے میں اپنی شکل دیکھ سکتا ہے، اسی طرح وہ ان مظاہرِ قدرت کے ذریعے خدا تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ح کا اشارہ حیات کی طرف اور م کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو سکتا ہے، اور اس طرح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی حیات کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حمایت کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مخالفین پر واضح کر دیا ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی حمایت کا ذمہ خود اٹھا لیا ہے۔ وہ دنیا میں ضرور آپ کی مدد کرے گا اور دینِ اسلام کو پھیلائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے پیروکاروں کے اپنے حالات کی خرابی کے باوجود یہ دین قیامت تک قائم رہے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی متعدد کتب الخیر الکثیر، الفوز الکبیر اور ھوامع وغیرہ میں لکھتے ہیں کہ حروف مقطعات کے معانی ذوقی یا کشفی طور پر ہی معلوم ہو سکتے ہیں چنانچہ اللہ نے اس ذریعے سے مجھے ان حروف کے یہ معانی القا کیے ہیں اِجْمَالٌ نُوْرَانِیٌّ مُتَشَعْشِعٌ یعنی یہ ایک نورانی اجمال ہے جو اس مادی اور متدنس جہان میں لوگوں کے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کے ساتھ ٹکراتا ہے اور لوگوں کے شکوک وشبہات کے مقابلے میں حق کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا یہ اجمالی نورانیت باطل عقائد و اعمال کی تردید اور حقیقت حال کو واضح کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن کی یہ سورۃ یا کوئی دوسری سورۃ دیکھ لیں کہ ان حروف کے اجمال کے ذریعے سورۃ میں پیش آنے والے مضامین کی تفصیل بیان کر دی جاتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے معانی کے متعلق زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ قرآن پاک کا زیادہ حصہ تو محکم آیات پر مشتمل ہے جن کا مطالب اور مفہوم واضح ہے۔ دوسرا حصہ متشابہات کا ہے۔ ان آیات کے معانی تو معلوم ہیں مگر اُن کی حقیقت معلوم نہیں۔ اور تیسرا حصہ حروف مقطعات کا ہے جن کے نہ تو معانی ٹھیک ٹھیک معلوم ہیں اور نہ ہی مفہوم کو واضح کیا گیا ہے بلکہ ان کو اسرار کے طور پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حروف کے بارے میں حضور علیہ السلام سے کوئی تفصیل منقول نہیں۔ ہاں! صحابہ کرامؓ کے زمانے میں جب قرآن کریم کی وسیع اشاعت ہوئی، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان حروف کے متعلق کچھ بیان فرمایا مگر وہ بھی یقینی نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ میں زیادہ صحیح اور سلامتی والا راستہ وہی ہے جو امام سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ یعنی ان حروف کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا اُس پر ایمان ہے کہ وہ برحق ہے۔ بہت سی چیزیں ہماری عقل وفہم سے بالاتر ہیں، لہٰذا ہمیں اس معاملہ میں زیادہ کرید نہیں کرنا چاہیے کہ اس طرح گمراہی میں پڑ جانے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

نزول کتاب

دیگر حوامیم سورتوں کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو کمال قدرت کا مالک، زبردست، اور حکمتوں والا ہے۔ مشرکین مکہ اکثر اعتراض کرتے تھے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام ہے۔ بعض کہتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض عجمی غلام کوئی چیز سکھا دیتے ہیں جس کو وہ قرآن بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے مختلف مقامات پر اس اعتراض کی تردید فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے اور اسی کی طرف سے اپنے نبی آخر الزمان علیہ السلام پر نازل کیا گیا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔ قرآن کریم کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہے۔

ارض وسما بطور نشانات قدرت

اگلی آیت میں اللہ نے توحید اور معاد کے بعض مشترکہ دلائل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ بیشک آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں آپ کو سورج، چاند اور نیلگوں سطح نظر آئے گی۔ رات کے وقت چمکنے والے کروڑوں کی تعداد میں سیارے اور ستارے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور پھر ہمارے پاؤں تلے آنے والی زمین کا اپنا وجود اور زمین کی سطح پر پائی جانے والی کروڑوں اشیاء شجر و حجر وغیرہ۔ پھر زمین کے اندر کے حالات اور اس میں پائی جانے والی معدنیات، پانی، گیس اور تیل وغیرہ۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے سورج سے زمین کو الگ کیا ہے، سائنس دان، مورخ اور ماہرین ارضیات وغیرہ تحقیقات کر رہے ہیں مگر اس زمین سے متعلق پوری معلومات حاصل نہیں کر سکے۔ ابھی تک زمین میں نیچے کی طرف صرف آٹھ میل تک کھدائی کی جا سکی ہے اور اس حد تک پائی جانے والی اشیاء کے متعلق معلومات حاصل کی جا سکی ہیں۔

اس سے آگے سخت چٹانیں کھدائی میں مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔ نامعلوم آگے جا کر کیسے کیسے انکشافات منظرِ عام پر آنے والے ہیں۔

زمین دیگر آسمانی کُروں کی نسبت بہت چھوٹا سیارہ ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق سورج زمین سے تیرہ لاکھ گُنا بڑا ہے اور اس سے بڑے بڑے سیارے بھی کائنات میں موجود ہیں۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ شعریٰ ستارہ جس کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ وہ سورج سے بھی بلین گُنا بڑا ہے۔ باریک باریک کروڑوں ستاروں سے بنی ہوئی رات کو نظر آنے والی کہکشاں کی حقیقت کو کون جان سکتا ہے کہ اس میں کون کون سے راز پوشیدہ ہیں۔ زمین کے اردگرد پانچ چھ سو میل تک ہوا کا خول چڑھا ہوا ہے۔ اس ہوا میں بہت سی گیسیں ہیں۔ جن میں سے اہم ترین گیس آکسیجن ہے جس پر تمام جانداروں بلکہ نباتات کی زندگی کا بھی انحصار ہے یہ ایک لطیف گیس ہے جو ہر سانس کے ذریعے ہر جاندار کے جسم کے اندر جا کر خون کو صاف کرتی ہے اور بقائے حیات کا ذریعہ بنتی ہے۔ بہرحال فرمایا کہ زمین اُس کے اندر اور باہر پائی جانے والی چیزوں میں مومنوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر انسان ان میں غور و فکر کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔

جانداروں کی تخلیق

ارض و سما کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَفِیْ خَلْقِکُمْ اور تمہاری اپنی پیدائش میں بھی بیشمار نشانیاں ہیں۔ سورۃ الذّٰریٰت میں ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (آیت-۲۱) اور تمہارے نفسوں میں بھی اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں رکھی ہیں۔ کیا تم ان کا مشاہدہ نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں کتنے قوائے ظاہرہ اور باطنہ رکھے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی دماغی صلاحیت، اعصاب، خون، معدہ، جگر، نظامِ تناسل وغیرہ سب حیرت انگیز چیزیں ہیں۔ سائنسدان اور ڈاکٹر ابھی تک انسانی جسم کے صرف پنتالیس فیصد حصہ میں تحقیق مکمل کر چکے ہیں۔ جب کہ باقی پچپن فیصدی جسم کے متعلق تحقیقات ابھی باقی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اپنی تخلیق اور ہیئتِ وجود میں بھی غور کرو کہ اللہ نے کس طرح انسان کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اسے کس قدر شرف بخش کر اُسے اشرف المخلوقات بنا دیا اور اس کے اردگرد پھیلی ہوئی تمام چیزیں اُس کی خدمت

پر مامور کر دیں۔ یہ سب نشاناتِ قدرت و توحید ہیں۔ فرمایا نہ صرف تمھاری اپنی تخلیق میں بلکہ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ جو جاندار اللہ نے پھیلائے ہیں، وہ بھی اس کی قدرت کے نشانات ہیں۔ اللہ نے زمین کے اوپر، اس کے اندر اور فضا میں لاکھوں اور کروڑوں قسم کی جاندار مخلوق پھیلا دی ہے، جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ سمندروں کے اندر رہنے والی آبی مخلوق کا شمار تو ویسے ہی ناممکن ہے۔ انسان محض چند اقسام سے واقفیت حاصل کر سکا ہے ورنہ نامعلوم اللہ تعالیٰ نے پانی کی تہہ میں کتنی مخلوق آباد کر رکھی ہے۔ فرمایا یہ سب کچھ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کے نشانات ہیں، جو ان کے مشاہدہ کے بعد فوراً پکار اٹھتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران - ۱۹۱) پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بیکار محض پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان چیزوں میں تیری وحدانیت کے دلائل ہیں۔

شب و روز کا تغیر و تبدل

فرمایا وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ دن رات کے تغیر و تبدل میں بھی اللہ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ نے دن رات کا ایسا سلسلہ قائم کیا ہے، جو تمام جانداروں کے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔ لوگ دن کے وقت کام کاج میں مصروف رہتے ہیں، محنت مشقت کرتے ہیں، کارخانے چلاتے ہیں، کھیتی باڑی کرتے ہیں اور پھر جب وہ دن بھر کے کام سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں جس کے دوران لوگ آرام کرتے ہیں، اُن کی زائل شدہ قوتیں بحال ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اگلے دن کے کام کے لیے پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات کا نظام ایسے منظم طریقے سے قائم کر رکھا ہے کہ یہ مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ اللہ نے ایسا انتظام فرما دیا کہ نہ تو سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰسٓ - ۴۰) اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے، بلکہ سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ اور اس طرح کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اور

پھر اس کے نتیجے میں سال بھر کے موسم بھی آگے پیچھے آتے ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی بلکہ نباتات اور جمادات کے لیے بھی نہایت ضروری ہیں۔

نزولِ رزق

آگے اللہ تعالیٰ نے نزولِ رزق کو بھی اپنی قدرت کی نشانی بتلایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ اور اللہ نے آسمان کی طرف سے جو رزق نازل فرمایا ہے، یہ بھی اُس کی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ یہاں پر رزق سے مراد بارش ہے جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور روزی مہیا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ لوگو! اُس اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ (آیت - ۲۲) اور آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور اس کے ذریعے پھل پیدا کیے جو تمہارے لیے روزی کا سامان ہے۔ پانی کے ذریعے اناج اور پھل پیدا کرنا اور پھر ان کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچانا جو جانداروں کے لیے سال بھر کی روزی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہی ممکن ہے، وگرنہ جب وہ چاہتا ہے تو طوفان آجاتے ہیں، سیلاب آجاتے ہیں تو فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اور انسان کی تمام تر محنت کے باوجود اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بعض اوقات خشک سالی کی وجہ سے اناج پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے جو آسمان کی طرف سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کیا ہے اس میں بھی تمہارے لیے بہت سی نشانیاں ہیں بشرطیکہ تم غور و فکر کرو۔ اسی نے آسمان کی طرف سے بارش نازل فرمائی فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا پھر اس کے ذریعے خشک زمین کو زندگی یعنی تروتازگی بخشی۔ اس میں قوتِ روئیدگی پیدا ہوئی انسان نے بیج ڈالا۔ اُس کی حفاظت کی تو اللہ نے اناج اور پھل وغیرہ پیدا کر کے انسانوں اور جانوروں کو روزی بہم پہنچا دی۔

ہواؤں کی گردش

فرمایا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اور ہواؤں کی گردش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ہوائیں کبھی مشرق سے چلتی ہیں، کبھی مغرب سے، کوئی طوفان لاتی ہیں اور کوئی بارش

کوئی ہوا گرم ہوتی ہے اور کوئی یخ بستہ اور کوئی بادِ صبا کی طرح نرم و نازک ہر قسم کی ہوا میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی مصلحت رکھی ہے۔ فرمایا ان سب اشیاء میں اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ نشاناتِ قدرت ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں جو لوگ عقل و خرد سے عاری ہیں ان کے متعلق فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (انفال ۲۲) کہ ایسے لوگ تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں اور گونگے اور بہرے ہیں۔ عقل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہت بڑی نعمت ہے جس کو بروئے کار لا کر انسان نشاناتِ قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتے ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ
بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ
اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹﴾ مِنْ وَّرَآئِهِمْ
جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا
مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ :- یہ آیتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی جنہیں ہم سناتے ہیں آپ کے سامنے حق کے ساتھ ۔ پس کس بات پر اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر یہ لوگ ایمان لائیں گے ﴿۶﴾ ہلاکت ہے ہر جھوٹ بولنے والے گنہگار کیلئے ﴿۷﴾ جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ۔ پھر اصرار کرتا ہے وہ تکبر کرتے ہوئے گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں ۔ پس خوشخبری

سنا دیں اس کو دردناک عذاب کی (۸) اور جب وہ معلوم کر لیتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی چیز کو۔ تو بناتا ہے اُس کو ٹھٹھا کیا ہوا۔ یہی لوگ ہیں جن کیلیے ذلّت ناک عذاب ہے (۹) اُن کے آگے دوزخ ہے اور نہیں کام آئے گا اُن سے جو انہوں نے کمایا کچھ بھی۔ اور نہ وہ کہ جنکو بنایا ہے انہوں نے اللہ کے سوا کارساز۔ اور اُن کے لیے عذاب عظیم ہے (۱۰) یہ قرآن سراسر ہدایت ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ۔ اُن کے لیے عذاب ہے شدید اور دردناک (۱۱)

سورۃ کی ابتداء میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے لے کر لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ تک اپنی توحید کے بعض دلائل اجمالاً ذکر کیے۔ اب انہی دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم پڑھتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ۔ یعنی ان آیات کو صحیح صحیح۔ سچے انداز میں۔ حقیقت کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تاکہ ان میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

آیات آیت کی جمع ہے اور قرآن پاک میں یہ لفظ نشانی، علامت، دلیل، حجت، معجزہ یا جملہ کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم اس مقام پر آیات سے مراد علامات اور دلائل لیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات حٰمٓ کا اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ح سے مراد حاوی ہونا، مشتمل ہونا یا گھیر لینا ہے اور یہ سورۃ حاوی الحجج یعنی بہت سے دلائل پر مشتمل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں بہت سے دلائل توحید اور دلائل وقوع قیامت بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح مفسرین فرماتے ہیں کہ م سے مراد ماحی الحجج

یعنی جھگڑے اور فساد کو مٹانے والی۔ اس حرف کا یہ معنیٰ بھی صادق آتا ہے۔ کیونکہ یہ سورۃ اپنے دلائل کے ذریعے اختلافات کو مٹانے والی ہے۔ بہرحال یہاں پر آیات سے مراد علامات یا دلائل ہیں۔

دلائل کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ذرا آسمانوں، زمین تخلیق انسانی اور تخلیق حیوانات میں غور و فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح آسمان کی طرف سے بارش نازل فرما کر خشک زمین کو زندہ کرتا ہے۔ ہواؤں کو گردش میں لاتا ہے اور تمام انسانوں، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے لیے روزی کا سامان مہیا کرتا ہے اگر انسان ان دلائل میں غور و فکر کرے تو وہ جان سکتا کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کون انجام دے سکتا ہے جو حکیم علی الاطلاق اور قادرِ مطلق ہے۔ بہرحال یہ ایسی علامات ہیں۔ جن کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کی توحید کو پہچان سکتے ہیں۔

اللہ کی آخری کتاب

فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو اللہ نے قرآن کی شکل میں اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے اللہ نے اس آخری امت کے لیے تمام شرائع، احکام اور زندگی بھر کا پروگرام نازل فرما دیا ہے اب یہ اس امت کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب پر صدقِ دل سے ایمان لائیں، اس کی آیات کو پڑھیں، سمجھیں اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جائیں کہ ان کی دائمی فلاح کا مدار اسی کتاب پر ہے۔ فرمایا اگر لوگ اس کتاب الٰہی پر بھی یقین نہیں کریں گے فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کردہ علامات اور دلائل کے بعد کون سی چیز آئے گی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ کا آخری پروگرام تو آچکا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی پروگرام۔ اگر اس کو بھی نہیں مانیں گے تو آگے تو کچھ بھی نہیں، پھر یہ کس چیز کو مانیں گے۔ ظاہر ہے کہ پھر تو اللہ کی ہدایت سے یکسر محروم ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ کی ناکامی کا منہ دیکھیں گے۔

یہاں پر قرآن پاک کے لیے حدیث کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ سورۃ الزمر میں ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (آیت ۲۳) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے بہترین بات کے لیے کتاب اتاری ہے جو آپس میں ملتی جلتی اور دہرائی جانے والی ہے حدیث کا لغوی معنیٰ بات یا کلام ہی ہے۔ اسی طرح سورۃ المرسلٰت کی آخری آیت بھی یہی ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ اس بات یعنی قرآن حکیم کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو جھوٹ، کمزوری اور خلافِ واقعہ امور سے پاک ہے۔ اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کو مضبوطی سے تھام لو کہ تمہارے مسائل کا حل اور تمہاری ابدی کامیابی کا راز اسی قرآن میں مضمر ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا تو پھر انسان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ اور ہمیشہ اندھیرے میں ٹکریں مارتا رہے گا۔ اُسے صراطِ مستقیم نصیب نہیں ہوگا۔

جھوٹوں کی ہلاکت

آگے اللہ نے قرآن پاک سے اعراض کرنے والوں کو جھوٹا کہا ہے اور ان کے لیے سخت وعید سنائی ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ ہر جھوٹ بولنے والے کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے اور یہاں پر جھوٹے سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قرآن پاک کے پیش کردہ دلائل، شریعت اور دین کو چھوڑ کر جھوٹی باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں اور نہ ہی وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا من گھڑت ہے۔ نعوذ باللہ۔ فرمایا ایسے شخص کے لیے تباہی و بربادی ہے جو نہ صرف جھوٹا ہے بلکہ اس جھوٹ کی وجہ سے اَثِيْمٍ یعنی گنہگار، مجرم اور پاپی بھی ہے۔

اور اس کی حالت یہ ہے يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ جو اللہ کی اُن آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں، مگر اُن میں غور و فکر نہیں کرتا اور نہ ہی ان سے اثر قبول کرتا ہے۔ بلکہ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا پھر وہ ضد کرتا ہے اور اپنی اس ہٹ دھرمی پر اصرار کر کے متکبر بن جاتا ہے۔ آیات الٰہی کی کچھ پرواہ نہیں

کرتا ہے كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا گویا کہ اس نے ان آیات کو سنا ہی نہیں۔ حالانکہ ان کی آواز اس کے کانوں تک پہنچی۔ مگر اس بدبخت نے سنی ان سنی کر دی۔ ایسے شخص کے متعلق فرمایا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ کہ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ بشارت تو اچھی خبر کے لیے بولا جاتا ہے مگر یہاں پر اس شخص کے عذاب جیسی بری خبر کو تہکماً بشارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بشارت محض خبر کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس مقام پر یہی معنی ہے کہ ایسے لوگوں کو خبردار کر دو کہ ان کے لیے عذاب الیم تیار کیا گیا ہے۔

شعائر اللہ سے تمسخر

فرمایا قرآن سے اعراض کرنے والوں کی ایک بری خصلت یہ بھی ہے۔ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا جب ہماری آیات میں کوئی چیز معلوم کرتا ہے تو بنا لیتا ہے اس کو ٹھٹھا کیا ہوا۔ ہر نبی کی قوم کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی انہیں کوئی اچھی بات بتائی گئی۔ خدا کا پیغام پہنچایا گیا۔ تو انہوں نے اس کا تمسخر اڑایا۔ مشرکین مکہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور اس کے بعد بھی لوگ اللہ کے نیک بندوں کا مذاق ہی اڑاتے رہے ہیں۔ جب ابوجہل نے سورۃ الدخان کی یہ آیات سنیں إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ الْأَثِيمِ بے شک تھوہر کا درخت گنہگاروں کی خوراک بنے گا۔ تو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں زقوم سے ڈراتا ہے حالانکہ ہمارے ہاں تو زقوم کھجوروں کو کہا جاتا ہے جو ہم روزمرہ کھاتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام نے واقعہ معراج بیان کیا تو ابوجہل نے تمسخر اڑایا کہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ مسلمان نماز پڑھتے تو مشرکین کہتے کہ یہ پیٹھ کھڑی کرتے ہیں۔ ابولہب نے کہا کہ میں اس عمر میں پشت اونچی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ لوگ معجزات کے ساتھ بھی ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جادو ہے جو پہلے بھی ہوتا تھا اور آج بھی ہوتا ہے شعائر اللہ کے ساتھ ٹھٹھا کرنا بدترین قسم کا کفر ہے۔ قرآن کی آیات۔ دلائل احکام۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج سب شعائر اللہ ہیں۔ جن کی توہین ایمان والوں کے لیے ہرگز روا نہیں ہے۔ سورۃ مائدہ میں موجود ہے وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى

الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا (آیت ۵۸) اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو مشرک لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ جب تم دشمن کی سرزمین میں جاؤ تو اپنے ساتھ قرآن پاک نہ لے جاؤ کَیْ لَا یَنَالَہُ الْعَدُوُّ وَیَبْسُوْئہٗ مبادا کہ دشمن اس کی توہین کا مرتکب ہو۔ ہاں اگر لشکر بڑا ہو اور تمہیں دشمن پر قابو پا لینے کی امید ہو تو پھر قرآن کو ساتھ لے جا سکتے ہو۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے میں خود مسلمان قرآن پاک کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بعض پیرنما شیاطین قرآن پڑھ کر جلا ڈالتے ہیں۔ چند سال پہلے فیصل آباد میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ بعض مصور آیات قرآنی کو کارٹون کی صورت میں پیش کرتے ہیں، یہ بھی بے ادبی ہے۔ قرآنی آیات والے اوراق کو ردی کے طور پر استعمال کر کے ان میں سودا سلف دیا جاتا ہے یہ کس قدر بے ادبی کی بات ہے حالانکہ قرآن سے بڑھ کر کون سی باعزت چیز ہے؟ بعض نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ علمِ دین حاصل کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ لوگ بسم اللہ کے گنبد سے ہی باہر نہیں نکلتے۔ ایسے لوگ سائنس، ٹیکنالوجی فلسفہ اور انجینئرنگ کو ہی اعلیٰ تعلیم سمجھتے ہیں اور دین کے علم کو حقیر جانتے ہیں۔ یہ سب کفریہ باتیں ہیں جن کی قرآن پاک نے مذمت بیان کی ہے۔

مشرکین کے لیے سزا

فرمایا کہ جب کسی مشرک کو ہماری آیات میں سے کسی چیز کا علم ہوتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ کہ ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی مِنْ وَّرَآئِھِمْ جَھَنَّمُ ان کے آگے جہنم ہوگی۔ وراء کا لفظ اضداد میں سے ہے یہ آگے اور پیچھے دونوں معانی میں آتا ہے، تاہم یہاں پر آگے مراد ہے کہ ایسے لوگوں کے آگے دوزخ ہے اور جب وہ وہاں پہنچیں گے وَلَا یُغْنِیْ عَنْھُمْ مَّا کَسَبُوْا شَیْئًا تو ان کی کمائی ان کو جہنم سے بچا نہیں سکے گی۔ مطلب یہ کہ اس وقت ان کا علم، ہنر، سائنس، ٹیکنالوجی، فلسفہ اور حلال و حرام ذرائع سے حاصل کردہ

دولت کچھ کام نہیں آئے گی۔ وَلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ اور نہ وہ کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنالیا، دنیا میں جن کو نذر و نیاز پیش کرتے رہے، جن کی قبروں پر سجدے کرتے رہے غلاف چڑھاتے رہے، اُن پر عرس مناتے رہے۔ اُن کی دہائی دیتے رہے۔ یا علی اور یا غوث کے نعرے لگاتے رہے، جنوں، شیاطین اور فرشتوں کو مدد کے لیے پکارتے رہے، اور جن جن کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہے، وہ قیامت والے دن کچھ کام نہ آئیں گے۔ اُس دن اللہ کے نبی، مقرب فرشتے اور اولیاء اللہ بیزاری کا اظہار کریں گے کہ ہم نے تو انہیں اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ تو خود شیطان کے نقش قدم پر چل کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنایا اُن کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے آیات الٰہی کو سنی ان سنی کر دیا، اُن کا مذاق اڑایا اور بالآخر دائمی سزا کے مستحق ٹھہرے۔

قرآن سراپا ہدایت

آخر میں اللہ نے قرآن کریم کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا هٰذَا هُدًى یہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے، یہ سورۃ، اس کے دروس، احکام، مثالیں اور معجزات ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ انہی کے ذریعے انسانوں کو ذہنی اور فکری بلندی حاصل ہوتی ہے، وہ حد کمال تک پہنچتے ہیں اور خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ جنہوں نے اپنے رب کی آیات، دلائل، احکام اور معجزات کا انکار کیا۔ توحید، رسالت اور بعث بعد الموت پر یقین نہ کیا، فرمایا لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ اُن کے لیے شدید اور دردناک عذاب ہے۔ مغرور، متکبر اور سرکش لوگ جہل مرکب کا شکار ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے ذہنی، روحانی اور جسمانی ہر قسم کا سخت ترین عذاب ہوگا، کیونکہ انہوں نے آیات الٰہی کا تمسخر اڑایا، اللہ کی آیات کو سنی ان سنی کر دیا۔ قرآن کے پروگرام کو مغلوب کرنے کی کوشش کی اور جزائے عمل کی منزل سے بے خوف ہوگئے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ وَسَخَّرَ
لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ⑬ قُلْ لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ
قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑭ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی
الْعٰلَمِیْنَ ⑯ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا
اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا
فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ⑰

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے مسخر کیا ہے تمہارے
لیے سمندر کو تاکہ چلیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے۔
اور تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل سے، اور تاکہ تم شکر...

ادا کرو (۱۲) اور مسخر کر دیا ہے اُس نے تمھارے لیے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں سب اُسی کی طرف سے ہے۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں (۱۳) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر) اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ درگذر کریں اُن لوگوں سے جو اُمید نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی۔ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو اُس چیز کا جو وہ کماتے تھے (۱۴) جس نے اچھا عمل کیا پس اپنے نفس کے لیے اور جس نے بُرا کیا پس اُسی پر ہوگا اُس کا وبال۔ پھر تمھارے رب کی طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے (۱۵) اور البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت، اور روزی دی ہم نے اُن کو پاکیزہ چیزوں سے اور فضیلت بخشی ہم نے اُن کو جہان والوں پر (۱۶) اور دیں ہم نے اُن کو کھلی نشانیاں دین کے معاملے میں۔ پس نہیں اختلاف کیا انہوں نے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آگیا۔ سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان۔ بیشک تیرا پروردگار فیصلہ کرے گا اُن کے مابین قیامت کے دن اُن چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے (۱۷)

ربط آیات

سورۃ الجاثیہ کی ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت وصداقت بیان ہوئی اور پھر اللہ نے توحید اور معاد کے مشترکہ دلائل ذکر کیے۔ پھر نافرمانوں کی گمراہی پر اصرار کا ذکر ہوا۔ اور جزائے عمل کے طور پر انہیں جہنم کی وعید سنائی گئی۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس دنیا میں جو کچھ کماتے ہیں وہ قیامت والے دن کچھ کام نہیں آئیگا اور نہ ہی اُن کے خود ساختہ معبود کچھ کام آئیں گے جن کو یہ اپنا کارساز اور حاجت روا

سمجھتے تھے۔ اور یہ لوگ عذابِ عظیم میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ نے دلائلِ توحید ہی کے ضمن میں فرمایا ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ
اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے۔ تسخیر کا
معنی قابو میں لانا ہوتا ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ بعض چیزیں انسان کے اپنے قبضہ میں ہوتی
ہیں جن سے وہ منفعت حاصل کرتا ہے۔ مثلاً جانوروں کی تسخیر کے متعلق فرمایا اَللّٰهُ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (المؤمن - ۷۹)
اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے جانور بنائے ہیں جن پر تم سواری کرتے
ہو اور جن کا گوشت کھاتے ہو۔ یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ خواہ جانوروں پر
سواری کرے، ہل جوتے، پانی کھینچے یا ان کو ذبح کر کے گوشت استعمال کرے۔ تسخیر کی
دوسری قسم یہ ہے کہ بعض چیزیں انسان کی تحویل اور قبضہ میں تو نہیں ہیں مگر وہ انسان کی خدمت
پر مامور ہیں۔ جیسے فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (الرعد - ۲)
جس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سورج اور چاند انسان کے قبضہ میں تو نہیں
ہیں مگر لوگ سورج کی روشنی اور گرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسی طرح رات کے وقت
چاند کی دھیمی روشنی سے بھی انسان کے مفادات وابستہ ہیں۔ اللہ نے انسان کی مصلحت کی
خاطر سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا جو اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں اور انسانوں، حیوانوں
اور نباتات کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

فرمایا اللہ نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے
لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں اور جہاز چلیں۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم و ہنر اور عقل و شعور عطا کیا ہے جسے بروئے کار لا کر وہ چھوٹی
چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز بناتا ہے اور پھر انہیں سمندر میں اتار کر ان
سے نقل و حمل کا کام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی سطح اس طرح پر بنائی کہ اس
میں آسانی سے جہاز رانی ہو سکتی ہے اور ایک ملک کا سامان دوسرے ملک میں بحفاظت
منتقل کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے روک کر نشانی بھی دکھاتا

ہے۔ جب سمندر میں طوفان آتا ہے تو انسان بے بس ہو جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے وزنی جہاز بھی ڈوب جاتے ہیں۔ اُس وقت انسان کو اپنی عاجزی اور بے بسی کا احساس ہوتا ہے بہرحال سمندروں کی تسخیر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مرہونِ منت ہے ورنہ جدید سائنسی آلات بھی بعض اوقات ناکام ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں بڑے سے بڑے جہاز کی حیثیت بھی سمندر کے سامنے ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

رزق حلال کی تلاش

فرمایا سمندروں کی تسخیر کی دوسری غایت یہ ہے وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اور تاکہ تم اپنی ضروریات میں اللہ کا فضل تلاش کر سکو۔ فضل سے مراد رزق حلال ہے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اس کی زندگی میں دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے یعنی ارتفاق اور اقتراب۔ ارتفاق سے مراد لوازمات زندگی کا حصول ہے۔ انسان محنت کرے، کاشتکاری کرے، کارخانہ چلائے یا کوئی ایسا کام کرے جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی کی ضروریات کھانا، پینا، پہننا، مکان، سواری وغیرہ کا بندوبست کر سکے۔ اور اقتراب کا معنی یہ ہے کہ انسان اس زندگی میں ایسے عقائد اختیار کرے اور ایسے اعمال انجام دے جو اسے خدا تعالیٰ کا قرب دلا سکیں۔ سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی شان میں فرمایا ہے يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (آیت ۲۹) کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضوان تلاش کرتے ہیں۔ یہاں پر اللہ نے ارتفاق کو فضل کے لفظ سے اور اقتراب کو رضوان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ فضل سے مراد رزق حلال کی تلاش ہے اور یہ بھی انسان کے لیے ضروری ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ بھی فَرِيْضَةٌ مِّنْ بَعْدِ الْفَرَائِضِ یعنی پنجگانہ عبادت کے بعد حلال روزی کی تلاش بھی انسان کے ذمے فرض ہے۔ اس کے علاوہ علم کا حصول، حج و عمرہ کی ادائیگی کے لیے سفر، جہاد کے لیے سفر وغیرہ بھی فضل ہی کا حصہ ہیں۔ اسی طرح اقتراب کے حصول کے لیے عبادت و ریاضت اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ یہ تمام چیزیں فضل میں داخل ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم ان کے ذریعے اللہ کا فضل تلاش کر سکو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور تسخیر بحر کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہو کر اُن کی قدر کرنا اور اُن کو صحیح جگہ میں استعمال کرنا، اور پھر دل و جان سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ آپ ہزاروں سال پیچھے کا دور ذہن میں لائیں جب ذرائع نقل و حمل محض جانوروں تک محدود تھے تو اس وقت لوگوں کو خود سفر کرنے اور مال کی بار برداری میں کتنی مشکلات پیش آتی ہوں گی۔ اب بری، بحری اور فضائی راستے سے نقل و حمل کی بیشمار سواریاں دستیاب ہیں جن کے ذریعے کم از کم وقت میں انسان دنیا بھر کا سفر کر سکتا ہے اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کر سکتا ہے۔ آج کے سائنسی دور میں انسان کو جس قدر سہولتیں حاصل ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ارض و سما

تسخیر بحر کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور اس نے کام میں لگا دیے ہیں تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمان، کرے، سیارے، ستارے، چاند اور سورج اور فضا میں سب انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ جَمِيْعًا مِّنْهُ اور یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس میں کسی مخلوق کا دخل نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت اور مہربانی سے ارض و سما کی چیزوں کو انسانوں کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کو کائنات کی پیدائش سے اربوں سال پہلے انسانوں کی مصلحت کے لیے پیدا کیا، اور پھر آخر میں انسان کو پیدا کیا کہ مقصود کائنات انسان ہی ہے۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ جو لوگ عقل و فکر سے کام لیتے ہیں، وہ جان لیتے ہیں کہ اللہ نے اُن پر کتنے انعامات فرمائے ہیں ان تمام اشیاء کو نہ تو کسی جن نے بنایا ہے، نہ فرشتے نے اور نہ کسی انسان نے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات نہیں جس نے

اتنے بڑے کارخانۂ کائنات کو قائم کیا ہو اور پھر اس میں انسان کی مصلحت کی تمام چیزیں مہیا کی ہوں۔

درگزر کرنے کا سبق

اسلام کے ابتدائی دور میں کفار و مشرکین نے اللہ کے دین کی سخت مخالفت کی اور پیغمبر اسلام اور آپ کے پیروکاروں کو سخت تکالیف پہنچائیں، زبان سے گالی گلوچ، برا بھلا اور طعن و تشنیع کرتے تھے۔ ان حالات میں اہلِ ایمان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جانا ایک قدرتی امر تھا اور وہ بعض اوقات جوش میں بھی آجاتے تھے۔ مگر اس وقت چونکہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کمزور تھی، اس لیے اللہ کی طرف سے اُن کی روحانی تربیت اور جماعتی تنظیم پر زور دینے کی ہدایت دی جاتی تھی۔ چنانچہ ہم سورۃ النساء میں اللہ کا یہ فرمان پڑھتے ہیں۔ كُفُّوٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (۷۷) کہ اے ایمان والو! جنگ و جدل سے فی الحال اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ ایسے ہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا آپ ایمان والوں سے کہہ دیں يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ ان لوگوں سے درگزر کریں، جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے۔ آپ اُن کی باتوں سے متاثر نہ ہوں اور نہ ہی انتقام لینے کی کوشش کریں، بلکہ اُن کی زیادتیوں کو فی الحال صبر و تحمل سے برداشت کریں۔ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے ان لوگوں کو ان کے کردہ اعمال کا۔ وہ جس قسم کی زیادتیاں کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے خود نپٹ لے گا۔ لہٰذا آپ درگزر سے کام لیں اور ان پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔

اس آیت میں دو الفاظ يَرْجُوْنَ اور اَيَّامَ اللّٰهِ وضاحت طلب ہیں۔ لفظ رجا مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی۔ ہم نے یہاں معنی کیا ہے کہ آپ درگزر کریں اُن لوگوں سے جو اللہ کے ایام کی امید نہیں رکھتے یعنی ان کفار و مشرکین کو وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کی منزل کی کچھ امید نہیں کہ ایسا بھی ہوگا۔ اور اگر اس کے خوف والے معنی کیے جائیں تو یہ بھی درست ہے

کہ ان لوگوں کو آخرت کی منزل کا بالکل خوف نہیں۔ جیسے سورۃ نوح میں ہے کہ حضرت
نوح علیہ السلام نے اپنے مخاطبین کی توجہ اس طرف دلائی مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا
(آیت ۱۳) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے وقار سے خوف نہیں کھاتے۔

ایام اللہ یعنی اللہ کے دنوں سے وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ کی طرف سے کسی
قوم کو سزا ملتی ہے یا اُسے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ گویا یہ تاریخی ایام ہوتے ہیں جن کے
دوران کسی قوم کو یا تو بام عروج پہ پہنچایا جاتا ہے اور یا انہیں ناکام بنا دیا جاتا ہے۔ یہاں
پر انتقام لینے اور سزا دینے والا معنیٰ مراد ہے کہ آپ ان لوگوں سے درگزر کریں تو اللہ
کے سزا دینے والے ایام کی امید نہیں رکھتے یا ان سے خوف نہیں کھاتے۔ اس کی مثال
موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو اندھیروں
سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (ابراہیم ۔ ۵) اور
انہیں اللہ کے وہ دن یاد دلائیں جب اس نے مختلف قوموں کو سزائیں دیں۔

فرمایا، یاد رکھو! مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ جس شخص نے کوئی اچھا کام کیا
تو وہ اس کے اپنے ہی نفس کے لیے ہے یعنی اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچے گا۔ جس کے
ساتھ نیکی کی جائے اس پہ احسان نہیں ہوتا بلکہ یہ تو اپنے فائدے کے لیے کی جاتی ہے۔
نیکی کرنے والے کا درجہ بلند ہوتا ہے، اُسے خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور وہ آخرت
میں عذاب سے بچ جائے گا۔ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا اور جس نے کوئی برا کام کیا
تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ کسی دوسرے کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے مگر برائی کا
ارتکاب کرنے والے کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔ اللہ نے یہ عام قانون بتلا دیا ہے
اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ ۔ ۲۸۶) اچھی کمائی اسی کے حق میں مفید ہوگی اور
بری کمائی اسی کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ غرض کہ نیکی کا بدلہ خود نیکی کرنے والے کے حق میں اچھا
ہوگا اور برائی کا بدلہ اسی کے حق میں برا ہوگا۔ فرمایا۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ
پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جہاں ہر ایک کو اپنے

اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ اور جزائے عمل کی منزل سے گزرنا ہوگا۔

بنی اسرائیل کے لیے انعامات

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیے جانے والے انعامات، اُن کے آپس کے اختلافات اور قیامت کو اُن کے درمیان قطعی فیصلے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب عطا فرمائی۔ اس کتاب سے مراد تورات ہے جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے خود اُن کی خواہش پر بنی اسرائیل کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر بڑا احسان فرمایا کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی کتاب اُن کو دی۔ موجودہ بائیبل میں پہلے پانچ باب تورات کے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں بہت سا تغیر و تبدل ہو چکا ہے تاہم کچھ نہ کچھ حصہ اب بھی محفوظ ہے۔ البتہ نزول قرآن کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اپنے دور میں یہی کتاب واجب التعمیل تھی۔

فرمایا ایک تو ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور دوسرا وَالْحُكْمَ اور حکم بھی دیا۔ حکم سے مراد حکمت بھی ہے اور حکومت بھی۔ اللہ نے دونوں چیزیں بنی اسرائیل کو عطا فرمائیں۔ وَالنُّبُوَّةَ اور اُن کو نبوت بھی دی۔ خاندانِ ابراہیم اللہ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک خاندانِ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے چار ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ غرضیکہ اس خاندان میں اللہ نے نبوت، کتاب اور حکومت تینوں چیزیں جاری فرمائیں اور اس خاندان میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسے بڑے بڑے حکمران پیدا فرمائے۔

فرمایا وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی۔ حتیٰ کہ جب وہ مصر سے صحرائے سینا میں پہنچے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے بغیر اُن کی محنت کے من و سلویٰ جیسی نعمتیں عطا فرمائیں اور دھوپ سے بچنے کے لیے سر پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ اس کے علاوہ رات کے وقت خصوصی روشنی کا انتظام کیا اور بڑے عظیم معجزات اُن کے سامنے رکھے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اور انہیں تمام جہان والوں پر برتری اور فضیلت عطا فرمائی۔ یہ صرف اُس دور کے لیے برتری تھی نہ کہ یہ تمام ادوار کے لیے کیونکہ مطلق

فضیلت اللہ نے اپنے آخری نبی کی آخری امت کو بھی عطا فرمائی ہے جسے اُمَّۃً وَّسَطًا (البقرہ ۔ ۱۴۳) کا لقب عطا فرمایا۔ امتِ وسطیٰ کا لفظی معنیٰ افراط و تفریط سے پاک درمیانی امت ہے اور یہی اس کی افضلیت کی علامت ہے۔ احادیث میں بھی آتا ہے کہ اقوامِ عالم میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ فضیلت حضور علیہ السلام کی امت کو عطا فرمائی۔ بہر حال یہ بھی اللہ کا احسان تھا کہ اُس نے اپنے دور میں بنی اسرائیل کو باقی اقوام پر فضیلت بخشی۔

بنی اسرائیل میں فرقہ بندی

فرمایا وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ اور دین کے معاملے میں ہم نے اُن کو کھلی نشانیاں یعنی معجزات عطا کیے۔ اُن کی موجودگی میں معاملہ صاف ہو جانا چاہیے تھا اور دین کے بارے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ پس انہوں نے نہیں اختلاف کیا مگر بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم آ گیا۔ واضح کتاب، احکام، واضح دلائل اور معجزات آنے کے باوجود انہوں نے دین کے معاملات میں آپس میں اختلاف کیا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور اس اختلاف کی وجہ یہ تھی بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ کہ انہوں نے آپس میں سرکشی کی۔ اُن میں خودسری اور گمراہی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے انہوں نے گروہ بندی اختیار کر لی۔ اُن کی یہ سرکشی اور گمراہی آج تک برابر چلی آ رہی ہے اور مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول تک برابر جاری رہے گی۔

فرمایا اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ بے شک تیرا پروردگار قیامت والے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کرے گا جس میں یہ اختلاف کرتے رہے۔ قیامت والے دن پتہ چلے گا کہ انہوں نے دین کو کس طرح بگاڑا، گمراہی میں جا پڑے اور پھر اُس پر اصرار کرتے رہے اللہ کا آخری نبی اور آخری شریعت بھی آ گئی مگر انہوں نے حق کو تسلیم نہ کیا اور اپنی گمراہی اور سرکشی پر ہی اڑے رہے دنیا میں تو اختلافات چلتے رہیں گے اور ان کا قطعی فیصلہ اللہ کی بارگاہ میں قیامت والے دن ہی ہو گا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

ترجمہ: پھر ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو ایک شریعت پر دین کے معاملہ میں، پس آپ اس کی پیروی کریں اور آپ نہ پیروی کریں اُن لوگوں کی خواہشات کی جو کچھ علم نہیں رکھتے (۱۸) بیشک وہ ہرگز نہیں کام آسکیں گے آپ کے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز میں بھی۔ اور بے شک بے انصاف لوگ بعض بعض کے رفیق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کارساز ہے متقیوں کا (۱۹) یہ بصیرت کی باتیں ہیں لوگوں کے لیے، اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں (۲۰) کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جو کماتے ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے اُن کو

ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال
انجام دیئے ۔ برابر ہو گی اُن کی زندگی اور موت ، برا ہے جو
وہ فیصلہ کرتے ہیں (۲۱)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور پھر کافروں اور مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا اور انتقامی کاروائی کرنے سے منع فرما دیا۔ پھر ارشاد ہوا کہ جو شخص کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اس میں خود اسی کا بھلا ہوتا ہے اور جو کوئی برائی کا کام کرتا ہے تو اس کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے ہر نیکی اور بدی کی جزا عمل کے لیے ہر شخص کو قیامت والے دن بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے اعمال کا بھگتان کرنا ہے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمثیل بیان فرمائی کہ ہم نے اُن کو کتاب ، حکومت اور نبوت عطا فرمائی ، روزی کے لیے پاکیزہ چیزوں کا بندوبست کیا ، اور اُس دور میں ان کو اقوامِ عالم پر فضیلت بخشی۔ اُن کو کھلی نشانیاں بھی دی گئیں مگر ان تمام احسانات کے باوجود انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا ، اور فرقہ بندی میں مبتلا ہو گئے لہٰذا ان کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کو ہی کرے گا۔

آخری شریعت

فرمایا بنی اسرائیل نے تو ہدایت کے تمام سامان مہیا ہونے کے باوجود آپس میں اختلاف کیا ، اور مشرکین مکہ اور عرب نے ضد ، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نبی آخر الزمان کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل تو دین حق پر قائم نہ رہ سکے ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ پھر ٹھہرایا ہے ہم نے آپ کو ایک شریعت پر دین کے معاملہ میں فَاتَّبِعْهَا پس آپ اس کی پیروی کریں اور ان لوگوں کے اختلافات ، تعصب اور عناد کی طرف توجہ نہ دیں کیونکہ یہ تو اسی طرح کرتے رہیں گے اور آخری فیصلہ اللہ ہی کی بارگاہ میں ہی ہو گا۔ اب ہم نے آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو ایک شریعت عطا کر دی ہے لہٰذا اس کی پیروی کریں اور کفار ، مشرکین اور اہل کتاب کی خواہشات پر اپنے دین حق کی تبلیغ میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔ مطلب یہ کہ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَ

الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ آپ اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جن کو کچھ علم نہیں، وہ جاہل اور نادان ہیں، اُن کے کہنے میں بالکل نہیں آنا۔

شریعت کا معنی دین کے سلسلہ میں واضح راستہ ہوتا ہے، اور لفظی معنی پانی کا گھاٹ جہاں سے انسان اور جانور اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ تاہم جان لینا چاہیئے کہ شریعت، مذہب، دین، ملت اور منہاج قرآن و سنت کی اصطلاحات ہیں اور ان کو اُن کے پس منظر میں ہی سمجھنا چاہیئے۔ مذہب کا معنی راستہ اور شریعت کا معنی واضح راستہ ہے دین کا معنی اطاعت اور فرمانبرداری ہوتا ہے۔ ملت سے مراد خاص اصول ہوتے ہیں جن کی پیروی ضروری ہوتی ہے اور یہ ملت انبیاء بھی کہلاتی ہے۔ ملت ابراہیمی اور ملت اسلامیہ بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

مفسرین اور محدثین ان چیزوں کو سمجھانے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات تین اصطلاحات ایمان، اسلام اور احسان کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ایمان کا تعلق باطن سے ہوتا ہے اور یہ قلبی تصدیق کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، ملائکہ، کتب سماویہ، قیامت اور اُن تمام چیزوں کی تصدیق کا نام ایمان ہے جو قطعی اور یقینی طور پر پیغمبر اسلام سے ثابت ہیں۔ دوسری چیز اسلام ہے جس کا تعلق ظاہر سے ہے اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد جیسے اعمال آتے ہیں۔ گویا ظاہری اعمال کا نام اسلام ہے، اور یہی ایمان اور اسلام کے مجموعے کو دین کہا جاتا ہے۔ تیسری چیز احسان ہے، جس کا تعلق اخلاص کے ساتھ ہے۔ عبادات اور دیگر کاروبار میں جس قدر اخلاص پایا جائے گا۔ اُسی قدر وہ عمل مقبولیت کا درجہ حاصل کرے گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے تین چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح ضروری ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگر عقیدہ درست ہوگا، تو اعمال مقبول ہوں گے، ورنہ بیکار جائیں گے، اور عقیدے کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے۔ دوسری لازمی چیز اعمال کی درستگی ہے کہ اچھے

اعمال بھی انسان کے لیے مفید ہوں گے۔ جب کہ بُرے اعمال وبالِ جان بن جائیں گے یاد رہے کہ اعمال کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے۔ تیسری چیز اخلاص ہے کہ جس کی بھی اشد ضرورت ہے۔ دین میں ریاکاری یا باطل کی آمیزش نہ ہو، بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ اخلاص ہونا چاہیئے اور اسی چیز کو احسان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین دین اور شریعت کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دین ایسے عقائد کا نام ہے جو ہر نبی کی امت میں یکساں طور پر قائم رہے ہیں۔ جیسے فرمایا شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا ... الآیۃ (الشوریٰ - ۱۳) اللہ نے تمہارے لیے وہی دین اور وہی عقائد مقرر کیے ہیں جو نوح علیہ السلام اور بعد میں آنے والے تمام انبیاء کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ گویا یہ بنیادی عقائد ناقابلِ تنسیخ ہوتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ملت سے مراد وہ موٹے موٹے اصولِ دین یا کلیات ہیں جو کہ تقریباً تمام انبیاء کی امتوں میں مشترک رہے ہیں۔ ان میں طہارت، نماز، روزہ، قربانی، صدقہ خیرات، بہتر اخلاق، رذیل باتوں سے اجتناب وغیرہ شامل ہیں۔ ملتِ ابراہیمی اور ملتِ اسلامیہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ پھر تیسری چیز شریعت، مذہب یا منہاج ہے جس میں ملت کی جزئیات ہوتی ہیں اس میں چھوٹے چھوٹے مسائل و احکام از قسم حلال و حرام، نکاح، طلاق، تجارت، معاشرت اور معیشت وغیرہ آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی شریعت مختلف رہی ہے۔

مختلف شرائع میں فرق کی مثال اس طرح سمجھیں کہ کسی شریعت میں اونٹ کا گوشت حرام تھا مگر ہماری شریعت میں حلال ہے یا مثلاً یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو سگی بہنوں سے نکاح جائز تھا مگر ہماری شریعت میں اس کی ممانعت کر دی گئی ہے جیسے فرمایا وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء ۲۳) کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع نہیں کر سکتے، ہاں جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ چنانچہ ان جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشادِ مبارک بھی ہے نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ دِينُنَا وَاحِدٌ ... بنیاد کے

دین کی مثال علاتی بھائیوں جیسی ہے جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں مگر جاروین ایک ہے۔ مطلب یہ کہ دین یعنی کلیات تو تمام انبیاء میں مشترک رہے ہیں مگر شرائع یعنی جزیات مختلف رہی ہیں۔ پھر جب آخری شریعت آگئی تو پہلی تمام شرائع منسوخ ہوگئیں اب کسی سابقہ نبی کی شریعت پر عملدرآمد نہیں کیا جاسکتا۔

اتباعِ شریعت سے انحراف

بہرحال فرمایا کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کے لیے ایک شریعت مقرر کردی ہے آپ اسی کا اتباع کریں۔ اس مقام پر مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ جب اللہ کا نبی بھی اس آخری شریعت کا پابند ہے تو پھر امت پر تو بطریق اولیٰ یہ پابندی عائد ہوتی ہے اور کوئی شخص بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ اور پھر شریعت کی پابندی میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ اس کو ترقی ملتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں اور آخرت میں نجات حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی عدم پابندی تو شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کے مترادف ہے۔ قرآن میں اللہ نے جگہ جگہ فرمایا ہے وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ - ۱۶۸) کہ شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کو وحی کے ذریعے نازل فرمایا اور اس کی تفصیل سنت کے ذریعے واضح کی۔ پھر بعض چیزیں اجتہاد کے ذریعے حل ہوئیں۔ چونکہ یہ سب شریعت ہی سے متعلقہ چیزیں ہیں لہٰذا ان سب کا اتباع ضروری ہے۔ البتہ رسوماتِ باطلہ اور بدعات کو اختیار کرنا بلاشبہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے۔

جب تک برصغیر پر انگریز حکمران رہا، اہلِ ایمان اس کے قانون کی پابندی پر مجبور تھے۔ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، تجارتی قوانین سب انگریز کے وضع کردہ تھے البتہ اس نے مسلمانوں کو بعض رعایات دے رکھی تھیں جن کو پرسنل لاء کہا جاتا تھا۔ اور مسلمان اپنے عقیدہ کے مطابق ان کو اختیار کرسکتے تھے۔ مگر آزادی کے بعد تو انگریزی قانون کے نفاذ کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد تمام قوانین کو اسلامی قوانین میں تبدیل کرلیا جاتا مگر افسوس کہ آجتک

کیا نہیں ہو سکا۔ اس ضمن میں کارپردازانِ حکومت خاص طور پر اور عامۃ الناس عام طور پر گنہگار ہیں کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کو نافذ نہیں کر پائے۔ آج تک وہی طور طریقے چل رہے ہیں۔ مثلاً حادثاتی موت کی صورت میں لاش کا پوسٹ مارٹم ضروری ہے۔ عدالتی نظام میں کا کوئی فائدہ نہیں۔ سودی کاروبار بالکل اسی طرح چل رہا ہے۔ جیسے انگریزوں کے زمانے میں تھا۔ عدالتی نظام میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ بلکہ وہی فرسودہ تعزیراتی قانون رائج ہے۔ دیکھیں ترکی میں شریعت کا قانون ختم ہوا تو ملکی قانون بھی بدل دیے گئے۔ اور ہر کوئی قانون جرمنی کا، کوئی برطانیہ کا اور کوئی فرانس کا لے لیا۔ اور اس طرح آدھا تیتر آدھا بٹیر والی مثال صادق آئی۔ خود ہمارے ملک میں شریعت کا نفاذ اس بہانہ سے نہیں کیا جا رہا ہے کہ اس پر تمام مذاہب متفق نہیں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح چور دروازے سے حکومت پر قابض رہیں۔ اگر خدا کا قانون جاری ہوتا ہے تو ان کا اپنا اقتدار خطرے میں پڑ جاتا ہے لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ جس طرح کا نظام چل رہا ہے، اُسے چلنے دیا جائے۔ اب تعزیراتی قوانین میں شرع کے مطابق کچھ ردوبدل کیا گیا ہے مگر اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ آج تک کسی پر حد جاری نہیں ہوئی۔ نہ کسی کا ہاتھ کٹا اور نہ کوئی سنگسار ہوا۔ سعودی عرب میں حدود کا نفاذ ہے تو وہاں جرم بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ وہ بدو تھے جو بھی مسافر کے پاؤں سے جوتا بھی اتروا لیا کرتے تھے مگر آج اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا یہ اثر ہے کہ راستہ میں سونے کی ڈلی بھی پڑی ہو تو کوئی ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا بلکہ پولیس کو دور سے ہی بتا دیا جاتا ہے کہ وہاں کسی کا مال پڑا ہے۔ آج لوگ دکانیں کھلی چھوڑ کر نماز کے لئے چلے جاتے ہیں مگر کسی کی کیا مجال ہے کہ کوئی چوری کا تصور بھی کر سکے۔ اب تک زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہاتھ کٹے ہوں گے مگر چوری بالکل ختم ہو گئی ہے۔ اور ہمارے ہاں شرعی قوانین سے انحراف کی وجہ سے لوگ مسجدوں سے جوتے تک چوری کر لیتے ہیں۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ کون سا فقہی قانون نافذ کیا جائے تو یہ بھی کوئی مشکل مسئلہ

نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس ملک میں جس فقہ کے ماننے والوں کی اکثریت ہو وہاں اسی فقہ کا قانون نافذ کیا جائے۔ سپین میں مالکی فقہ کی اکثریت تھی تو وہاں مالکی فقہ رائج رہا۔ برصغیر، افغانستان، ترکی، خراسان وغیرہ میں حنفی لوگوں کی اکثریت ہے تو یہاں حنفی فقہ کے مطابق قانون جاری ہونا چاہیئے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ حنفی قانون کے نام سے بدکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی قرآن وسنت سے ہی ماخوذ ہے اور قرآن وسنت کے خلاف کوئی چیز قابل قبول نہیں۔ فتاوٰی اور دیگر کتب کی تمام باتیں قابلِ عمل نہیں ہوتیں بلکہ یہ تو محض معلومات ہوتی ہیں جن پر قانون کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ عالمگیری سے لوگوں کو خواہ مخواہ چڑ ہے۔ یہ تو پانچ سو علما کا مدون کردہ قانون ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر لوگوں کی اکثریت کا قانون جاری کر دیا جائے تو دوسرے لوگ بھی محروم نہیں رہتے۔ حنفی فقہ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک دنیا میں رائج رہا ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی نے اپنے آپ کو شافعی ظاہر کیا ہے۔ تو اس کا فیصلہ شافعی مسلک کے مطابق کر دیا گیا اور اس میں کسی مسلک والے کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ مختلف فقہی مسائل میں مکمل اتفاق تو شاید کبھی ممکن نہ ہو۔ انگریزی قانون میں بھی کبھی دو جج کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہوئے۔ بھٹو کی پھانسی کے مسئلہ پر سارے جج متفق نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں بھی اختلاف ہوا تھا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیاوی قوانین میں تو اس قسم کے اختلافات برداشت کر لیے جاتے ہیں مگر فقہی جزیات میں ایسے اختلافات کو برداشت نہیں کیا جاتا اور مکمل اتفاق ہونے تک نفاذ شریعت کے عمل کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچنے دیا جاتا۔ بہر حال شریعت کا قانون منجانب اللہ ہے جس میں تمام کلیات اور جزیات آگئے ہیں اور پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں اس کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آخر میں آپ کو ایک شریعت پر مقرر کیا ہے آپ اسی شریعت کی اتباع کریں اور بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔ کیونکہ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وہ آپ کو اللہ کے سامنے کچھ بھی کام

نہیں بچ سکیں گے۔ اگر آپ نے ان کی طرف جھکاؤ کر لیا۔ تو پھر اللہ کی گرفت سے
نہیں بچ سکیں گے۔ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ بعض بے انصاف
ایک دوسرے کے ساتھی اور رفیق ہوتے ہیں۔ جو لوگ شریعت مطہرہ کی بجائے شیطان کے
نقش قدم پر چلتے ہیں وہی ایک دوسرے کے معاون بنتے ہیں۔ اس کے خلاف
وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ اہل ایمان اور پرہیزگاروں کا حامی و ناصر اور مددگار اللہ تعالیٰ
ہوتا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل رہتی ہے وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔
اہل ایمان [illegible]

فرمایا هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ یہ [illegible] میں توحید کے دلائل، قرآن
کی عظمت، شریعت [illegible] ان لوگوں کے لیے بصیرت ہیں۔ بصارت آنکھوں کی روشنی
کو کہتے ہیں جب کہ بصیرت دل کی روشنی ہوتی ہے۔ ایمان دل کی روشنی ہے جس سے
علم حاصل ہوتا ہے، دل میں اطمینان، یقین اور عرفان پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا یہ چیزیں نہ صرف
بصیرت ہیں بلکہ وَهُدًى ذریعہ ہدایت بھی ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر انہی چیزوں سے
راہنمائی حاصل ہوگی۔ قرآن و سنت اور اسلامی علوم جگہ جگہ آپ کی راہنمائی کریں گے۔ پھر
جب قوانین الٰہیہ کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال ہوتی ہے۔ اس کے
متعلق فرمایا وَرَحْمَةٌ وہ خدا کی رحمت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے
إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الاعراف - ۵۶) اللہ تعالیٰ کی رحمت
نیکی کرنے والوں کے ہر وقت شامل حال ہوتی ہے۔ نیکوکار آدمی کو نیکی کرنے سے
نیکی کی مزید توفیق ملتی ہے، اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ
کی آغوش رحمت میں جگہ نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا یہ سب کچھ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ
ان لوگوں کے لیے ہے جو توحید، رسالت اور معاد پر یقین رکھتے ہیں۔

نیکی اور بدی میں امتیاز

فرمایا دیکھو! نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے۔ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ
اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
کیا برائیوں کا ارتکاب کرنے والے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح

بنا دیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے؟ ایک شخص اطاعت میں تکالیف برداشت کرتا ہے، ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ جب کہ دوسرا آدمی ایمان سے خالی ہے اور برائیوں میں پڑ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ خدا کے ہاں وہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کہ ان کی موت اور زندگی بھی برابر ہو گی۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ اگر وہ ایسا گمان کرتے ہیں سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ تو بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اور موت ہرگز برابر نہیں ہو سکتی۔ اگر نیک اور بد برابر ہو جائیں تو پھر تو اندھیر نگری بن جائے گی اور برائی کرنے والوں کی مزید حوصلہ افزائی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔ اہل ایمان کی یہ زندگی بھی پاکیزہ ہوتی ہے۔ ایسا شخص کفر، شرک، نفاق اور بدعات سے پاک ہوتا ہے۔ وہ تکالیف برداشت کر کے رزقِ حلال کماتا ہے، نماز، روزہ کی پابندی اختیار کرتا ہے۔ حلال حرام میں امتیاز کرتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف برائی والے آدمی کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا اور کھیل کود میں زندگی گزار دیتا ہے۔ یہ نہ تو اس دنیا میں برابر ہوتے ہیں۔ اور نہ اگلی دنیا میں برابری حاصل ہو گی۔ مومن آدمی کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے مقام میں جگہ دیگا۔ جہاں راحت کی ہر چیز نصیب ہو گی، اور کافر جہنم کا شکار بنے گا۔ لہٰذا یہ دونوں کسی صورت میں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ
نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ
مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ
غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا
لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ
حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ:- اور پیدا کیے اللہ نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ
اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان
پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۲۲﴾ بھلا کیا تم نے دیکھا

اس شخص کو جس نے بنا لیا ہے معبود اپنی خواہش کو ۔ اور اللہ نے اس کو گمراہ کیا ہے علم پر ۔ اور مہر کر دی ہے اس کے کانوں پر اور دل پر ۔ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ۔ پس کون اس کی راہنمائی کرے گا ۔ اللہ کے سوا کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے (۲۳) اور کہا ان لوگوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا کی زندگی ۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر زمانہ اور نہیں ہے ان کو اس کا کچھ علم ۔ نہیں وہ مگر گمان کرتے (۲۴) اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں کھلی تو نہیں ہوتی ان کی دلیل مگر کہتے ہیں یہ کہ لاؤ ہمارے پاس ہمارے آباؤاجداد ، اگر تم سچے ہو (۲۵) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر !) اللہ تعالیٰ تم کو زندگی دیتا ہے ، پھر تم پر موت طاری کرتا ہے ، پھر تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن کہ نہیں شک اس میں ۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۲۶)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آخری شریعت کے نزول کا ذکر کیا اور اس کے اتباع کا حکم دیا ۔ نیز خواہشات نفسانی کی پیروی سے منع فرمایا ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن کی یہ آیتیں لوگوں کے لیے بصیرت ، ہدایت اور رحمت ہیں مگر اس شخص کے لیے جو یقین رکھتا ہے ۔ پھر اللہ نے نیک و بد کے متعلق فرمایا کہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ بعض برے لوگ برائیاں کماتے ہیں ، جب کہ بعض اہل ایمان نیکی کے کام کرتے ہیں ۔ ان دونوں کی زندگی اور موت میں فرق ہے اور یہ تفاوت اگلے جہان میں بھی قائم رہے گا ۔

ارض و سما کی تخلیق

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے تخلیق ارض و سما کا ذکر فرمایا ہے جو ایک طرف

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے تو دوسری طرف وقوعِ قیامت اور بعث بعد الموت
کی دلیل بھی بنتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ مطلب یہ کہ تخلیق ارض و
سما کوئی مہمل بات نہیں بلکہ اللہ نے ان کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا کیا ہے
اور اس کا کوئی خاص مقصد ہے۔ سورۃ ص میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا
السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور ہم نے ارض و سما اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بیکار پیدا نہیں کیا، بلکہ یہ کافروں کا
گمان ہو سکتا ہے۔ کوئی سمجھدار انسان ارض و سما کو بیکار محض نہیں مان سکتا۔ اس کا
مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی مقصد کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں اور پیدا ہوتی ہیں اور عادتاً
ختم ہو جائیں گی اور ان کا انجام کچھ بھی نہیں ہے۔

فرمایا جیسا کوئی عقل مند آدمی یوں تخلیق اور پیدا نہیں کرتا تو اللہ ایسا نہیں کر
سکتا۔ تو جس طرح ہمارے ہاں آغاز میں نظر آ رہا ہے، اسی طرح انجام کا اعتبار بھی درست
نہیں۔ اگر آغاز سے واقف ہو تو انجام بھی دیکھ لو گے۔ جب کہ عمل کی منزل آنے
والی ہے اور یہی اس آغاز کا انجام ہے۔ جب ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ ملے گا۔

جزائے عمل کی منزل

فرمایا ارض و سما کی تخلیق کا مقصد یہ ہے وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا
كَسَبَتْ اور تاکہ ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ بعض اوقات دنیا میں بھی
کسی کی کارگزاری کا اچھا یا برا بدلہ مل جاتا ہے مگر مکمل جزا کے لئے یہ دنیا ممکن نہیں۔
بلکہ قیامت کو ہی واقع ہوگی۔ جب تمام مجرموں کو ان کے جرم کی پوری پوری
سزا ملے گی۔ یہ دنیا دار التخلیط ہے، یہاں ہر چیز خلط ملط ہوتی ہے اور کسی چیز
کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا مگر قیامت کے دن ہر چیز بالکل الگ الگ کر دی جائے گی۔
اور کسی چیز میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہے گا۔ وہاں ہر چیز کا فیصلہ صاف صاف
کر دیا جائے گا۔ اس دنیا میں تو بعض اوقات بے گناہ پکڑے جاتے ہیں اور بعض گنہگار
بھی بچ جاتے ہیں مگر وہاں ایسا نہیں ہوگا۔ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ...

اللہ نے حتمی فیصلے کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المدثر۔ ۳۸) ہر شخص اپنے عمل میں گروی ہے۔ اُسے مقررہ دن پر اپنی کارکردگی کا پورا پورا حساب چکانا ہوگا۔ جس نے عمل ضرور واقع ہوں وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور اس دن کسی پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ دنیا کی عدالتوں میں تو بعض اوقات غلط فیصلہ بھی ہو جاتا ہے، رشوت، سفارش اور اقربا پروری بھی کسی فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ مگر قیامت والے دن جب حتمی فیصلے ہوں گے تو پھر کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی زیادتی نہیں ہوگی بلکہ پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یہی وہ حکمت اور مصلحت ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کی تخلیق فرمائی ہے۔ یہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل برحق ہے کہ ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف وہی ہے۔ اور دوسری طرف جزائے عمل کی دلیل بھی ہے کہ ہر چیز کا ایک انجام ہے جو جزائے عمل کی صورت میں پیش آئے گا۔

نفسانی خواہش بطور معبود

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قانونِ ہدایت کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کا رد کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پوری زندگی کے لیے آپ لائحہ عمل دیا ہے کہ اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔ قرآن پاک، نبی کی تعلیم، شریعت، احکام وغیرہ انسان کے لیے دستور العمل ہے۔ مگر حضرت انسان ہے جو ان کی بجائے رسم و رواج اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل نکلتا ہے گویا کہ اس نے اپنی خواہشات کو ہی معبود بنا لیا ہے۔ معبود وہی ہوتا ہے جس کی مکمل اطاعت کی جائے۔ تو جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور احکام دین کی اطاعت کی بجائے خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، وہ انہی کی عبادت کر رہا ہے اور خواہشات کی پیروی گویا شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ۔ ۱۶۸) شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فرمایا: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنا لیا ہے؟ اب اس کی حالت یہ ہوتی ہے وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم پر گمراہ کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے حالات سے واقف اور جانتا ہے اور یہ بھی کہ یہ خواہشات کا بندہ ہے اور یہ راہِ راست پر آنے والا نہیں ہے لہٰذا اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے۔ عَلٰی عِلْمٍ کا یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ہر چیز کا پورا پورا علم ہے اور اسی علم کی بنا پر اس کو گمراہ کیا ہے۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ خود اس شخص کو برائی بھلائی اور نیکی بدی کا علم ہے، وہ کسی نادانی یا جہالت کی وجہ سے غلط کام نہیں کرتا بلکہ دیدہ دانستہ خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔ ہم تاریخ میں بعض بڑے بڑے لوگوں کے حالات پڑھتے ہیں جو بہت بڑے دین کا علم رکھتے تھے مگر ان کا ارادہ، نیت اور استعداد اچھی نہیں تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کر دیا۔ گویا اس شخص نے علم کی روشنی سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ خدا تعالیٰ خلق کے اعتبار سے قادرِ مطلق ہے مگر اس کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا، ہر شخص کے ساتھ دنیا و آخرت میں اس کی اہلیت کے مطابق سلوک کرتا ہے۔

فرمایا خواہشاتِ نفس کے پجاری کو ایک تو اللہ نے علم پر گمراہ کر دیا ہے اور دوسرا یہ کہ وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی۔ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ سورۃ البقرہ کی ابتدا میں بھی اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ (آیت - ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کی عہد شکنی، آیات الٰہی کی تکفیر، انبیاء کے قتل ناحق اور ان کے یہ کہنے کے سبب کہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں فرمایا ایسا نہیں بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْہَا بِکُفْرِہِمْ (آیت - ۱۵۵) بلکہ جب انہوں نے

لئے کہ انہوں نے اپنی فطرت بگاڑ دی، سرکشی اور نفس پرستی اختیار کی تو اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر
لگا دی ہے اور اب اُن میں کوئی اچھی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ ایسا شخص ہمیشہ گمراہی میں
پڑا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء)
کہ جدھر وہ جانا چاہتا ہے، ہم توفیق دے دیتے ہیں اور بالآخر وہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے
یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل پر ابتداء ہی میں مہر
نہیں لگا دیتا بلکہ آہستہ آہستہ جب وہ کفر میں اس قدر پختہ ہو جاتا ہے کہ وہ حق بات کو
نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ کسی اچھی بات کو دل میں جگہ دیتا ہے تو اس کا یہی نتیجہ
برآمد ہوتا ہے کہ اس کے کان، آنکھیں اور دل سر بمہر کر دیے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ کے
لئے ناکام ہو جاتا ہے۔

(۵) فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ایسے شخص کو خدا تعالیٰ کے
سوا کون راہ راست پر لا سکتا ہے؟ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ تمہیں
تو ایسے بدنصیب شخص کی حالت میں غور کرنا چاہیئے اور نصیحت کی بات توجہ دل
سے سوچنا چاہیئے، حقیقت کے کانوں سے سننا چاہیئے اور عبرت کی نگاہوں سے
دیکھنا چاہیئے اور نفس پرستی کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ
استعدادِ دین خراب کر دے اور انسان غلط راستے پر چل کر شقاوت کا مستحق بن جائے
غرض یہ کہ خواہشات کی پیروی سخت بری خصلت ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کی سطح پر خواہشِ نفسانی
سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین لوگوں کی اصلاحِ نفس
کے لیے نفسانی خواہش کی بیخ کنی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ
خواہش کی بجائے حق کو دیکھے۔ حضرت عبداللہ بن سہل تستری فرماتے ہیں: خواہش
ایک خطرناک بیماری ہے اور اس کی مخالفت ہی اس کا علاج ہے۔ چونکہ یہ بڑا
مشکل کام ہے، اس لیے اس پر زیادہ ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نفسانی خواہش
عقیدے سے متعلق بھی پیدا ہوتی ہے اور اخلاق و اعمال کے سلسلے میں بھی انسان

تو اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

بعث بعد الموت سے انکار

اس آیت میں اللہ نے دہریوں کا رد فرمایا ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی، موت و حیات اور جزائے عمل کے سرے سے ہی منکر ہیں۔ فرمایا کافر تو وہ کہتے ہیں۔ مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا کہ ہماری یہ دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے جس میں ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ اور ہمیں نہیں ہلاک کرتا مگر زمانہ۔ دہریوں کا یہ گروہ ہمیشہ قلیل تعداد میں رہا ہے۔ تاہم یہ زندگی اور موت کو حوادثات زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ کسی حادثہ کے نتیجہ میں پیدا ہو گئے اور پھر اسی طرح ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے نہ موت طاری کرنے والا۔ نہ کوئی قیامت ہے اور نہ بعث بعد الموت بلکہ لوگوں نے قصے کہانیاں بنا لیے ہیں کہ ہر شخص کا حساب کتاب ہوگا اور جزائے عمل کے متعلق فیصلے ہوں گے۔ ایسی باتوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ حالانکہ ان لوگوں کو ان چیزوں کا کچھ علم نہیں ہے وہ محض گمان کرتے، بلکہ محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔

زمانے کی تعریف

صحیح بات یہ ہے کہ جس زمانے کی طرف یہ لوگ موت و حیات کو منسوب کرتے ہیں اس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ زمانہ کوئی متصرف ہستی نہیں ہے کہ کسی کو پیدا کرے اور کسی کو موت دے۔ بلکہ زمانے کی تعریف کرنا بڑا مشکل کام ہے بڑے بڑے فلاسفر بھی اس کی صحیح صحیح تعریف کرنے سے عاجز ہیں۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے زمانے کی تعریف معلوم کرنے کے لیے بڑی کوشش کی۔ انہوں نے اپنے وقت کے بڑے منطقی مولانا معین الدین اجمیری کو خط لکھا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں جو رسالہ لکھا ہے اس کی کاپی بھیجیں۔ انہوں نے مولانا انور شاہ کشمیری کی طرف بھی رجوع کیا کہ وہ انہیں زمانے کی تعریف سمجھا دیں۔ شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ زمان، مکان اور مادہ ایک ہی چیز ہے۔

زمانہ متعدد حرکات کا نام ہے جس میں کوئی کام واقع ہوتا ہے، یہ خلا کوئی متصرف

چیز نہیں ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ زمانے کو گالی نہ دو۔ بعض لوگ بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو جی کتنا خراب زمانہ آ گیا ہے۔ اس زمانے نے تباہ کر دیا ہے۔ ہائے زمانے کی خرابی وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا زمانے کو بُرا بھلا مت کہو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ کیونکہ زمانہ تو اللہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمام تغیر و تبدل ہیں اور جو ہر چیز کا متصرف ہے لہٰذا زمانے کو گالی نہ دو کیونکہ بالواسطہ یہ خدا تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔ نعوذ باللہ۔

زندگی اور موت

فرمایا وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ جب ان لوگوں کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ ان کے دلائل، منکرین ... سے جاتے ہیں مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ان کی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم بعث بعد الموت کے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے لے آؤ تو ہم مان لیں گے کہ کوئی قیامت بھی آنے والی ہے جب تمام مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کے متعلق آخری فیصلے ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا ان کی یہ سوچ بڑی غلط ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ قانون خداوندی کے مطابق ہر چیز اپنے مقررہ وقت پر ہی ظاہر ہوتی ہے اور کسی کی خواہش پر آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ تم اس وقت اپنی زندگی کا انکار تو نہیں کر سکتے۔ تمہارا وجود اس وقت دنیا میں موجود ہے اور تمہیں یہ زندگی، وجود اور قوائے ظاہرہ و باطنہ کس نے عطا کیے ہیں؟ جس نے یہ زندگی بخشی ہے، وہ دوسری زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔

اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تم کو زندہ کرتا ہے۔ اور پھر موت دیتا ہے۔ جس کا مشاہدہ تم ہر روز کرتے ہو، کوئی پیدا ہو رہا ہے، اور کوئی مر رہا ہے۔ جس طرح اس دنیا میں زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اسی طرح ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ

پھر وہ تمھیں قیامت والے دن بھی زندہ کر کے جمع کرے گا اور اس دن کے آنے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔ وہ دن ضرور آنے والا ہے اور پھر اُس دن تمھارے آباؤ اجداد بھی زندہ ہو کر آجائیں گے۔ اس روز قیامت کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَعۡدًا عَلَيۡنَآ إِنَّا كُنَّا فَٰعِلِينَ (الانبیاء ۔ ۱۰۴) ہمارا یہ وعدہ ہے اور ہم اسے پورا کر کے رہیں گے۔ ہر شخص دوبارہ زندہ ہوگا۔ اُس کے عقائد و اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی اور اسے دنیا کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

فرمایا بعث بعد الموت برحق ہے وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ مگر لوگوں کی اکثریت اس کی حقیقت کو نہیں جانتی۔ وہ اپنی نادانی ، بے سمجھی اور لاعلمی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہم نے آج تک کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا تو قیامت کو سب لوگ کیسے اکٹھے کھڑے ہوں گے۔ ہم زندگی اور موت کے واقعات کا روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے باوجود بعث بعد الموت کا انکار کوئی معقول بات نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ

جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ

تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ

تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین
کی۔ اور جس دن برپا ہو گی قیامت، اس دن نقصان اٹھائیں گے
باطل پرست ﴿۲۷﴾ اور دیکھے گا تو ہر گروہ کو گھٹنے ٹیکنے
والے ہوں گے۔ ہر گروہ کو بلایا جائے گا اُس کے نامہ اعمال
کی طرف (اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا) آج کے دن تم کو بدلہ
دیا جائے گا اُن کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ یہ
دفتر ہے جو بولتا ہے تم پر حق کے ساتھ، بیشک
تھے اُن باتوں کو جو تم عمل کرتے تھے ﴿۲۹﴾

بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے پس داخل کرے گا اُن کو اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں اور یہ ہے کامیابی کھلی (۳۰) اور بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا نہیں تھیں میری آیتیں پڑھی جاتیں تم پر، پس تم نے تکبر کیا، اور تھے تم مجرم لوگ (۳۱)

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں توحید اور معاد کے مسائل ساتھ ساتھ چل رہے ہیں گزشتہ آیات میں بھی انہی مسائل کا ذکر ہوا۔ ساتھ ساتھ نبوت و رسالت کا مسئلہ بھی بیان ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا بھی اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ اس سورۃ میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد زیادہ ہے اور وقوع قیامت، بعث بعد الموت اور جزائے عمل کے مباحث بار بار بیان ہوتے ہیں۔

حقیقی بادشاہت

آج کی آیات بھی انہی مضامین پر مشتمل ہیں۔ پہلے مسئلہ توحید کے متعلق فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، چونکہ ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے حقیقی بادشاہی بھی اسی کی ہے جو ارض و سماء سمیت پوری کائنات پر محیط ہے۔ البتہ مخلوق کو جو حکومت کسی خاص خطے میں ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوتی ہے اور وہ جب چاہتا ہے اُسے واپس لے کر کسی دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ بالکل عارضی حکومت ہوتی ہے مگر لوگ اُسے مستقل سمجھنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بعد میں انہیں مایوسی ہوتی ہے۔ چونکہ دنیا کی حکومت اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے اس لیے اس میں تصرف بھی خدا تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔ جو لوگ احکام الٰہی کو نظر انداز کر دیتے ہیں اُن کے لیے یہی حکومت باعث وبال بن جاتی ہے۔

نقصان زدہ باطل پرست

آیت کے اگلے حصے میں قیامت والے دن باطل پرستوں کے خسارے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ جس دن قیامت برپا ہوگی یہ وہ دن ہوگا جب دن اس دنیا کی انتہا ہوگی، موجودہ نظام کی تبدیلی ہو جائے گا اور اس

کی جگہ نیا نظام قائم ہوگا۔ اُس دن اِس دُنیا کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ آسمان
زمین بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہیں گے۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں فرمایا یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ
غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (آیت ۴۸) اُس دن زمین اور آسمان بدل جائیں گے
اور اُن کی جگہ نئے ارض و سما قائم ہوں گے۔ فرمایا جس دن قیامت برپا ہوگی یَوْمَئِذٍ
یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ اُس دن باطل پرست لوگ نقصان اُٹھائیں گے۔ جنہوں نے دنیا
میں نہ ایمان قبول کیا، نہ کفر کو ترک کیا، نہ عقائد و اعمال کی اصلاح کی اور نہ نیکی کا راستہ اختیار
کیا۔ بلکہ خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے ہی چلتے رہے۔ ایسے لوگ اس دن سخت نقصان میں ہوں گے۔

مفسرِ قرآن امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس دنیا میں تین چیزیں
بطور پونجی عطا فرمائی ہیں۔ پونجی اس راس المال کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کاروبار یا تجارت
کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ پونجی میں پہلی چیز انسان کی زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ کی
حکمت اور مصلحت کے مطابق کم و بیش ہوتی ہے۔ دوسری چیز عقل ہے۔ جو
اللہ تعالیٰ ہر انسان کو عطا کرتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکلف ہوتا ہے۔ یعنی
اُس پہ قانونِ الٰہی کی پابندی لازم آتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تھا تو
اُسی وقت اُسے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں تیری وجہ سے ہر انسان کو دوں گا۔ تیری وجہ
سے مؤاخذہ کروں گا۔ اور تیری وجہ سے ہی ہر شخص کو انعام ملے گا یا وہ سزا میں مبتلا ہوگا۔
امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو تیسری چیز صحت عطا کی ہے۔ جو کہ انسان کے
بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ صحت کے بغیر انسان نہ محنت مشقت کر سکتا ہے۔ نہ کھیتی
باڑی، نہ تعلیم و تعلم اور نہ ہی عبادت۔ زندگی اور عقل کے ساتھ ساتھ صحت بھی انسان
کے لیے بمنزلہ پونجی کے ہے جس کے ذریعے انسان اس دنیا میں رہ کر اچھائی یا برائی کر سکتا
ہے۔ اگر وہ اس پونجی سے ایمان اور نیکی کمائے گا۔ تو ہمیشہ کے لیے نفع میں رہے گا۔
اور اگر اس پونجی کی سرمایہ کاری کفر، شرک، نفاق، بدعات اور معصیت میں کی، اس کو
لہو و لعب، رسوماتِ باطلہ اور ریاکاری میں صرف کر دیا۔ تو ایسا شخص ہمیشہ کے لیے
نقصان میں پڑ جائے گا۔ منافقوں کے اسی طرزِ عمل کی بناء پر اللہ نے فرمایا فَمَا رَبِحَتْ

تِجَارَتُهُمْ (البقرۃ ۱۶) اُن کی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ وہ گھاٹے میں
رہے۔ یہی بات اللہ نے یہاں سمجھائی ہے کہ دیکھو! ہم نے انسان کو یہ قیمتی پونجی عطا کی ہے
اب یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُسے کس طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کے ذریعے
نیکی خرید کر جنت کا مستحق بنتا ہے یا برائی خرید کر جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔ بہرحال
باطل پرستوں کے متعلق فرمایا کہ وہ سخت گھاٹے میں رہ گئے کیونکہ انہوں نے اس
دنیا میں عطا کردہ پونجی کو ٹھیک طریقے سے استعمال نہیں کیا۔

قیامت کو لوگوں کی حالت

فرمایا جس دن قیامت برپا ہوگی وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً اس دن تو دیکھے
گا ہر امت، گروہ یا فرقے کو کہ وہ گھٹنے ٹیکنے والے ہوں گے۔ قیامت کے دن کی
کچھ کیفیت اللہ نے سورۃ الزلزال میں بھی بیان فرمائی ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ
زِلْزَالَهَا (آیت ۱) جب زمین ہلا دی جائیگی یعنی زمین پر زلزلہ طاری ہو جائے گا
جس طرح زلزلے کے دوران کوئی شخص کھڑا نہیں رہ سکتا بلکہ گر پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ
پرندے بھی درختوں سے اتر کر زمین پر اپنے پر پھیلا دیتے ہیں۔ فرمایا اسی طرح جب
قیامت کا زلزلہ برپا ہوگا تو کوئی شخص اپنی جگہ پہ قائم نہیں رہ سکے گا بلکہ سب لوگ
گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور پھر اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی کریں گے۔ گھٹنے
ٹیکنے سے مراد سخت تذلیل کی حالت ہے۔ جب کہ وہ اپنے پروردگار کے دربار
میں حاضر ہوں گے۔

اس آیت میں تَرٰی کا خطاب نبی علیہ السلام کی ذات پر بھی ہو سکتا ہے اور
اس سے ساری انسانیت بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام
کو خطاب کر کے ساری امت کو بات سمجھا دیتا ہے۔ تو زیادہ قرین قیاس یہی ہے
کہ یہاں پر حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے تمام لوگوں کو خبردار کر دیا گیا ہے کہ قیامت
والے دن ہر شخص، ہر جماعت اور ہر امت نہایت ذلت ناک حالت میں اللہ تعالیٰ کے
حضور پیش ہوگی۔ اس دن اس قدر دہشت طاری ہوگی کہ لوگ کھڑے بھی نہیں ہو
سکیں گے بلکہ گھٹنے ٹیکنے والے ہوں گے۔ اس قسم کی حالت اللہ نے قوم عاد اور ثمود

کا بھی بیان کیا ہے کہ عذاب کے وقت اُن کی حالت یہ تھی فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ (هود - ٦٧) کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنے ٹیکے ہوئے پڑے رہ گئے۔

بخاری شریف میں آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ (الحج - ١٩) کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے گھٹنے ٹیک کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کروں گا وہ کہہ کر مولا کریم! بدر کے مقام پر قریش سے ہم کیوں لڑے تھے۔ پڑھ کر ہم تو توحید، ایمان اور تیرے نام کو غالب بنانے کے لیے مقابلہ میں آئے تھے۔ بہرحال اسی حدیث میں بھی گھٹنے ٹیکنے یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اپنا معاملہ پیش کرنے کا ذکر ہے۔

نامۂ اعمال کی طرف بلاوا

پہلے تو قیامت کے دن لوگوں کی دہشت زدہ حالت کا ذکر کیا اور پھر فرمایا: كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعٰى إِلٰى كِتٰبِهَا ہر گروہ کو اُس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ کتاب کا اطلاق قرآن مجید پر بھی ہوتا ہے اور لوحِ محفوظ پر بھی۔ تاہم یہاں پر کتاب سے مراد وہ نامۂ اعمال ہے جس میں ہر انسان کے زندگی بھر کے اعمال درج ہوتے ہیں۔ یہ اعمال نامہ قیامت کے دن کھول دیا جائے گا۔ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتٰبِيَهْ (الحاقة - ١٩) اور کہا جائے گا کہ آؤ اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لو۔ مجرم لوگ یہ اعمال نامہ دیکھ کر ڈر جائیں گے اور بڑے افسوس کے ساتھ کہیں گے مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصٰهَا (الكهف - ٤٩) کہ یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہر چھوٹی بڑی چیز کو محفوظ کر رکھا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں ہر انسان کے قول و عمل کا ریکارڈ جمع کیا جاتا ہے۔ سورۂ قٓ میں بھی فرمایا مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (آیت - ١٨) انسان جو لفظ بھی زبان سے ادا کرتا ہے، اللہ کا مقرر کردہ نگران فرشتہ ٹیپ ریکارڈ کی طرح اُس کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الانفطار میں کراماً کاتبین کا ذکر بھی آتا ہے جو ہر انسان کے ساتھ مقرر ہیں اور اس کی ہر نیکی اور بدی لکھ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر چیز کو اپنے

ذاتی علم کی بناء پر جانتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کا یہ اعمال نامہ تیار کروا رہا ہے۔ تاکہ کوئی شخص اپنے کسی قول و فعل کا انکار نہ کر سکے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ ہر شخص کو اُس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا ہر عمل اس کے نفس سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر آدمی کی استعداد اُس کی روح میں موجود نسمہ میں ہوتی ہے۔ ہر کام انسان کے نفس سے اُٹھتا ہے، پھیلتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ پلٹ کر نفس کے دامن کو پکڑ لیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اعمال ہمارے اعضا کے ساتھ چپٹے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن جب حساب کتاب کی منزل آئے گی تو سورۃ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آیت - ۶۵) اُس دن ہم مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور اعضاء بول کر بتائیں گے کہ یہ شخص دُنیا میں کیا کرتا رہا۔ زبان بند ہوگی۔ مگر ہاتھ، پاؤں، کان اور ران بول کر گواہی دیں گے۔ اُس دن انسان کو محسوس ہوگا کہ اُس کے اعمال اُس کے اعضاء کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

مسند احمدؒ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی ابو عبداللہؓ بیمار ہو گئے۔ لوگ عیادت کے لیے گئے تو آپ آبدیدہ ہو گئے۔ لوگوں نے کہا، اے ابو عبداللہ! کیا حضور علیہ السلام نے آپ کو جنت کی خوشخبری نہیں سنائی تھی کہ اپنی مونچھیں کاٹ دو اور پھر اس عمل کو برقرار رکھنا حتیٰ کہ مجھ سے آن ملو؟ کہنے لگے یہ تو درست ہے لیکن میں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی دائیں مٹھی میں ہوں گے اور کچھ بائیں مٹھی میں۔ دائیں مٹھی والے جنت میں جائیں گے اور بائیں والے جہنمی ہوں گے۔ کہنے لگے رونا اس لیے ہوں کہ مجھے علم نہیں کہ میرا نمبر دائیں مٹھی میں آئے گا یا بائیں مٹھی میں، مجھے ہر وقت اسی بات کی پریشانی لاحق رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی صلاحیت کو جانتا ہے اور اسی علم کی بناء پر وہ لوگوں کو دو مختلف مٹھیوں میں بند کرے گا۔ بہرحال انسان کے

اعمال اُس کے نفس کے دامن کے ساتھ چمٹ کر محفوظ ہو جاتے ہیں اور انسان کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حتیٰ کہ رائی کے دانے کے کروڑ ویں حصے کا عمل بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ وہ نفس کے اندر بھی محفوظ ہے اور خارج میں بھی اللہ نے فرشتوں کے ... ہر عمل کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔

جزائے عمل کی منزل

بہرحال فرمایا کہ ہر گروہ کو اُس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ اور انہیں بتا دیا جائے گا۔ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یہ ہمارا دفتر ہے۔ جو حق کے ساتھ بولتا ہے۔ اللہ نے ان کو ٹھیک طریقے سے محفوظ کر رکھا ہے اور ان میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی کا امکان نہیں ہوتا۔ نامہ اعمال کی باقاعدہ ترتیب کے علاوہ انسان کے اعمال کی روزانہ، ہفتہ وار اور سالانہ رپورٹیں بھی مرتب ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ انسان کے رات کے اعمال کی رپورٹ فجر کی نماز کے وقت اور دن کے اعمال کی رپورٹ عصر کی نماز کے وقت اُوپر جاتی ہے فرمایا انسان کی ہر چیز ہمارے دفتر میں لکھی ہوئی ہے جو حق کے ساتھ بول کر بتلا رہی ہے۔ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بے شک ہم ہی لکھوایا کرتے تھے جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔ فرشتے ہمارے ہی حکم سے تمہارا نامہ اعمال تیار کرتے تھے اور پھر بعض اعمال ایسے پیچیدہ (COMLICATED) ہوتے تھے کہ جن کو فرشتے تحریر کرنے سے عاجز آجاتے تھے۔ ان کے متعلق حکم ہوتا تھا کہ ان اعمال کو اسی طریقے سے درج کر دو، اُن کی شکل و صورت ہم خود بنالیں گے غرضیکہ ظاہری، باطنی، چھوٹے، بڑے، حتیٰ کہ باریک ترین قلبی اعمال بھی لکھ لیے جاتے تھے اور لکھنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ دیتے تھے۔

مذکورہ اعمال کے نتیجے میں جزائے عمل واقع ہوگا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پس بہرحال جو لوگ دنیا میں ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے۔ انہوں نے اپنی زندگی، اعضاء اور صحت کو اچھے کام پر لگایا۔ والا بل قدرت

میں غور و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے ، اللہ کے نبیوں ، کتابوں ، فرشتوں
اور معاد پر یقین کیا۔ اس کے بعد نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، پر عمل کرتے رہے ، جہاد کیا ، صدقہ و
خیرات کرتے رہے اور دیگر نیکی کے کام کرتے رہے۔ فرمایا فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ
فِيْ رَحْمَتِهٖ پس اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے گا۔ وہ لوگ جنت
میں چلے جائیں گے اور حظیرۃ القدس کے ممبر بن جائیں گے۔ فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ یہ ہے بین کامیابی۔ ایسے لوگ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو گئے اللہ تعالیٰ
اُن کو جنت میں لاتعداد نعمتوں سے نوازے گا۔

اس کے برخلاف وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار
کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زندگی ، عقل اور صحت جیسی قیمتی پونجی سے کفر ، شرک ،
نفاق اور بدعات کو خریدا تو ایسے لوگوں سے پوچھا جائے گا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ کیا اللہ کے نبی
مبلغ اور مصلح (REFORMERS) تمہارے پاس نہیں آئے تھے
اور تم کو نیکی کا راستہ نہیں بتایا تھا؟ اس کا جواب یقیناً مثبت ہوگا کہ ہمارے پاس اللہ کے
رسول واقعی آئے تھے اور انہوں نے اللہ کی آیات بھی پڑھ کر سنائی تھیں ، ہر نیک و بد
سے آگاہ کیا تھا مگر یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اُن کی باتوں پر یقین نہ کیا۔ اللہ فرمائے گا
فَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے درحقیقت تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور
رسولوں کی تکذیب کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اُن کی قوم کے متکبرین نے یہی
جواب دیا تھا ، کیا تمہاری نمازیں تمہیں یہی سکھاتی ہیں کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں
کو چھوڑ دیں یا اپنے مالوں میں تصرف کرنا ترک کر دیں۔ تو اپنی نمازوں کی خیر منا ، تجھے
ہمارے اموال سے کیا واسطہ؟ ہم اسے جس طرح چاہیں لہو و لعب اور عیاشی فحاشی
میں خرچ کریں ، تم کون ہوتے ہو ہم پر پابندیاں لگانے والے۔ ابوجہل کی طبیعت
میں بھی بڑا تکبر تھا۔ تمام بڑے بڑے سرمایہ دار دین کے مقابلے میں غرور و تکبر کا اظہار
کرتے ہیں اور اہلِ حق کو حقیر جانتے ہیں۔ فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو مہین یعنی حقیر

کا خطاب دیا تھا۔ تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ تم نے تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں اور نبیوں کو جھٹلایا۔ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ اور مجرم لوگ بن گئے۔ اب تم اپنے جرم کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھگتو۔ ان کی سزا کا ذکر اگلی آیتوں میں آ رہا ہے

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان کی طبیعت سے تکبر کو نکالنا بڑا ہی دشوار کام ہے سوئی کے ناکے سے پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینا تکبر کو نکالنے کے مقابلے میں آسان ہے۔ تکبر ابلیس کی بیماری ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ۔ ۳۴) اُس نے حکم خداوندی کا انکار کیا، تکبر کیا اور کافروں میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر جاننا ہی تکبر ہے جو انسان کو مجرموں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ناکام بنا دیتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٣﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذَٰلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

ترجمہ:۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کیا ہے قیامت ؟ ہم نہیں خیال کرتے ہیں مگر ایک گمان ۔ اور نہیں ہیں ہم یقین کرنے والے ﴿۳۲﴾ اور ظاہر ہو جائیں گی برائیاں جو وہ کرتے

تھے۔ اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے (۳۳) اور کہا جائے گا کہ آج کے دن ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جیسا کہ تم نے فراموش کر دیا تھا اس دن کی ملاقات کو۔ اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہو گا (۳۴) یہ اس لیے کہ بیشک تم نے بنا لیا اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا کیا ہوا۔ اور تم کو دھوکہ دیا دنیا کی زندگی نے۔ پس آج کے دن نہ نکالے جائیں گے اس (دوزخ) سے اور نہ ان کو موقع دیا جائے گا (کہ وہ خدا کو راضی کر سکیں) (۳۵) پس اللہ ہی کے لیے ہے تعریف جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور پروردگار ہے سب جہانوں کا (۳۶) اور اسی کے لیے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں، اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے (۳۷)

ربطِ آیات

سورۃ جاثیہ حوامیم سبعہ میں چھٹے نمبر پر ہے۔ اگلی سورۃ الاحقاف پر یہ ساتوں سورتیں ختم ہو جائیں گی۔ ان سورتوں کو لباب القرآن یعنی قرآن کا لب لباب اور نچوڑ کہا گیا ہے ان میں دین کے بنیادی عقائد اور اصول بیان کیے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی توحید اور اس کے دلائل، مشرکین کا رد، شریعت کا اتباع، تکبر کی تردید اور بعض دوسرے اہم مسائل بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ کے اس آخری حصہ میں قیامت کا تذکرہ ہے۔ گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی تمام باطل پرست اور بدعقیدہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ ہر گروہ گھٹنے ٹیک کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرے گا۔ پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے زجر و توبیخ ہوگی۔ اہلِ ایمان کو اچھا بدلہ ملیگا اور یہ ان کی واضح کامیابی ہوگی۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کا راستہ اختیار کیا، ایمان سے محروم رہے ان کو ڈانٹ پلائی جائے گی اور کہا جائیگا کہ

وقوع قیامت کا انکار

کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں مگر تم تکبر کرتے تھے اور یقیناً تم مجرم لوگ تھے

اب آج پہلی آیت میں متکبر اور مغرور لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے وَاِذَا قِیْلَ

اور جب کہا جاتا تھا اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیْبَ فِیْھَا کہ جب اللہ

کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ

مَا السَّاعَۃُ تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کیا ہے قیامت؟ اور تم یہ

بھی کہا کرتے تھے اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ہم تو اسے محض ایک ہلکا سا وہم یا گمان ہی

تصور کرتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ قیامت آئے گی۔ اس دنیا کی ہر چیز ختم ہو جائیگی۔

پھر نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا، اللہ تعالیٰ کا دربار لگے گا۔ مُردے قبروں سے اُٹھ

کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے حساب کتاب کی منزل آئیگی اور پھر جزا اور

سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کہتے تھے ہم تو ایسی چیزوں کو ایک وہم تصور کرتے

ہیں وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ اور ہم ان باتوں پر یقین لانے والے نہیں ہیں۔

تیسری باتیں مشرک لوگ تکبر اور غرور کی بنا پر کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ آج ہمارے

پاس مال و دولت ہے۔ جاہ و اقتدار ہے اور یہ چیزیں ہمیشہ ہمارے شامل حال

رہیں گی۔ ہم اس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے رہیں گے اور ایمان

کے دعویداروں کی جنت، دوزخ اور بعث بعد الموت محض ڈھکوسلے ہیں۔ جن کی

کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اعمال نامہ کی پیشی

اللہ کا فرمان ہے یہ بدبخت کس بنا پر جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں۔

ان کو جان لینا چاہیئے وَبَدَا لَھُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا انہوں نے دنیا میں

رہ کر جن برائیوں کا ارتکاب کیا قیامت والے دن وہ سب ان کے سامنے

کھول دی جائیں گی۔ ان کے کفریہ اور شرکیہ افعال اور رسومات باطلہ سب سامنے

آجائیں گی، گزشتہ درس میں بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ھٰذَا کِتٰبُنَا

یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ یہ ہے ہمارا دفتر جو تمہارے اعمال کے متعلق ٹھیک

ٹھیک بتلا رہا ہے کیونکہ تمہارا ہر عمل ہم فرشتوں سے لکھوا دیا کرتے تھے۔ ہر چیز

ہمارے علم میں بھی تھی اور لوح محفوظ میں بھی درج تھی مگر تمہارے نگران فرشتے بھی تمہارے اعمال و اقوال کو لکھتے جاتے تھے۔ دنیا میں تو برائی کا ارتکاب کرتے وقت لوگوں کی نظروں سے بچ جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ تمہارے افعال کا کسی کو علم نہیں ہوا مگر وہ ایک دفتر میں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ جو آج تمہارے سامنے موجود ہے۔ سورۃ الطارق میں بھی فرمایا يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (آیت ۔ ۹) اس دن تمام راز کھل جائیں گے اور کوئی چیز مخفی نہیں رہیگی۔ سورۃ الکہف میں ہے کہ انسان اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائے گا اور کہے گا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (آیت ۔ ۴۹) یہ کیسی کتاب ہے جو کسی چھوٹی بڑی چیز کو احاطہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔

الغرض: فرمایا کہ ان کی تمام برائیاں قیامت والے دن ظاہر کر دی جائیں گی وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور گھیرے گی ان کو وہ چیز جس کے ساتھ یہ ٹھٹا کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے قرآن، اس کے نبیوں، کتابوں، فرشتوں، شریعت اور توحید کا تمسخر اڑایا کرتے تھے آج یہی چیزیں ان کے لیے عذاب کا باعث بن جائیں گی۔

رحمت سے دوری

پھر ان مجرموں کے لیے یہ ارشاد بھی ہوگا وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ کہا جائے گا۔ آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا جس طرح تم نے دنیا میں اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا۔ اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا کسی چیز کو بھول جانا تو عین ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے۔ وہ سہو، نسیان اور غلطی سے پاک ہے۔ پھر اس کے فراموش کر دینے کا کیا مطلب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واقعی کسی چیز کو نہیں بھولتا، مگر یہاں پر فراموش کر دینے سے مراد اپنی رحمت سے دور کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے دنیا میں رہ کر کبھی قیامت کا تصور بھی نہیں کیا تھا، اس کو ایک فراموش شدہ چیز بنا دیا تھا۔ آج

ہم بھی تمھارے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے جیسے کسی فراموش شدہ آدمی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور تمھیں اپنی رحمت کا سایہ نصیب نہیں کریں گے۔

بھول جانا انسان کا خاصہ ہے۔ خود حضور علیہ السلام سے بھی کچھ دفعہ نماز میں بھول ہوئی۔ ایک موقع پر جب آپ نماز میں بھول گئے تو فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ میں بھی تمھاری طرح انسان ہوں، تمھاری طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ بہرحال فرمایا کہ قیامت کے دن تمھیں بھول جانے کا معاملہ اس وجہ سے ہوگا کہ تم نے دنیا میں اس دن کو بھلا دیا۔ اب اس کا بدلہ یہ ہوگا وَمَاْوٰىکُمُ النَّارُ کہ تمھارا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا وَمَا لَکُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ اور نہ ہی تمھارا کوئی مددگار ہوگا۔ جو تمھیں عذاب سے بچا سکے اور یاد رکھو! تمھیں یہ سزا اس وجہ سے ملے گی ذٰلِکُمْ بِاَنَّکُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ٹھٹا کیا ہوا بنا لیا۔ جب تمھارے سامنے خدا تعالیٰ کا قرآن، اس کے احکام، دلائل اور شریعت پیش کی جاتی تھی تو تم ان چیزوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے، آج اس کے بدلے میں یہ عذاب چکھو۔ اس کے علاوہ تمھاری بدبختی کی ایک وجہ یہ بھی تھی وَغَرَّتْکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا کہ دنیا کی زندگی نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا تم سمجھتے تھے کہ دنیا کا عیش و آرام ہمیشہ اسی طرح رہے گا اور ہم سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ حالانکہ تمھارا یہ مال و دولت اور آرام و آسائش بالکل عارضی تھا مگر اس نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا اور تم اسی پر مفتون ہو کر رہ گئے۔ ایک عربی شاعر بھی کہتا ہے غَرَّنِیْ شَبَابِیْ میری جوانی نے مجھے دھوکے میں ڈال دیا۔ دنیا کے ساز و سامان کی مثال سراب کی سی ہے۔ آدمی چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر آگے بڑھتا ہے مگر اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی ایک دھوکہ ہے۔ جو شخص اس دھوکے میں آگیا اور اسی کا ہو کر رہ گیا، وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگیا۔ یہ

دنیا کے لوازمات تو اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ ان میں دل لگانے کی بجائے ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے، نہ کہ انہیں پا کر دھوکے میں پڑ جانا چاہیئے۔

فرمایا ان بختوں کو جس سزا میں آج مبتلا کیا گیا ہے فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا ان کو اس سے نکالا بھی نہیں جائے گا، بلکہ یہ ہمیشہ اسی میں رہتے رہیں گے وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ اور نہ ہی ان کو کوئی موقع دیا جائے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کو راضی کر کے اس عذاب سے نکل سکیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو منانے کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے کردہ گناہوں کی معافی طلب کر لیں۔ یہ تو اسی دنیا میں ممکن ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے تو اللہ غفور و رحیم ہے مگر قیامت والے دن ایسا نہیں ہو سکے گا کیونکہ اس وقت انسان دارالعمل سے دارالجزا میں پہنچ چکا ہو گا۔

کائنات کا پروردگار

آگے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر ہے فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ پس تعریف ہے اللہ تعالیٰ کے لیے رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ جو آسمانوں اور زمین کو پروردگار ہے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ان تینوں صفات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ہے۔ اگرچہ تمام مختلف چیزیں ہیں مگر رب سب کا ایک ہی ہے۔ مشرک تو کہتے ہیں کہ آسمان، زمین، فضاؤں اور ہواؤں کے دیوتا مختلف ہیں۔ اسی طرح ہندومت والے کہتے ہیں کہ پیدا کرنے والا، باقی رکھنے والا اور فنا کرنے والا تینوں مختلف خدا ہیں، حالانکہ رب تو ہر چیز کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ انسان کی تخلیق بھی وہی کرتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ بھی وہی لوٹائے گا۔ پوری کائنات پر اسی کی ربوبیت چل رہی ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا رب بھی نہیں ہے۔ رب کا معنی پروردگار ہے جو ہر چیز کی بتدریج پرورش کر کے اسے حدِ کمال تک پہنچاتا ہے اور اس کی زیست کا سامان مہیا کرتا ہے۔ وہ اس جہان کا بھی رب ہے، برزخ کا بھی اور ملکوت

ناصمی دہی پروردگار ہے۔

خدا تعالیٰ کی کبریائی

آگے فرمایا وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بڑائی بھی اسی کے لیے ہے آسمانوں میں اور زمین میں عظمت کا مالک بھی وہی ہے جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ وہی باقی ہے اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔ جن انسان، فرشتے، ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے ؎

سزاوار است کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

بڑائی اور عظمت تو اسی کے لائق ہے جس کی ذات قدیم اور ازلی ہے۔ اور جس کی بادشاہی دائم ہے۔ اسی لیے ہم ہر وقت اللہ اکبر کہ کر اسی کی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں بڑائی اسی کو سزاوار ہے جس کی ہر چیز ذاتی ہے اور کسی دوسری ہستی کی کوئی چیز ذاتی نہیں بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۲) ہر چیز کا خالق وہی ہے، باقی سب مخلوق ہے اور اسی کی محتاج ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت ۲۹) ارض و سما کی ہر چیز اسی کی سوالی ہے، کوئی زبانِ حال سے مانگ رہا ہے اور کوئی زبانِ قال سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ اِزَارِي یعنی بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے۔ جو شخص اس بڑائی اور عظمت کو اپنے اوپر اوڑھنا چاہے گا، فرمایا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔ سورۃ مومن میں بھی گزر چکا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (آیت ۶۰) جو لوگ میرے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے تکبر کرتے ہیں، میں ان کو ذلیل کر کے دوزخ میں ڈالوں گا۔ میرے بندوں کو میرے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیے اور مجھ سے سوال کرنا چاہیے۔ غرضیکہ غنی اور صمد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ اس کے سوا کوئی کسی کی حاجت براری کر سکتا ہے۔ نہ

کسی مشکل کو حل کر سکتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی جہانبانی صرف اسی وحدہٗ لاشریک کے لیے روا ہے۔

فرمایا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وہ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک غالب اور حکمتوں والا ہے۔ قوت کا سرچشمہ وہی ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ (یوسف ۔ ۲۱) وہ اپنی تدبیر میں غالب ہے، باقی ساری مخلوق مغلوب ہے۔ وہ حکمتوں والا بھی ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ارض و سما کی تخلیق، بعثتِ انبیاء، نزولِ کتب، وقوعِ قیامت اور جزائے عمل سب اس کی حکمت کا شاہکار ہیں۔ لہٰذا اسی کی عظمت اور توحید پر یقین رکھنا چاہیے کہ یہی ایمان کا ایک جزو ہے۔

سُورَةُ

الاحقاف

مکیّہ

درس اوّل ۱ — آیت ۱ تا ۷

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احقاف مکی ہے۔ اس کی پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

ترجمہ:- حٰمٓ ① اترنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکمتوں والا ہے ② نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُس چیز سے جس کے ساتھ ان کو ڈرایا گیا وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں ③ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بھلا تم بتلاؤ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھاؤ مجھے کیا پیدا کیا ہے انہوں نے زمین میں۔ یا ان کے لیے کچھ شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے یا کوئی باقی ماندہ علم کی بات اگر تم سچے ہو ④ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو پکارتا ہے اللہ کے سوا اُس کو کہ وہ نہیں اس کی پکار کو پہنچتا قیامت تک۔ اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں ⑤ اور جب اکٹھے کیے جائیں گے لوگ تو ہوں گے وہ ان کے دشمن، اور ان کی عبادت سے انکار کرنے والے ہوں گے ⑥ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا حق کا جب کہ ان کے پاس آیا کہ یہ تو صریح جادو ہے ⑦

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الاحقاف ہے۔ احقاف جمع ہے حقف کی جس کا معنی ریت کا ٹیلہ ہوتا ہے۔ قوم عاد جزیرۃ العرب کے [illegible] میں آباد تھی۔ یہاں پر ریت کے بڑے بڑے ٹیلے پائے جاتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں قوم عاد کا ذکر ہے۔ اس لیے اُس مقام کی خصوصیت کی نسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ الاحقاف رکھا گیا ہے۔ سورۃ حوامیم سبعہ کی آخری سورۃ ہے جو کہ مکی زندگی کے آخری دور میں سورۃ الجاثیہ

کے بعد نازل ہوئی اسکی پینتیس ۳۵ آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ مبارکہ ۶۴۳ کلمات اور ۲۶۰۰ حروف پر مشتمل ہے

مضامین سورۃ

اس سورۃ کا موضوع اور مضامین حوامیم سبعہ کی دیگر سورتوں کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ اس میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید باری تعالیٰ، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت و صداقت کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر بنیادی دینی عقائد بیان ہوئے ہیں۔ اس سورۃ میں قوم عاد کا ذکر ہے، مشرکین کی مزعومہ غلط سفارش کی تردید کی گئی ہے۔ دعوت الی القرآن کا ذکر اس سورۃ میں بھی آگیا ہے۔ جنات کے اسلام لانے کا تذکرہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً اولوالعزم انبیاء کا ذکر بھی اس سورۃ میں آگیا ہے۔ اس کے علاوہ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کا باب بھی بیان ہوا ہے۔

حروف مقطعات

ان سات سورتوں کو حوامیم سبعہ کا نام اسی لیے دیا گیا ہے کہ ان سب کا آغاز حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوا ہے۔ اگرچہ ان حروف کے قطعی اور یقینی معانی حضور علیہ السلام نے بیان نہیں فرمائے، تاہم بعض صحابہؓ اور بعد میں آنے والے مفسرین کرام نے تقریب فہم کے لیے ان حروف کے کچھ معانی بتائے ہیں۔ چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ ح سے حکم الٰہی اور م سے مجد ملک مراد ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ حکم خداوندی اور بادشاہی کی بزرگی اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہی ثابت ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے متبادر ہوتا ہے ارض و سما اور پوری کائنات میں حکومت فقط خدا تعالیٰ کی ہے اور بزرگی اور عظمت بھی اسی کے لیے ثابت ہے۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حمایت کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی وحدانیت رکھنے والوں کی حمایت کرتا ہے۔ اور م کا اشارہ مرضیاتِ حق کی طرف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ پسندیدہ باتیں کہ اہلِ ایمان اور اہلِ توحید جن کی تلاش میں رہتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ ح سے مراد حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی ہے جس کے متعلق خود خدا تعالیٰ کا حکم ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جانا اور ق سے مراد متین یعنی محفوظ ہے۔ گویا جس رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ہر طرف سے محفوظ بھی ہے۔ اس رسی سے مراد قرآن کریم ہے جس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینے سے انسان ٹھوکر سے بچ جائے گا اور عالم بالا کی طرف چلا جائے گا۔ ایسا کرنے سے وہ گویا کامیاب ہو جائے گا۔

بعض فرماتے ہیں ح کا اشارہ حلیہ یعنی زیور کی طرف ہے کیونکہ قرآن کریم بھی ایک زیور ہے۔ اور ق سے مراد مزین ہے۔ جس طرح زیور پہن کر انسان زینت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم بھی بنی نوع انسان کے لیے کمال درجے کی زینت کا باعث ہے۔ ان تمام ظنی معانی کے باوجود صحیح اور زیادہ سچائی والی بات یہی ہے کہ ان حروف کے حقیقی معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اُس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے اور ہمارا اُس پر ایمان ہے۔

نزول کتاب

حوامیم سبعہ کی ہر سورۃ کا آغاز قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت سے ہوا ہے۔ یہاں پر بھی ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کتاب یعنی قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزیز یعنی زبردست اور غالب ہے۔ ہر چیز اُس کی مطیع ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز بھی اُس کے غلبہ سے باہر نہیں ہے۔ وہ حکیم بھی ہے کہ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات کی تخلیق، انسانوں، جنوں اور فرشتوں کی پیدائش، آسمانوں، اُس کے کروں اور زمین کی تخلیق، ایک خاص مدت تک کے لیے مقرر کردہ نظام شمسی اور پھر اس کے بعد پورے نظام کی تبدیلی، قیامت کا برپا ہونا، حساب کتاب کی منزل اور جزائے عمل کی منازل سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہیں۔

تخلیق ارض و سما

اگلی آیت کریمہ میں اسی بات کی وضاحت ہے مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ یعنی کائنات کی تخلیق بیکار محض نہیں ہے

بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے وَاَجَلٍ مُّسَمًّی اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے۔ یہ سارا نظام دائمی نہیں ہے بلکہ جب اس کی مقررہ مدت مکمل ہو جائے گی تو یہ درہم برہم ہو جائے گا۔ پھر نئی زمین اور نیا آسمان ان کی جگہ لے لیں گے۔ اور عالم بالا کے تمام معاملات پیش آئیں گے۔

فرمایا وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے، تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ کوئی قیامت برپا ہوگی، نہ حساب کتاب کی منزل آنے کی امید نہ ہی ہم سے کوئی باز پرس کریگا۔ لہٰذا جزا اور سزا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ انہی حقائق سے یہ لوگ اعراض کر کے ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ جس شخص کو آخرت میں حساب کتاب اور پھر جزائے عمل کا احساس تک نہ ہوگا۔ وہ اس کے لیے تیاری کیا کرے گا اور پھر اس امتحان میں کامیاب کیسے ہوگا؟ ایسے شخص کو ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

توحید کا اثبات

اگلی آیت توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بھلا تم بتلاؤ کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اُن کی عبادت کرتے ہو، اُن کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہو اور اُن سے مشکل کشائی اور حاجت روائی چاہتے ہو اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا چیز پیدا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ معبود وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو۔ یہ عقل کی بات ہے۔ اگر انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے تو وہ چیز اُس کی معبودیت کی عقلی دلیل بن سکتی ہے۔ اپنے ارد گرد نظر مار کر دیکھو کہ انہوں نے زمین میں کوئی شجر، حجر، دریا، پہاڑ، پھل، سبزیاں، جانور، کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہوں۔ جب یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنے

کہ تمھارے پاس دلیل ہے؟ اگر زمین میں معبودانِ باطلہ کی پیدا کردہ کوئی چیز نظر نہیں آتی اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ۚ تو کیا آسمانوں کی تخلیق میں اُن کی کوئی شراکت ہے کہ انہوں نے کوئی آسمان بنایا ہو یا کوئی آسمانی کرہ پیدا کیا ہو یا کوئی آسمانی مخلوق پیدا کی ہو۔ آخر کس بناء پر تم اِن کو پکارتے ہو اور ان کو معبود سمجھتے ہو؟ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس حقیقت کو دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے علاوہ تمام مذاہب والے تسلیم کرتے ہیں۔ تو جب خالق وہ ہے تو پھر معبود کوئی دوسرا کیسے ہو سکتا ہے؟

فرمایا، اگر تم شرک کے ثبوت میں کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر کوئی نقلی دلیل ہی لے آؤ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ یعنی اس قرآن سے پہلے کی کوئی آسمانی کتاب لے آؤ جس میں لکھا ہو کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ اور یہ بات بالیقین ثابت ہے کہ کسی بھی آسمانی کتاب میں شرک کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ہر صحیفہ اور کتاب میں شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ملتا ہے۔ فرمایا اگر کوئی کتاب بھی پیش نہیں کر سکتے اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ تو علم کی کوئی باقی ماندہ بات ہی پیش کر دو جو توارث کے ساتھ نقل ہوتی آ رہی ہے۔ نقلی دلیل کے طور پر یا تو کوئی کتاب پیش کی جا سکتی ہے یا کسی نیک، صالح، اولیاء اللہ، حکیم یا کسی نبی یا دانش ور کا قول پیش کیا جا سکتا ہے۔ شرک کے حق میں ان میں سے کوئی قول ثبوت کے طور پر پیش کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں۔ اللہ کا ہر نبی، ولی، مبلغ اور صالح آدمی ہمیشہ توحید کی دعوت دیتا رہا ہے اور شرک کی طرف کبھی کسی نے دعوت نہیں دی۔

دانشوروں میں سے لقمانؑ بہت بڑے حکیم اور دانشور گزرے ہیں۔ جن کا تذکرہ اللہ نے قرآن پاک میں کیا ہے اور جن کے نام پر ایک سورۃ بھی ہے۔ اُن کا بیان قرآن میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، يٰبُنَىَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ (لقمن - ۱۳) اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ جس کی اللہ کے ہاں معافی کا کوئی

قانون ہی نہیں ہے۔ موطا امام مالکؒ میں پہلے انبیاء کے اقوال میں سے ایک یہ قول بھی ملتا ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب تم سے حیاء کا مادہ اٹھ جائے تو پھر جو جی چاہے کرتے پھرو۔ فارسی کا محاورہ بھی ہے: بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔ یعنی بے حیا بن کر جو دل چاہے کرو۔ پھر تمہیں کس کی پرواہ ہو گی۔ مقصد یہ کہ جب تم عقلی یا نقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر جو چاہو کرتے پھرو۔ اپنے زعم باطل سے کسی کو معبود بنا لو، حاجت روا اور مشکل کشا کہہ لو۔ تمہیں کون پوچھنے والا ہے۔ الغرض فرمایا کہ شرک کے حق میں اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لے آؤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مطلوبہ دلیل پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔

بدترین گمراہی ندا لغیر اللہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ندا لغیر اللہ کو بدترین گمراہی قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے اور جن کو پکار رہا ہے۔ اُن کی حالت یہ ہے مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کہ وہ اُس کی پکار کو قیامت تک نہیں پہنچ سکتے۔ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ اور جن کو پکارا جا رہا ہے وہ اُن کی پکار سے یکسر غافل ہیں۔ انہیں علم ہی نہیں کہ کون کس کو پکار رہا ہے اور اس کا کیا مقصد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کی پکار کو سُنے گا نہیں تو اُس کو جواب کیا دے گا خواہ وہ قیامت تک پکارتا رہے۔ اللہ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے یا تو وہ مٹی، پتھر یا لکڑی کے بت ہوتے ہیں جو روح اور عقل و شعور سے ویسے ہی خالی ہیں۔ لہذا اُن کے کسی کی پکار کو سُننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کی مثال اللہ نے سورۃ الرعد میں بیان فرمائی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے کی مثال ایسی ہے كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ (آیت ۱۴) کہ کوئی شخص دریا کے کنارے کھڑے ہو کر پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کہ اس کے منہ میں چلا جائے مگر ایسا کبھی نہ ہو گا۔ جب تک کہ انسان خود پانی کو اٹھا کر اپنے منہ میں

نہیں ٹلے گا۔ غیر اللہ کو پکارنا بھی ایسا ہی ہے کہ قیامت تک پکارتے رہو، وہاں سے کوئی جواب نہیں آئے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جن کو پکارا جا رہا ہے وہ جن، فرشتے یا انسانوں میں سے انبیا، اولیا یا شہدا ہوں۔ یہ لوگ تو اپنی طبعی عمر پوری کر کے اللہ کے ہاں بہشتوں میں پہنچ چکے ہیں۔ اب اگر کوئی اس دنیا میں کھڑا ہو کر پکار رہا ہے تو وہ اتنی دور سے اس کی پکار کیسے سن لیں گے؟ فرشتوں کے متعلق سورۃ سبا میں موجود ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کرے گا تو فرشتوں سے پوچھے گا اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ (آیت ۔ ۴۰) کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری پوجا کرتے تھے تو وہ فرشتے جواب دیں گے کہ پروردگار! تو پاک ہے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے سوا۔ یہ لوگ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ فرشتے بھی مشرکوں کی پکار کا انکار کر دیں گے۔ غرضیکہ جانداروں کے متعلق سورۃ فاطر میں موجود ہے کہ مشرک لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو لَا يَسۡمَعُوۡا دُعَآءَكُمۡ وَلَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَكُمۡ (آیت ۔ ۱۴) تو وہ تمہاری پکار کو سنتے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت والے دن وہ تمہارے اس شرک سے انکار کر دیں گے۔ الغرض! اللہ کے سوا کسی کو بھی پکارا جائے، وہ مشکل کشائی اور حاجت روائی کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا (البقرہ ۔ ۱۶۵) طاقت تو ساری کی ساری خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور مخلوق کے پاس جو قوت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے اور عارضی ہے۔ اللہ جب چاہے اسے سلب کرنے پر قادر ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہو سکتا ہے جو قادر مطلق ذات کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکار رہا ہے۔

معبودان کی طرف سے انکار

پھر فرمایا وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ جب قیامت والے دن سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ كَانُوۡا لَهُمۡ اَعۡدَآءً تو وہ (معبود) ان (عابدوں) کے

دشمن بن جائیں گے۔ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ اور اُن عابدوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے کہ ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کیا کرو۔ تم تو شیطان کے نقشِ قدم پر چل کر اس حالت تک پہنچے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو؟ تو وہ بھی جواب دیں گے۔ پروردگار! مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ (المائدہ۔ ۱۱۶) یہ میرے لیے کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کرتا جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا۔ باقی سب ان کی اپنی کرتوتیں ہیں جن کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ اسی طرح فرشتے بھی اپنی عبادت سے انکار کر دیں گے اور مشرکوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ الغرض! اپنی حاجات میں صرف اللہ کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے فرمایا فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (المؤمن۔ ۱۴) پس اللہ کو پکارو اس حال میں کہ خالص اسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔

فرمایا ان بدبختوں کا اس وقت یہ حال ہے وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ کہ جب ہماری واضح آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ تو جن لوگوں نے حق آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیا، وہ کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ العیاذ باللہ۔ ہر زمانے کے کافروں اور مشرکوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ جب بھی انہوں نے حق کی تاثیر دیکھی، کتاب الٰہی کی تاثیر دیکھی یا کوئی معجزہ کارگر ہوا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے بھی چلتا تھا، آج بھی چل رہا ہے۔ مشرکین مکہ اور عرب کے متعلق بھی فرمایا کہ جب ان کے سامنے ہماری واضح واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ انہیں جادو کہہ کر انکار کر دیتے ہیں اور حق کو قبول کرنے کی بجائے باطل رسوم بلکہ شیطان کے نقشِ قدم پر ہی چلتے رہتے ہیں جو انہیں ان کے تمام اعمالِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ مزین کر کے دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ انہی پر چلتے رہو کیونکہ یہی تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے اور اسی پر تمہاری عزت اور وقار کا دارومدار ہے۔

دعوتِ الٰہی کا انکار

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ
لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ
كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۸﴾
قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي
مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ
وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ
مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن
بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ :- کیا کہتے ہیں یہ لوگ کہ (پیغمبر نے) اس (قرآن) کو
گھڑ لیا ہے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا
ہے تو نہیں مالک تم میرے لیے اللہ کے سامنے کسی
چیز کے ۔ وہ خوب جانتا ہے اُن باتوں کو جن کے اندر
تم لگتے ہو ۔ کافی ہے وہ گواہ میرے درمیان اور
تمہارے درمیان ۔ اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے ⑧
آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) نہیں ہوں میں کوئی انوکھا رسولوں
میں سے ۔ اور میں نہیں جانتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ
اور نہ (یہ) جانتا ہوں کہ کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ ۔ میں

نہیں اتباع کرتا مگر اُس چیز کا جو وحی کی جاتی ہے میری طرف اور نہیں ہوں میں مگر کھول کر ڈر سنانے والا ⑨ آپ کہہ دیجئے بھلا بتلاؤ۔ اگر ہو یہ کتاب اللہ کی طرف سے اور تم نے اس کے ساتھ کفر کیا۔ اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے بنی اسرائیل میں سے ایسی کتاب پر۔ پس وہ ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اُس قوم کی جو ظلم کرنے والی ہو ⑩

کلام الٰہی میں اشتباہ

آج کے درس کی پہلی آیت گذشتہ درس کی آخری آیت سے مربوط ہے گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب کفار کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ اُن کے اثر کے اعتبار سے کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے اب اللہ نے فرمایا ہے کہ ان بدبختوں نے اس سے بھی بُری بات کی ہے اور وہ یہ کہ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کلام کو گھڑ لیا ہے گویا قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود ساختہ ہے۔ نعوذ باللہ۔ مگر اللہ نے اس کی تردید فرمائی اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا۔ قُلۡ آپ کہہ دیجئے اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَلَا تَمۡلِكُوۡنَ لِىۡ مِنَ اللّٰهِ شَيۡــًٔا کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو پھر تم میرے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز کے مالک نہیں ہو۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک کو خود بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے مرتکب کو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا نہیں سکتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس الزام سے قطعاً انکار کر دیا کہ میں ایسے بڑے جرم کا ارتکاب کر سکتا ہوں۔ فرمایا تمہارے اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اُن باتوں کو جن کے اندر تم گھسے جاتے ہو تمہاری اسی غلط بیانی اور الزام تراشی کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے آپ نے اپنی پاکدامنی کے لیے اپنی چالیس سالہ زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا۔ اور فرمایا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس - ۱۶) میں نے اس سے قبل عمر کا ایک کافی حصہ تم میں گزارا ہے، کیا اس دوران میں تم نے میری زبان سے کبھی جھوٹ سنا ہے۔ اب جب کہ بڑھاپے کی منزل آ رہی ہے تو کیا میں یکایک جھوٹ بولنے لگ جاؤں گا کہ قرآن پاک خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دوں گا؟ ذرا عقل کی بات کرو کہ اب میں ایسا کیوں کروں گا؟ فرمایا تمہاری ان الزام تراشیوں اور غلط باتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، وہ خود تم سے اس معاملہ میں نپٹ لے گا۔

آپ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے مزید کہلوایا كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمہارے درمیان اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے وہ جانتا ہے کہ میں اسی کا فرستادہ سچا رسول ہوں اور میں جھوٹ نہیں بولتا۔ کسی پر افترا باندھنا تو بہت ہی بری بات ہے اور جو خدا پر جھوٹ باندھے گا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری غلط بیانی اور میری صداقت پر گواہ ہے وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ افترا جیسے بڑے جرم کے مرتکب کو بھی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ اس مہلت سے تم یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہاری گرفت پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ جب چاہے گا تمہیں پکڑ لے گا اور ہلاک کر دے گا۔ یہ قرآن کی حقانیت کا بیان ہو گیا۔

سلسلہ نبوت و رسالت

چونکہ کافر اور مشرک لوگ نبوت اور رسالت کا بھی انکار کرتے تھے اس لیے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو بھی حل فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول نہیں ہوں کہ میں اولین رسول ہوں اور مجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا جس کی وجہ سے میں تمہیں اوپرا محسوس ہوتا ہوں۔ نہیں بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول آ چکے ہیں اور میں تو اس سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہوں۔ مجھ سے پہلے آنے والے رسولوں نے بھی اللہ کی وحدانیت، وقوع قیامت اور جزائے عمل کا درس دیا اور

نے مجھے یہی تعلیم دے کر آیا ہوں۔ پھر تم میری باتوں کو عجیب کیوں سمجھ رہے ہو۔ اللہ کا فرمان ہے۔ اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡ بَعۡدِہٖ (النساء - ۱۶۳) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جیسے نوح علیہ السلام اور آپ کے بعد آنے والے انبیاء پر کی۔ مطلب یہ کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیاء اور رسل مبعوث ہوئے اور اللہ نے اُن پر وحی بھی نازل فرمائی۔ نبوت و رسالت کا سلسلہ تو قدیم سے چلا آ رہا ہے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔ لہٰذا آپ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں جو تم مجھ سے بدکتے ہو۔

علم غیب کی نفی

آیت کے اگلے حصے میں حضور علیہ السلام نے اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمادی ہے۔ اللہ نے فرمایا، آپ یہ بھی کہہ دیں وَمَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ اور میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا یعنی کس قسم کے حالات و واقعات پیش آنے والے ہیں۔ مجھے اُن کا کچھ علم نہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اس کو اس طرح سمجھایا ہے کہ مجھے کچھ علم نہیں کہ دنیا میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے اکثر انبیاء کو بڑی بڑی تکالیف پہنچائی گئیں حتیٰ کہ بہت سے انبیاء کو قتل کیا گیا۔ لہٰذا مجھے کچھ علم نہیں کہ آئندہ زندگی میں مجھے کن حالات سے گزرنا پڑے گا۔ جہاں تک نافرمان قوموں کا تعلق ہے تو اُن کو بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ کسی پر زلزلہ آیا، کسی پر چیخ مسلط کی گئی، کسی کو طوفان نے آگھیرا اور کوئی قوم پانی میں غرق ہوئی۔ لہٰذا فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق بھی کچھ علم نہیں کہ تم سے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں تو بالواسطہ علم غیب کی نفی کی گئی ہے تاہم دیگر آیات میں حضور علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے کی صراحتاً نفی بھی موجود ہے۔ سورۃ یونس میں ہے کہ کافر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر آپ کے پروردگار کی طرف

سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی۔ تو اللہ نے فرمایا فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (آیت
غیب تو سارا اللہ کے پاس ہے، تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار
کرتا ہوں۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے کہلوایا ہے
کہ نہ تو میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (آیت ۵۰) اور نہ
ہی میں غیب جانتا ہوں۔ سورۃ الاعراف میں اس بات کی وضاحت اس طرح فرمائی
ہے کہ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع و
نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا
سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (آیت ۱۸۸) اور اگر میں غیب
جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہتری کی بہت سی چیزیں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ
پہنچتی، مگر ایسا نہیں ہے، نہ تو میں نے اپنے لیے کوئی چیز جمع کی ہے اور
نہ ہی میں تکالیف سے بچ سکا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔

علامہ مشرقی نے مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ کا غلط مطلب بیان
کیا کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں پیش آنے والے حالات کے علاوہ آخرت میں اپنی
نجات کا بھی علم نہیں تھا۔ یہ تو بالکل ہی غلط بات ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے
کسی بندے کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اُسے اپنی نجات کا
قطعی یقین ہو جاتا ہے کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں۔ اس کے علاوہ
جس کو اللہ کا نبی بشارت دے دیتا ہے وہ شخص بھی قطعی ناجی ہوتا ہے۔ چنانچہ عشرہ
مبشرہ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ قطعی جنتی ہیں کیونکہ آپ نے ان کو اس دنیا میں ہی
جنتی ہونے کی بشارت سنا دی۔ چنانچہ جب علامہ مشرقی نے اس قسم کا عقیدہ لیا
تھا تو علمائے کرام نے اُسی وقت تعاقب کر کے وضاحت کر دی تھی کہ اللہ کے
نبی کو جنتی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ البتہ عام امتیوں میں سے کسی شخص
کے متعلق کوئی قطعی جنتی ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتا، اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا اختیار
حاصل ہے۔ اس بات کا علم وحی الٰہی کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا جو کہ صرف نبی پر

آتی ہے۔

اتباع وحی

حضور علیہ السلام نے قوم پر یہ بھی واضح کر دیا اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں نہیں اتباع کرتا مگر اس چیز کا جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ پیغمبر کے علاوہ عام امتیوں کے لیے بھی یہی حکم ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الاعراف-۳) اسی چیز کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری اناب شناب چیزوں کی پیروی نہ کرو۔ فرمایا وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ میں تو صرف کھول کر ڈر سنانے والا ہوں تمہیں برائی کے انجام سے واضح طور پر آگاہ کر دیتا ہوں اور نیکی، ایمان، تقویٰ اور طہارت کے اچھے انجام کی خوشخبری سنا دیتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تم تک پہنچاتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے آتا ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ میں نے خود قرآن کو گھڑ لیا ہے، بڑی ہی غلط بات ہے۔ اللہ کا فرمان ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ (سورۃ الحاقہ) اگر یہ رسول ہمارے ذمہ کوئی جھوٹ بات بنا کر لاتے تو ہم انہیں اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور پھر اُس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ مقصد یہ کہ میں تو وحی الٰہی کا صرف اتباع کرتا ہوں، اس کو خود نہیں بناتا۔

قرآن کی حقانیت پر شہادت

اگلی آیت میں یہی بات اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے انداز میں سمجھائی ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ بھلا بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو وَكَفَرْتُمْ بِهٖ اور تم اس کا انکار کر رہے ہو، تو پھر تمہاری اس الزام تراشی کا کیا انجام ہوگا؟ ایسی صورت میں تم اللہ کی گرفت سے کیسے بچ سکو گے؟ حقیقت یہ ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ کہ اس کتاب کی حقانیت کے متعلق بنی اسرائیل میں سے بھی ایک گواہ گواہی دے چکا ہے مگر تم پھر بھی اللہ

کی کتاب کا انکار کیے جاتے ہو. آخر تمھارے پاس اس انکار کی کیا دلیل ہے؟

عَلٰی مِثۡلِہٖ کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ مثل زائد ہے ، اور سید حاسار حاصل معنی یہی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شاہد نے اس کتاب پر شہادت پیش کی ہے۔ اور مثل کو برقرار رکھا جائے گا تو اس کی مثل سے تورات مراد ہو سکتی ہے ، کیونکہ یہ قرآن کی مثل ہی ایک عظیم الشان آسمانی کتاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ تورات میں بھی قرآن کی حقانیت کی گواہی موجود ہے۔ لہٰذا تمھارے پاس انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ خبردار رہو کہ اگر یہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے تو پھر تمھارے برے انجام میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

بنی اسرائیل کا شاہد

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی شخص نے قرآن کے حق میں گواہی دی ہے تو وہ کون ہے؟ بعض فرماتے ہیں کہ اس شاہد کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں جو علمائے یہود میں سے ایمان لائے۔ آپ ہی نے حضور علیہ السلام کی رسالت اور قرآن پاک کے حق میں گواہی دی تھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک مجلس میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ آپ تورات کا علم رکھتے تھے آپ نے حضور علیہ السلام کو ایک نظر دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شخصیت ہے جس کی پیشین گوئی تورات میں دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ روشن چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ اسی وقت ایمان لے آئے۔

مگر یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سورۃ تو مکی دور میں نازل ہوئی جبکہ مذکورہ واقعہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ اس ضمن میں بعض فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مدنی دور میں نازل ہوئی ہو ، اور حضور علیہ السلام نے اسے مکی سورۃ میں رکھ دیا ہو کہ اس قسم کے بعض دوسرے شواہد بھی ملتے ہیں۔ تاہم زیادہ مشہور بات یہی ہے کہ یہ ساری کی ساری سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی۔ لہٰذا اس

کے مصداق عبداللہ بن سلامؓ نہیں ہو سکتے۔

بعض کہتے ہیں کہ مذکورہ شہادت کا واقعہ مکہ میں ہی پیش آیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے دینِ حق کی تبلیغ شروع کی تو اہلِ مکہ سخت مخالف ہو گئے اور انہوں نے آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ مکے میں باہر سے بھی لوگ آتے جاتے تھے اور مکے والے بعض اوقات حضورؐ کی رسالت کے متعلق اُن سے بھی رائے لیتے تھے چنانچہ ایک یہودی عالم کسی کام سے مکے میں آیا تو قریش نے اُس سے دریافت کیا کہ تمہارا اس مدعیٔ نبوت کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو اس عالم نے بتایا کہ آخری نبی کی آمد کا ذکر سابقہ کتب میں موجود ہے اور قرائن بتلاتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی پیشین گوئیاں سابقہ کتب میں موجود ہیں۔ گویا اس یہودی عالم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی اور اس سے وہی شاہد مراد ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس شاہد کا مصداق نہ تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں اور نہ کوئی دوسرا یہودی عالم ہے بلکہ اس کا مصداق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کی آمد کی بشارت سنائی جیسا کہ سورۃ صف میں ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، میں سابقہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ (آیت ۔۶) اور میں بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد ایک عظیم الشان رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔ اس طرح گویا عیسیٰ علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی آمد سے چھ سو سال پہلے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی اور بنی اسرائیل کے شاہد سے آپ ہی مراد ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شاہد ۔۔۔ نے تصدیق کی فَاٰمَنَ اور وہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لایا وَاسْتَكْبَرْتُمْ مگر اے اہلِ مکہ! تم تکبر کر رہے ہو۔ اور اسی تکبر کی وجہ سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل ہونے والی اللہ کی آخری کتاب کا انکار کر رہے ہو تو تاریخ عالم

گواہ ہے کہ ہر نبی کے اولین متبعین میں غریب اور کمزور لوگ ہی ہوتے تھے جب کہ امراء نے اپنے غرور و تکبر اور چودھراہٹ کی وجہ سے اکثر انکار ہی کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے نبی کی نبوت کو تسلیم کر لیا تو ہماری سیادت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ اپنی ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے۔ پھر آخر میں جب کوئی چارہ کار نہ رہا تو بادل نخواستہ ایمان لائے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔ ظالم شخص وہ ہے جو بالفعل ظلم کر رہا ہے۔ یعنی کفر و شرک کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس کو چھوڑنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اس وقت دیتے ہیں جب وہ شخص نادم ہو کر ظلم ترک کر دے اور سچا وعدہ کرے کہ پھر وہ ایسا کام نہیں کرے گا۔ اسی چیز کا نام توبہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی ظالم کی توبہ قبول کر لیتا ہے تو پھر اس پر ہدایت کا راستہ بھی واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت - ۶۹) جو شخص راہ راست کے حصول کے لیے محنت اور کوشش کرتا ہے، ہم اس پر ہدایت کا راستہ کھول دیتے ہیں اس کے برخلاف جو شخص کفر، شرک، معصیت، ظلم و زیادتی پر مصر رہتا ہے، اس کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتا ہے۔

درس سوم ۳ — آیت ۱۱ تا ۱۴

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا
سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ۗ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ
اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا
وَّرَحْمَةً ۗ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰۤئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:- اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ
اختیار کیا، اُن لوگوں سے جو ایمان لائے کہ اگر ہوتا یہ (دین)
بہتر تو نہ سبقت کرتے یہ لوگ اِس کی طرف ہم سے۔
اور جب کہ انہوں نے ہدایت نہ پائی اس کی پس وہ
کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا گھڑا ہوا جھوٹ ہے (۱۱) حالانکہ اس
سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوائی کرنے والی تھی
اور رحمت تھی۔ اور یہ کتاب (قرآن) تصدیق کرنے والی ہے
عربی زبان میں ہے تاکہ ڈرائے اُن لوگوں کو جنہوں نے
ظلم کیا۔ اور خوشخبری ہے نیکی کرنے والوں کے لیے (۱۲)
بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر

وہ اس پر ثابت قدم رہے، پس نہیں خوف ہو گا اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۱۳) یہی لوگ ہیں جنت والے ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُس میں، بدلہ ہے ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے (۱۴)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں قرآن حکیم کی حقانیت، صداقت اور اُس کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر تھا اور ساتھ ساتھ رسالت و نبوت کے متعلق شک کرنے والوں کی تردید تھی اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ میں کوئی انوکھا اور نیا رسول تو نہیں ہوں، مجھ سے پہلے بھی اللہ کے رسول آتے رہے ہیں اور میں تو سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہوں مجھے ان تفصیلی حالات کا علم نہیں جو آئندہ زندگی میں میرے اور تمہارے ساتھ پیش آنے والے ہیں، میرا کام تو اتباع وحی اور تمہیں کھول کر ڈر سنانا ہے۔ فرمایا یاد رکھو! کہ اگر یہ قرآن پاک اللہ کی جانب سے ہو اور تم اس کے منکر ہو حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک معتبر گواہ نے اس کی صداقت کی گواہی بھی دے دی ہے، وہ تو ایمان لا چکا ہے اور تم غرور و تکبر کی بناء پر انکار کر رہے ہو تو پھر بتلاؤ تمہارا کیا حشر ہو گا اور تمہارے اس تکبر کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا۔ فرمایا اگر زیادتی پر ڈٹے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم جیسے ظالموں کو راہِ راست سے محروم ہی رکھے گا۔

کفار کا تکبر

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوا اور کہا کفر کرنے والوں نے ایمان لانے والوں سے لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا اِلَيْهِ اگر دین اسلام واقعی بہتر ہوتا تو یہ دعزیب غربا لوگ اس کو اختیار کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف جب مشرک اور کافر لوگ دیکھتے کہ چند نادار لوگ، کچھ غلام اور لونڈیاں اور کچھ مفلوک الحال لوگ ایمان سے بہرہ ور ہو رہے ہیں تو کہتے کہ اگر اسلام سچا دین ہوتا تو یہ کمزور قسم کے لوگ اختیار نہ کرتے بلکہ ہم صاحبِ حیثیت لوگ اس کی طرف مائل ہوتے۔ وہ اپنے زعمِ باطل کے مطابق

یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ہم اس دنیا میں خوشحال ہیں، ہمارے پاس مال و دولت،
کوٹھیاں، کاریں اور نوکر چاکر ہیں، اسی طرح قیامت کو بھی ہم ہر طرح سے معزز ہوں
گے اور ہمیں تمام آسائشیں وہاں بھی میسر ہوں گی۔ جب کہ یہ غریب غربا لوگ وہاں بھی
اسی کمزور حالت میں ہوں گے۔ اس لحاظ سے وہ کہتے کہ اگر آخرت کا کوئی جہان ہے
اور وہاں آرام و آسائش کی ضرورت ہے جو دین اسلام اختیار کرنے سے حاصل
ہو سکتی ہے تو پھر ہم اس دین کو اختیار کرنے میں پہل کرتے نہ کہ یہ غریب نادار
لوگ۔ ابوجہل کی ایک لونڈی ضمیرہ کو اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی تو
مشرک لوگ کہنے لگے کہ اگر اسلام ایسے ہی حقیر لوگوں کا حصہ ہے تو پھر ہم اس
سے باز آئے۔ ایسے اسلام کو قبول کر کے ہمیں کیا ملے گا۔ بہر حال اللہ نے فرمایا
کہ کفار و مشرکین کا یہ زعم باطل تھا اور اسی کی بنا پر وہ ہدایت سے محروم رہے۔
فرمایا وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ اور جب انہوں نے یہ ہدایت نہ پائی۔
فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ تو کہنے لگے کہ یہ تو پرانا گھڑا ہوا جھوٹ
ہے لوگ پہلے بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اپنے
نبی بھیجتا ہے جو انہیں تبلیغ دین کرتے ہیں۔ پھر ایک وقت آئے گا۔ جب
قیامت برپا ہوگی، تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، جزائے عمل کی منزل آئے گی اور
پھر دوزخ اور جنت کے متعلق فیصلے ہوں گے۔ ایسی ہی باتیں یہ بھی کرتے ہیں
مگر ہم نے تو آج تک کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا، نہ محاسبہ اعمال کی منزل آئی
ہے اور نہ ہی کسی نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے، یہ سب من گھڑت جھوٹ
ہے، نعوذ باللہ۔ اللہ نے ان باطل خیالات کا رد فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہ دنیا کا مال
و دولت یا جاہ و اقتدار ہونا کسی شخص کے ہر لحاظ سے بہتر ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ
بہتری کی دلیل ایمان، توحید، اخلاق اور فکر کی پاکیزگی ہے جس کو یہ چیزیں حاصل ہوں گی
وہ انشاء اللہ کامیاب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات ظاہری طور پر اچھے حالات
والوں کو بھی نواز دیتا ہے مگر یہ ان کے بہتر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ دائمی فلاح کو

دارومدار ایمان، نیکی اور اعمالِ صالحہ پر ہی ہے۔ حضور علیہ السلام کے اولین جان نثاران اکثر کمزور لوگ تھے مگر وہ ایمان میں پختہ تھے۔ ایمان، اخلاق اور اعمالِ صالحہ میں بڑھے ہوئے تھے اور یہی لوگ بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بنے۔

بدعت کی تعریف

امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے۔ کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابۃ انہ ھو بدعۃ یعنی ہر وہ فعل یا قول جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ اگر یہ کوئی بھی چیز ہوتی تو صحابہ کرامؓ اس میں ضرور سبقت کرتے کیونکہ لم یترکو خصلۃ من خصال خیر الا وقد بادروا الیھا بہتری کی کوئی خصلت ایسی نہیں جس کی طرف صحابہؓ نے سبقت نہ کی ہو۔ لہذا بعد کی تمام دین میں ایجاد شدہ چیزیں بدعات میں شمار ہوتی ہیں۔

امام ابوداؤدؒ نے سنن ابوداؤد کی کتاب السنۃ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ نقل کیا ہے۔ آپ کے متعلق حضرت سماک بن حرب تابعی کا بیان ہے کہ آپ کو شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔ پہلے چار خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ تو معروف ہیں مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس لحاظ سے اُن میں شامل ہیں کہ آپ کی خلافت بھی خلفائے راشدین کے نمونہ کے عین مطابق تھی۔ بہرحال حضرت سماکؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مسئلہ تقدیر کے مسئلہ پر بحث کی تو آپ نے فرمایا کہ بھائی! ایسی بات مت کرو جو صحابہ کرامؓ کے نزدیک صحیح نہیں ہے آپ نے یہ بھی فرمایا، فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَا رَضِيَ بِهِ الْقَوْمُ جب چیز پر صحابہ کرامؓ راضی تھے تم بھی اُسی پر راضی ہو جاؤ لِاَنَّهُمْ عَلٰى عِلْمٍ وَقَفُوْا وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كَفُّوْا وَلَهُمْ عَلٰى كَشْفِ الْاُمُوْرِ كَانُوْا اَقْوٰى کیونکہ وہ لوگ علم پر مطلع تھے۔ یعنی اُن کا علم گہرا اور صحیح تھا۔ انہوں نے براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے تعلیم پائی تھی۔ بعد والوں کا علم صحابہؓ کے علم کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اُن کی بصیرت

بڑی نافذ تھی اور وہ مشکل امور کو کھولنے میں بڑے طاقتور تھے۔ یعنی مشکل مسائل کے حل کرنے کا انہیں ملکہ حاصل تھا۔ اور جو فضیلت اُن میں پائی جاتی تھی وہ اس کے بہت زیادہ لائق تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر صحابہ کرامؓ کی باتیں ہدایت ہیں اور تمھاری یہ ایجاد کردہ باتیں ہدایت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی نسبت تم نے بہتری کی طرف سبقت کی ہے۔ اور اس آیت کی روح سے تمہارا دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ بہتری کی طرف سبقت کرنے والے صحابہ کرامؓ تھے۔ نہ کہ تم۔ فرمایا کہ اگر تم یہ استدلال پیش کرو کہ صحابہ کرامؓ کے بعد بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں تو یہ نئے مسائل نکالنے والے بھی وہی لوگ ہیں جو صحابہ کرامؓ کے راستے پر نہیں چلے بلکہ انہوں نے غیر سبیل المومنین یعنی مومنوں کے علاوہ دوسرے راستے کا اتباع کیا ہے جو کہ ان کا خود ساختہ راستہ ہے۔ فرمایا بہتری میں سبقت کرنے والے صحابہ کرامؓ ہی تھے، جو کچھ انہوں نے کلام کیا ہے۔ اس میں کفایت تھی اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اس میں شفا تھی اور جو شخص اُن سے ورے رہے گا۔ اس میں تفریط ہوگی اور جو اُن سے آگے نکلے گا، وہ افراط اور غلو میں پڑ جائے گا۔ کیونکہ صراط مستقیم پر صحابہ کرامؓ ہی تھے۔ اَنَّهُمْ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔ گویا صحابہ کرامؓ بعد میں آنے والوں کے لیے معیار قرار پائے

الغرض بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ کافر اور مشرک غلطی پر ہیں۔ جو اہل ایمان کو اپنے آپ سے کم تر سمجھتے ہیں اور اپنی حالت کو بہتر جانتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی اس آیت کے خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک اہل ایمان ہی بہتری کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ کے کفار و مشرکین بھی اپنی اسی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور جو لوگ آج بدعات رائج کر کے صحابہ کرامؓ سے سبقت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی سابقہ مشرکین کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جو اپنے فاسد عقائد و اعمال کو ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

قرآن کی حقانیت

ارشاد ہوتا ہے دیکھو! وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً اس قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی جو پیشوا اور رحمت تھی۔ ہر آسمانی کتاب امت کی راہنمائی کرنے والی ہوتی ہے اور اپنے ماننے والوں کے لیے رحمت کا باعث بنتی ہے۔ یہی صفات اللہ کی آخری کتاب قرآن پاک میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور پھر اس کی ایک اضافی صفت یہ ہے وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ کہ یہ سابقہ کتب کی تصدیق کنندہ ہے۔ قرآن پاک سابقہ کتب سماویہ زبور، تورات اور انجیل کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ کتابیں اپنے اپنے ادوار میں لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئیں۔ اسی طرح ان کتب سابقہ کے حاملین انبیاء اور دیگر تمام انبیاء بھی لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ فرمایا لِّسَانًا عَرَبِيًّا اللہ نے یہ کتاب عربی زبان میں نازل فرمائی ہے کیونکہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی قوم کی زبان عربی ہے اور اس قرآن کے نزول کا ایک مقصد یہ ہے لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا تاکہ ظلم کرنے والوں کو ڈرائے۔ ظلم میں سب سے پہلے کفر اور شرک آتے ہیں، پھر کبائر، صغائر اور برائی کے دیگر کام ہیں۔ تو گویا قرآن حکیم برے عقیدے اور برے افعال انجام دینے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈراتا ہے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ اللہ کا یہ کلام نیکی کرنے والوں کو ان کے اچھے انجام کی خوشخبری بھی دیتا ہے۔ جو شخص ایمان قبول کر کے نیکی کا راستہ اختیار کرے گا۔ اپنی فکر کو صحیح بنائے گا۔ خالص توحید کا قائل ہوگا، کفر، شرک اور نفاق سے بیزار ہوگا۔ اس کے لیے خوشخبری ہے اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس - ۲) کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں سچائی کا پایہ ہے۔ نیز فرمایا فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر - ۵۵) خدا تعالیٰ کے ہاں ان کے بیٹھنے کے لیے عزت کے مقام ہوں گے خدا تعالیٰ کی خاص مہربانی ان کے شامل ہوگی۔ یہ قرآن کی حقانیت بھی ہوگئی۔

توحید پر ثابت قدمی

اس کے بعد اللہ نے استقامت علی الدین کا مکمل مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ تحقیق وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے ہم اُسی کی توحید کو مانتے ہیں، اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک، نہ علیم کل نہ قادرِ مطلق، وہی ہر چیز کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی ربوبیت کا اقرار کیا ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے۔ استقامت کا ذکر پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکا ہے۔
حضور علیہ السلام کو بھی یہی حکم ہوا وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (الشوریٰ - ۱۵) کہ آپ اور آپ کے پیروکار بھی اللہ کے حکم کے مطابق مستقیم رہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اطلبوا الاستقامۃ ولا تطلبوا الکرامۃ استقامت تلاش کرو نہ کہ کرامتیں ڈھونڈتے پھرو۔ اکثر لوگ ڈانواں ڈول رہتے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر پھسل جاتے ہیں، شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا بدعات کو اپنا لیتے ہیں، معمولی سی بات پر ایمان تک بیچ دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں دنیا کی حقیر متاع خرید لیتے ہیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دین میں استقامت اختیار کرو، اور پکے رہو۔ ایک صحابیؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر سا امر بتا دیں جو میرے لیے کافی ہو۔ فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ عَلَيْهِ کہہ دو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہو۔

فرمایا جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اُس پر مستقیم رہے۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ یعنی اگلے جہان کی دائمی زندگی کے متعلق وہ مطمئن ہوں گے اور وہ کسی ڈر اور خوف میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ اللہ اُن کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی انہیں گذشتہ زندگی کے متعلق کوئی غم لاحق ہوگا کہ انہوں نے اُسے ضائع کر دیا اور زندگی جیسی قیمتی پونجی کو لہو و لعب میں گنوا دیا۔ بہرحال خوف آنے والے زمانے کے متعلق ہوتا ہے اور غم سابقہ دور کی غلط کارکردگی پر ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ دین پر استقامت رکھنے والوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ دین پر چلنا اس قدر دشوار ہو جائے گا جیسے جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں پکڑنا۔ آج دیکھ لیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ ہر طرف عریانی، فحاشی، لہو و لعب، بدکلامی، فحش گانے اور بے حیائی جیسی برائیاں ہیں۔ بُرے عقائد، بُرے فلسفے، بدعات، کفر اور شرک کی بھرمار ہے۔ پھر بھی رب کی یاد میں مست ایک [illegible] اب بھی اہلِ ایمان کہیں ملیں گے۔ تاہم جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر استقامت اختیار کی، ان کے متعلق فرمایا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یہی لوگ جنت والے ہیں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ ہی ان کے انعامات میں کمی واقع ہوگی۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا۔ فتنہ و فساد کے دور میں تھوڑی نیکی کرنے والوں کو بھی زیادہ اجر ملتا ہے۔ تو استقامت علی الدین اختیار کرنے والوں کا بدلہ ہمیشہ کی جنت ہوگا۔ جہاں انہیں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی جو کہ دائمی ہوں گی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِىْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْۤ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰٮهُ وَاَصْلِحْ لِىْ فِىْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑮ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِىْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ⑯

ترجمہ :۔ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو اُس کے والدین کے متعلق نیکی کرنے کا اٹھایا ہے اُس کو اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر، اور جنا ہے اُس کو تکلیف سے۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ تک ہے یہاں تک کہ جب وہ پہنچ گیا اپنی قوت کو۔ اور پہنچ گیا چالیس سال تک تو اُس نے کہا۔ اے میرے پروردگار میرے مجھے میں کر دے کہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پہ انعام کی۔ اور میرے ماں باپ پہ بھی۔

اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند فرمائے۔ اور درست کر دے میرے لیے میری اولاد کو۔ بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے، اور بیشک میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں (۱۵) یہی لوگ ہیں کہ ہم قبول کرتے ہیں ان سے اُن کے وہ بہتر کام جو انہوں نے انجام دیے۔ اور ہم درگزر کرتے ہیں اُن کی برائیوں سے۔ یہ ہیں جنت والوں میں۔ یہ وعدہ ہے سچا جو ان سے کیا جاتا ہے (۱۶)

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں قرآن کریم کا وحی الٰہی اور برحق ہونا بیان ہوا۔ پھر رسالت کا ذکر ہوا اور اللہ نے منکرین قرآن اور منکرین رسالت کا رد فرمایا۔ اس طرح اللہ نے دین کے بنیادی اصول بیان فرمائے۔ گزشتہ آیات میں رسالت کے ضمن میں گزر چکا ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (آیت ۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں کوئی نیا یا انوکھا رسول تو نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ کے رسول پہلے بھی آتے رہے ہیں، اور وہ بھی اللہ کا پیغام سناتے رہے ہیں۔ میں بھی اسی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہوں۔ توحید کے سلسلے میں اللہ نے عقلی اور نقلی دلائل کا ذکر نہ صرف اس سورۃ مبارکہ میں کیا ہے بلکہ تمام حوامیم سبعہ میں اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور شرک کا واضح الفاظ میں رد کیا گیا ہے۔ گزشتہ درس میں استقامت علی الدین کا خصوصی تذکرہ ہوا، اللہ نے استقامت اختیار کرنے والے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے اور اُن کو بشارت دی ہے کہ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، بلکہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور یہ انعام اُن کے اُن اعمال کا بدلہ ہوگا۔ جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے رہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

ایمان اور استقامت اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسے اختیار کرنا بندے کے لیے ضروری ہے۔ انسانی سوسائٹی میں حقوق العباد کے ضمن میں والدین سے حسن سلوک سب سے پہلا حق ہے اور آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے والدین سے متعلق بہت سی

باتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ کسی انسان کی سعادت کی علامت ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کماحقہ انجام دے۔ جو انسان یہ حقوق ادا کرتے ہیں وہ سعادت مند شمار ہوتے ہیں اور جو اس سے اعراض برتتے ہیں وہ شقی یا بدبخت کہلاتے ہیں۔ آج کے درس میں سعادت مند انسانوں کا تذکرہ ہے اور پھر آگے اُن بدبخت لوگوں کا ذکر بھی آرہا ہے جو والدین کے ساتھ احسان کرنے کی بجائے اُن کی جسمانی اور ذہنی کوفت کا باعث بنتے ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

ارشاد ہوتا ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ وصیت کا معنیٰ تاکیدی حکم ہوتا ہے اور یہ عام طور پر وفات کے وقت کی جاتی ہے کیونکہ وہ نہایت ہی اہم فیصلہ ہوتا ہے سورۃ النساء میں وصیت کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں۔ مثلاً احکام وراثت کے ضمن میں اللہ نے فرمایا يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (آیت۔ ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے اور پھر آگے اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے حصص کا تقرر فرمایا کہ ہر حقدار کو اس قدر حق ادا کرو مگر مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (آیت۔ ۱۲) مگر اُس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو مرنے والا کر جائے یا اُس قرض کی ادائیگی کے بعد جو متوفی کے ذمے رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اہلِ ایمان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے مال میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی کے برابر ورثا کے علاوہ دوسروں کے حق میں وصیت کر سکتا ہے مذکورہ آیت میں ایسی ہی کسی وصیت کی تکمیل کا ذکر ہے کہ پہلے وصیت پوری کرو قرضہ ادا کرو اور پھر باقی ماندہ مالِ میت کے حق داروں کو تقسیم کرو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم سورۃ البقرہ، سورۃ لقمان اور دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (آیت۔ ۲۳) تیرے پروردگار نے

یہ قطعی فیصلہ کیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ فقہائے کرام اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ والدین کی خدمت فرض ہے۔ مالی خدمت اُس وقت فرض ہوتی ہے جب والدین نادار ہوں۔ ایسی صورت میں ان کا لازمی خرچہ اولاد کے ذمے ہوگا۔ اگر والدین صاحبِ مال ہوں تو پھر اُن کی مالی خدمت تو واجب نہیں ہوتی، البتہ اُن کو جسمانی اور ذہنی راحت پہنچانا اور اُن کی جائز خواہشات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف والدین کو طعن زنی کرنا، گالی گلوچ سنانا یا مارنا پیٹنا، دھکے دینا یا گھر سے نکال دینا سخت بے ادبی اور حرام ہے۔

ماں کا خصوصی حق

اگلے حصہ آیت میں اللہ نے ماں کے ساتھ خصوصی سلوک کی بعض وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا انسان کی ماں نے اُس کو تکلیف برداشت کر کے پیٹ میں اٹھائے رکھا۔ وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا اور پھر اس کو جنا بھی تکلیف اٹھا کر۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین میں سے والد کا ذکر ایک ہی دفعہ کیا ہے جب کہ فرمایا کہ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا بِوَالِدَيْهِ اُس کے والدین کے متعلق، والدین میں والد اور والدہ دونوں شامل ہیں، لہٰذا یہاں پر والد کا ذکر ہو گیا۔ اور پھر والدہ کا ذکر تین دفعہ فرمایا ہے۔ ایک ذکر تو وَالِدَيْهِ میں آ گیا، دوسرا تذکرہ حَمَلَتْهُ میں ہوا کہ اس نے بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا اور پھر تیسری دفعہ وَوَضَعَتْهُ میں فرمایا کہ اس نے بچے کو تکلیف اٹھا کر جنا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور! میں والدین میں سے کس کے ساتھ نیکی کا سلوک کروں، تو آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ اُس نے دوبارہ عرض کیا کہ کس کے ساتھ حسن سلوک کروں، آپ نے فرمایا ماں کے ساتھ۔ تیسری دفعہ بھی یہی سوال کیا تو آپ نے ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا، پھر چوتھی مرتبہ کے سوال پر حضور علیہ السلام نے حسن سلوک کے سلسلہ میں باپ کا ذکر کیا۔ اس لیے ائمہ کرام، محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ باپ

کی نسبت ماں کا حق زیادہ ہے گویا خدمت ماں کی زیادہ کرنی چاہیئے۔ البتہ ادب و احترام باپ کا زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ - ۲۲۸) کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔ اور یہاں پر اللہ نے عورت کے حق میں یہ وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش کے سلسلے میں بہت تکلیف اٹھاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو عورتیں زچگی کے دوران فوت بھی ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک بچے کی پرورش کا تعلق ہے تو یہ بھی ایک کٹھن کام ہے۔ جانوروں کے بچوں کی پرورش انسان کے بچے کی نسبت بہت آسان ہے ان میں سے اکثر پیدائش کے فوراً بعد ہی کسی حد تک خود مختار ہو جاتے ہیں اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں اور منہ مارنے لگتے ہیں۔ دودھ پینے والے بچے تو گرتے پڑتے ماں کے تھنوں تک پہنچ جاتے ہیں اور دودھ پینے لگتے ہیں اور ساتھ ساتھ گھاس وغیرہ کو بھی منہ مارنے لگتے ہیں، جبکہ پرندوں کے بچوں کو ابتداء سے ہی اپنی خوراک بیرونی ذرائع سے حاصل کرنی پڑتی ہے اور وہ پیدائش کے فوراً بعد خود بخود دانہ دنکا چگنے لگتے ہیں۔ اس کے برخلاف انسان کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء - ۲۸) یعنی انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ انسانی بچہ ماں کے دودھ تک بھی خود بخود نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اسے مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ دو سال تک ماں کے دودھ پر گزارا کرنا پڑتا ہے اور پھر جا کر کہیں وہ عام غذا کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بچہ عرصہ تک دوسروں کا محتاج ہوتا ہے اور اس کی پرورش کے لیے ماں کو بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ بچے کو نہلانے دھلانے، کپڑے بدلنے، خوراک کا بندوبست کرنے، سردی گرمی سے بچانے اور بیماری میں علاج معالجہ کرنے والے بڑے مشکل اور صبر آزما کام ہیں جن کو ایک ماں ہی انجام دے سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر باپ کا ذکر ایک دفعہ اور ماں کا تین دفعہ کیا ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی ماں کی خدمت پر زیادہ زور دیا ہے۔

حمل و رضاعت کی مدت

حمل اور وضع حمل کے تکلیف دہ مراحل کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے حمل اور
رضاعت کی مدت کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ
ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا بچے کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے
سورۃ البقرہ میں رضاعت کی مدت کے متعلق فرمایا وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ
اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ
(آیت۔ ۲۳۲) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں یہ اس شخص کے
لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ چنانچہ جمہور ائمہ کا مسلک
یہی ہے کہ رضاعت کی مدت دو سال تک ہے۔ اس لحاظ سے حمل کی کم از کم مدت
چھ ماہ بنتی ہے اور اس آیت کے مطابق حمل اور رضاعت کی کل مدت ڈھائی سال
یعنی تیس ماہ بن جاتی ہے۔ انسان کا بچہ عام طور پر نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے بعض اوقات
مدت حمل چھ، سات اور آٹھ ماہ بھی ہوتی ہے، تاہم کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے
یونانی حکیم جالینوس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ میں مدت حمل کے متعلق
بڑا فکرمند تھا کہ اس کی کم از کم مقدار کیا ہے، پھر میں نے ایک ایسا کیس بھی دیکھا
جس میں بچہ ایک سو چوراسی (۱۸۴) دن میں پیدا ہو گیا جو کہ چھ ماہ اور چار دن بنتے ہیں
اسلامی دور کے چوتھی صدی کے عظیم منطقی اور طبیب ابو علی ابن سینا نے بھی اپنی
کتاب شفا میں لکھا ہے کہ اس کے تجربات کے مطابق بھی حمل کی کم از کم مدت
۱۸۴ دن ہے۔ غرضیکہ اگر حمل کی اقل مدت چھ ماہ تصور کی جائے تو آیت
زیر درس کے مطابق رضاعت کی مدت دو سال بنتی ہے۔ اور اگر حمل کی مدت
نو ماہ شمار کی جائے تو پھر رضاعت ۲۱ ماہ میں مکمل ہو جاتی ہے۔ البتہ اللہ کے
فرمان کے مطابق باپ کی رضامندی سے رضاعت کی مدت کو دو سال تک
بڑھایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک رضاعت کی کم از کم مدت کا تعلق ہے تو
اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ والدین کی اپنی مرضی اور حالات کے
مطابق بچے کا دودھ چھ ماہ میں چھڑایا جا سکتا ہے۔ تاہم رضاعت کی

زیادہ سے زیادہ مدت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہم کے نزدیک دو سال ہی ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت اڑھائی سال تک ہے۔ اس کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض بچے کمزور ہوتے ہیں اور ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی دوسری غذا استعمال نہیں کر سکتے، اس لیے مدت رضاعت میں اڑھائی سال تک توسیع کی جاسکتی ہے۔ رضاعت کی مدت کے ساتھ بعض دیگر مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ اس مدت کے بعد بچے کو دودھ پلانا حرام ہوجاتا ہے۔ نیز اس مدت کے بعد اگر بچہ غیر ماں کا دودھ پیئے تو اس سے نہ تو وہ رضاعی ماں بنتی ہے اور نہ اُس عورت کی اولاد اس بچے کے رضاعی بہن بھائی بنتے ہیں جس سے نکاح کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت کے تعین میں احتیاط کی ضرورت ہے اور اسی بناء پر وہ اس مدت کی اڑھائی سال تک توسیع کے قائل ہیں۔

بعض فقہائے کرام اس آیت کریمہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ حمل اور رضاعت دو الگ الگ مسائل ہیں اور ان کی خبر ایک ہے۔ یعنی تیس ماہ۔ اس لحاظ سے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حمل کی مدت بھی تیس ماہ اور رضاعت کی مدت بھی تیس ماہ تک ہوسکتی ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ سورۃ البقرہ والی آیت میں رضاعت کی انتہائی مدت تو دو سال بیان کی گئی ہے مگر اس کی اقل (کم از کم) مدت کا تعین نہیں کیا گیا۔ اور اس آیت زیر درس کے مطابق تیس ماہ سے دو سال رضاعت کے نکال کر حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے مگر حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی لیے چھ ماہ کی مدت میں پیدا ہونے والے بچے کو شرعی بچہ تصور کیا گیا ہے۔ اس سے کم مدت کے حمل والا بچہ جائز بچہ تصور نہیں ہوتا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک شخص کے ہاں نکاح کے بعد چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوگیا تو آپ نے اسے غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اُس کی ماں کو سزا دینا چاہی تو حضرت علیؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ آیت زیر درس کی رو سے چھ ماہ کے حمل کا بچہ جائز تصور ہوگا کیونکہ

اس آیت کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے ۔

جہاں تک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا، شریعت نے اس کی کوئی قید نہیں لگائی۔ اگرچہ عام طور پر بچہ نو ماہ میں پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسے کیس بھی مشاہدے میں آئے ہیں جن میں مدتِ حمل بہت زیادہ پائی گئی ۔ مثلاً بعض بچے تین اور بعض چار سال حمل کے بعد پیدا ہوئے۔ بعض بچے اتنے طویل عرصہ تک ماں کے پیٹ میں رہے کہ ان کے دانت بھی وہیں نکل آئے ۔ چین کے مشہور حکیم لاؤزی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اسّی سال تک ماں کے پیٹ میں رہا۔ تاہم ایسے کیس بہت ہی شاذ ہوتے ہیں۔ حمل کی عمومی مدت نو ماہ ہے جو کم از کم چھ ماہ ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ کا کچھ تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی مستثنیات دوسری طرف بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عام طور پر ایک حمل میں ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے مگر ہم روزمرہ مشاہدے میں دو دو، تین تین اور چار چار بچے پیدا ہوتے بھی دیکھتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں دکن کے صوبہ تلنگانہ میں ایک کسان کے ہاں بیک حمل آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ ہماری تفسیری کتابوں میں قاضی قدوۃ کے ہاں بیک حمل سو بچوں کی پیدائش کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بعض مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مقام پر حمل سے مراد پیٹ کا حمل نہیں بلکہ اس حمل سے مراد پیدائش کے بعد گود میں اٹھانا ہے جو تیس ماہ تک ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال ہمارے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ بچے کی رضاعت اڑھائی سال تک تسلیم کی جائے ۔

انسانیت کی تکمیل

بچے کی پیدائش اور رضاعت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی جوانی اور پختگی کی عمر تک پہنچنے کا ذکر کیا ہے کہ اس وقت ایک سعادت مند کس ڈگر پر چلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک جب انسان اپنی قوت کو پہنچ جاتا ہے۔ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اور وہ اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر لیتا ہے یعنی جب اس کے قوائے ظاہرہ و باطنہ مکمل ہو جاتے ہیں

جسمانی طور پر بھی وہ خوب طاقتور ہو جاتا ہے اور اس کی عقل، فہم اور ادراک کو بھی جلا ملتی ہے۔ اس بات کی تصدیق تاریخ انبیاء سے بھی ہوتی ہے کہ انسانیت کی تکمیل عام طور پر چالیس سال میں ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسٰی اور یحییٰ علیہما السلام کے علاوہ باقی عام انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی عمر کو پہنچ کر اس منصب جلیل پر فائز ہوئے اور آپ کی طرف وحی آنا شروع ہوئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص پختگی کی اس عمر تک پہنچ کر بھی معصیت سے باز نہیں آتا اور گناہوں سے توبہ نہیں کرتا تو شیطان ایسے شخص کے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہتا ہے کہ یہ چہرہ اچھا ہے، گویا ایسے شخص پر شیطانی اثرات غالب آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر تک پہنچنے پر جس شخص کی خیر اُس کے شر پر غالب نہ آئے، اُس کو جہنم کی تیاری کرنا چاہیئے۔

سعادتمند آدمی کی دُعا

آیت کے اگلے حصہ میں ایک سعادتمند آدمی کی دُعا کا ذکر آرہا ہے۔ جس نے والدین کی خدمت کر کے یہ سعادتمندی حاصل کی۔ ایسے شخص نے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے پروردگار کے حضور اس طرح دُعا کی قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ کہنے لگا اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے دے یعنی میری قسمت میں کر دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکریہ ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی۔ اس نعمت میں تمام نعمتیں شامل ہیں جو اللہ نے انسان کو داخلی طور پر دی ہیں۔ یعنی اُس کو وجود بخشا اور پھر اس میں عقل، حکمت علم اور فہم جیسے جواہر رکھے اور پھر اُس کے جسم کی بقا کے لیے خارج سے اُس کی خوراک اور آرام و آسائش کا بندوبست فرمایا۔ پھر اُس شخص نے اپنے رب کے حضور یہ بھی عرض کیا کہ مولا کریم! مجھے اس بات کی بھی توفیق دے وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ کہ میں ایسا نیک عمل کر سکوں جس سے تو راضی ہو جائے۔ ایسا سعادتمند آدمی یہ دُعا بھی کرتا ہے وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اور میرے لیے میری اولاد کو بھی درست

فرماتے ۔ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں وَاِنِّیْ مِنَ
الْمُسْلِمِیْنَ اور بیشک میں فرمانبرداری کرنے والوں میں ہوں ۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ایک
سعادتمند آدمی کا نظریہ اور اُس کا طرزِ عمل بیان کیا ہے ۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو یہ سعادت تین طریقوں سے حاصل ہوتی
ہے ۔ ایک روحانی سعادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کا دل خالق کی نعمتوں
کا شکریہ ادا کرتا ہے ۔ دوسری سعادت جسمانی ہے جس کی وجہ سے انسان کا جسم
اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مصروف رہتا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ تیسری سعادت
خارجی ہوتی ہے ۔ امام رازیؒ اور بعض دوسرے حکما فرماتے ہیں کہ اس سعادت کا مطلب
یہ ہے کہ انسان کے اہل اور اولاد اچھے ہوتے ہیں ۔ نیک بیوی بچوں کے لیے
دعا کا ذکر اللہ نے سورۃ فرقان میں بھی کیا ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس طرح
دعا کرتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ
(آیت -۷۴) اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور اولادوں کی طرف سے
ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما ۔ یعنی وہ خدا پرست ، نیکوکار لائق اور فرمانبردار ہوں
یہ گویا انسان کی خارجی سعادت ہے ۔

اللہ کی طرف سے جزاء

اللہ نے سعادتمند لوگوں کی دعا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اُولٰٓئِکَ
الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے
نیک اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ اور اُن کی
برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ اُن کے اچھے اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا
کر دیتے ہیں جب کہ اُن کی چھوٹی موٹی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں ۔ فِیْٓ
اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ یہ لوگ جنت والے لوگوں میں شامل ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ انہیں
اپنی رحمت کے مقام میں داخل فرمائے گا ۔ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا
یُوْعَدُوْنَ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے ۔ جو اُن سے کیا جاتا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے
دنیا میں وعدہ کیا تھا کہ جو شخص سنِ شعور کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ سے اُس کے انعامات

کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق طلب کرے گا۔ خدا کی وحدانیت کو مان کر اس کی عبادت کرے گا، شرک، کفر، نفاق اور معصیت سے بچتا رہے گا۔ والدین کی خدمت بجا لائے گا۔ ان سے خدا تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے وہ انہیں ضرور جنت میں پہنچائے گا۔

حٰمٓ ۲۶

درس نمبر ۵

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

ترجمہ :- اور وہ شخص جس نے کہا اپنے والدین سے کہ تف ہے تمھارے لیے کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا (قبر سے) اور تحقیق گزر چکی ہیں قومیں مجھ سے پہلے۔ اور وہ دونوں (ماں باپ) فریاد کرتے ہیں اللہ کے سامنے (اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں)

افسوس ہے تیرے لیے ، ایمان لے آ ۔ بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے ۔ پس وہ کہتا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر قصے کہانیاں پہلے لوگوں کی (۱۷) یہی وہ لوگ ہیں کہ ثابت ہو چکی ہے اُن پر بات امتوں میں جو پہلے گزر چکی ہیں اُن سے جنوں اور انسانوں میں سے بے شک یہی لوگ نقصان اٹھانے والے تھے (۱۸) اور ہر ایک فرقے کے لیے درجات ہیں اُن اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کیے ۔ اور تاکہ پورا پورا بدلہ دے اُن کو اُن کے اعمال کا ، اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۱۹) اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آگ پر ، تو اُن سے کہا جائے گا کہ تم نے کھا اڑا لیا ہے اپنی پاکیزہ چیزوں کو دنیا کی زندگی میں ، اور تم نے فائدہ اٹھا لیا ہے اُن سے پس آج تم کو بدلہ دیا جائے گا ذلت ناک عذاب کا اس وجہ سے کہ تم تکبر کرتے تھے زمین میں ناحق ، اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے (۲۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے والدین سے متعلق دیے گیے تاکیدی حکم کا ذکر کیا۔ اس اعتبار سے انسانوں کی دو قسمیں بن جاتی ہیں ۔ یعنی سعادت مند اور بدبخت ۔ گذشتہ درس میں سعادت مند لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتے ہیں ۔ حقوق العباد میں اولین حق والدین کا ہے کہ اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے ۔ وہ لوگ والدین کی خدمت کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق بخشے اور یہ کہ وہ نیک اعمال انجام دے سکیں ۔ وہ اپنی بیویوں اور اولادوں کے لیے

بھی نیکی کی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنی فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے سعادت مند لوگوں کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے ان کی تقصیروں سے درگزر کرتا ہے اور وہ لوگ یقیناً اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں داخل ہوں گے۔

شقی انسان کا تذکرہ

سعادت مند لوگوں کا حال بیان کرنے کے بعد اب آگے کے درس میں اللہ نے بدبخت لوگوں اور ان کے جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا اور وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم دونوں پر۔ اُف کا لفظ بیزاری کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے جس میں مخاطب کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جاتی ہے۔ یہ لفظ انہی معانی میں سورۃ بنی اسرائیل میں بھی آیا ہے، جہاں اللہ نے والدین کے حق میں ایسا لفظ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا (آیت ۲۳) جب وہ دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو پھر انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بہرحال فرمایا کہ شقی انسان اپنے والدین سے بیزاری کا اظہار کرکے کہتا ہے أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو، مجھے بتلاتے ہو یا مجھے اس بات کی خبر دیتے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے دوبارہ نکالا جاؤں گا مجھے یہ بھی بتاتے ہو کہ قیامت برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی سب کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے فرمایا ایسا بدبخت آدمی ان چیزوں کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں مگر میں نے تو آج تک کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے اور سزا یا جزا سے دوچار ہوتے نہیں دیکھا پھر میں تمہاری بعث بعد الموت کی بات کو کیسے تسلیم کر لوں کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس بے ادب، نافرمان اور نالائق بیٹے نے پہلے تو ایمان سے محرومی

کی بات کی اور پھر وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کیا۔ اس بدبخت کے والدین اسے نصیحت کر رہے ہیں۔ مگر وہ ان سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے، گویا اس نے نہ تو اللہ کا حق ادا کیا اور نہ ہی حقوق العباد میں سے والدین کا حق ادا کیا۔ حالانکہ وہ اسے ایمان کی طرف بلا رہے ہیں۔

والدین کی طرف سے دعوتِ ایمان

فرمایا وَهُمَا يَسْتَغِيثٰنِ اللّٰهَ والدین اپنے بیٹے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق دے اور وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرے۔ اور ساتھ ہی نافرمان بیٹے کو نصیحت بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں وَيْلَكَ اٰمِنْ افسوس ہے، تیرا ستیاناس ہو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لے آ تاکہ تو بھی شقاوت سے نکل کر سعادت مندوں کی صف میں شامل ہو جائے۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جسے وہ ضرور پورا کرے گا یعنی بعث بعد الموت اور جزائے عمل ضرور واقع ہوگی۔ فَيَقُوْلُ اس نصیحت کے جواب میں بیٹا کہتا ہے مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ تمہاری یہ باتیں تو پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں ہیں۔ اساطیر اسطورہ کی جمع ہے جو کہ یونانی زبان کا لفظ ہے مگر عربی میں مستعمل ہے۔ عربی زبان میں بعض دیگر زبانوں کے الفاظ بھی اپنے اندر سمو لیے ہیں۔ جیسے سجیل فارسی لفظ ہے مگر عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح نور، میزان، قسطاس وغیرہ بھی غیر عربی الفاظ ہیں مگر اب عربی زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ بہرحال اس ناخلف بیٹے نے والدین کی طرف سے دی گئی دعوتِ توحید کو ٹھکرا دیا، ایمان سے محروم ہو گیا اور والدین کی بے ادبی اور گستاخی کا موجب بھی بنا۔

فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یہ وہی لوگ ہیں جن پر (خدا کے عذاب کی) بات ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ضد، عناد اور تعصب کا شکار ہو کر ایمان اور معاد کا انکار کر دیا، اور والدین کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے، لہٰذا ان پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی۔ اور یہ لوگ فِیْٓ

أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ انہی لوگوں میں
شامل ہیں جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں۔ انہوں نے توحید
کا انکار کیا اور معاد کو جھٹلایا تو یہ لوگ بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر سزا کے مستحق ٹھہرے
إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِيْنَ بلاشبہ یہ لوگ نقصان اٹھانے والے تھے۔ اللہ
نے ان کو زندگی، صحت اور عقل جیسے قیمتی جوہر عطا کیے۔ دنیا کی زندگی میں یہ
چیزیں ان کے لیے بیش قیمت سرمایہ تھیں مگر ان لوگوں نے اس پونجی سے
ایمان اور نیکی خریدنے کی بجائے انہیں ضائع کر دیا اور دائمی فلاح حاصل کرنے کی
بجائے ہمیشہ کی ذلت میں پڑ گئے۔ جو شخص زندگی میں صحت جیسی نعمت کو استعمال کر کے
عبادت، ریاضت اور نیکی کے کام انجام دیتا ہے، بلاشبہ وہ کامیاب ہو جاتا
ہے۔ اور جو شخص عقل کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ یقیناً اللہ کی وحدانیت
کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اور کفر، شرک اور معاصی جیسی بُری چیزوں سے بچ جاتا ہے۔
اور کامیاب ہو جاتا ہے مگر مذکورہ شخص نے ان چیزوں سے فائدہ نہ اٹھایا اور
ہمیشہ کے لیے ناکام ہو گیا۔

سعید و شقی کی مثال

جیسا کہ پہلے عرض کیا، گزشتہ درس میں سعید اور نیک آدمی کا ذکر تھا جب
کہ اس درس میں شقی اور بدبخت کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے
ہیں کہ سعادت مند کی مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کی عمر مبارک
چالیس سال ہوئی تو آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ اُس وقت حضرت صدیقؓ
کی عمر اڑتیس ۳۸ برس تھی اور آپ پہلے ہی دن ایمان لے آئے۔ آپ کے ساتھ
ایمان لانے والے دیگر افراد خانہ میں آپ کی بیوی ام رومانؓ بھی ایمان لائی جو حضرت
عائشہؓ اور عبدالرحمٰنؓ کی والدہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی والدہ ام الخیرؓ اور باپ
ابوقحافہؓ بھی بڑی دیر کے بعد ایمان لائے جب کہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔
اس طرح صرف اس خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی چار پشتیں صحابیت
میں داخل ہیں۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ، آپ کے والد ابوقحافہؓ، آپ کے بیٹے

عبدالرحمنؓ اور آپ کے پوتے عتیق بن عبدالرحمنؓ۔ اور شقی لوگ وہ ہیں جو ایمان قبول نہیں کرتے۔ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں، قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ نے اِن دونوں گروہوں کے اوصاف بیان کر دیے ہیں۔

دنیا و آخرت میں جزائے عمل

آگے مجموعی طور پر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اور ہر شخص یا ہر فرقے کے لیے اُن کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازیؒ فرماتے ہیں کہ درجات کا تعلق تو اہلِ ایمان کے ساتھ ہوتا ہے جو نیک کام انجام دیتے ہیں اور جو لوگ کفر اور معصیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن کے لیے درکات ہوتے ہیں۔ درکات کا ذکر اس مقام پر نہیں کیا گیا۔ مگر مطلب یہی ہے ہر نیکی والے شخص کے لیے اُس کی نیکی کے مطابق درجہ ہے کیونکہ نیکی کبھی اعلےٰ درجے کی ہوتی ہے، کبھی اوسط درجے کی اور کبھی ادنیٰ درجے کی۔ اسی طرح بُرائی کے بھی درکات ہوتے ہیں۔ کوئی کفر میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، کوئی اس سے کم تر اور کوئی اس سے کم تر۔ جہنم میں ان کے درکات بھی اُن کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی ہوں گے۔

پھر فرمایا یہ درجات اس وجہ سے ہوں گے وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ تاکہ ان کو اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے، وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کم جرم کے بدلے میں زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نہ کسی ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (آیت - ۲۱) دنیا کے مقابلے میں آخرت میں بڑے اعلیٰ درجات اور بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔ دنیا میں کم درجہ تھوڑے نیک عمل کی بھی زیادہ جزا ملے گی۔ جس طرح دنیا میں ہر شخص کی عقل، ذہانت اور استعداد یکساں نہیں ہوتی، اسی طرح آخرت میں بھی سب لوگ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ اُن کے درجات میں تفاوت ہوگا۔

نافرمانوں سے خطاب

اِدھر نافرمانوں کے بارے میں فرمایا۔ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عَلَى النَّارِ اور جس دن کافر لوگ آگ پر پیش کیے جائیں گے، تو اُن سے کہا جائے گا أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا تم نے اپنی پاک چیزوں کو دُنیا کی زندگی میں ہی کھاپی لیا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا اور ان کو استعمال کر کے اُن سے فائدہ حاصل کر لیا ہے۔ مثلاً اگر کافر دنیا میں کوئی فلاحی کام کرتے ہیں تو اُن کا بدلہ اُن کو دُنیا میں ہی شہرت اور نیک نامی کی صورت میں مل جاتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اُن کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔ کبھی اُن کی صحت اچھی ہوتی ہے، کبھی اُن کو مال و دولت دے دیا جاتا ہے اور کبھی کسی اعلیٰ عہدے پر متمکن کر کے اُس کے نیک اعمال کا حساب چکا دیا جاتا ہے اور پھر آخرت میں اُن کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو بعض اوقات دنیا میں بھی ان کے اعمال کا بدلہ کسی حد تک دے دیتا ہے مگر آخرت کا بدلہ تو پورا پورا ہوگا بلکہ بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کی امت میں توسیع پیدا فرمائے یعنی امت خوشحال ہو جائے۔ عرض کیا روم اور فارس والے لوگ لَا يَعْبُدُونَ اللّٰهَ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے یعنی کافر اور مشرک ہیں مگر پھر بھی اللہ نے اُن کو ہر طرح کی فراوانی عطا کر رکھی ہے۔ دوسری طرف آپ اور آپ کے پیروکار ہیں جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں مگر دنیا میں فراوانی نہیں، لہٰذا آپ اُن کے لیے بھی دعا کریں۔ آپ نے جواب میں فرمایا اے عمرؓ! کیا تمھیں اس بات میں کچھ تردد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو آخرت میں پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَيَوْمَ يُعْرَضُ ... کہ جس دن کافروں کو جہنم رسید کیا جائے گا تو انہیں یہی کہا جائے گا کہ تم نے اپنے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا کے مال و متاع اور نیک نامی کی صورت میں پالیا، اب یہاں پر تمھارے لیے کوئی بدلہ نہیں ہے۔

دنیا سے
بے رغبتی

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے زہد کی طرف اشارہ ملتا ہے زہد کا معنیٰ دنیا سے بے رغبتی ہے نہ کہ ترکِ دنیا جس کی اجازت نہیں دی گئی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں کمال زہد کا نمونہ تھیں جنہوں نے دنیا کی ہر چیز کو آخرت پر قربان کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو حاکم بنا کر یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ساتھ نصیحت بھی فرمائی اِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ یعنی اللہ کے بندے عیش و عشرت میں مبتلا نہیں ہوا کرتے۔ اگر ایسا ہوگا۔ تو اُن کے آخرت میں محروم ہونے کا خطرہ ہے۔ دُنیا کا آرام و آسائش مطلقاً ممنوع نہیں ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف-۳۲) اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں کہ جو زیب و زینت کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اُن کو کس نے حرام کیا ہے؟ انھیں استعمال کرو۔ کھاؤ پیو، مگر یاد رکھو! دنیا کی زندگی اور اُس کے لوازمات میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ آخرت کو بھول جاؤ اور پھر وہاں محروم ہونا پڑے۔ حتی الامکان سادگی اختیار کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ سادگی ایمان کا جزو ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، مطلب یہ کہ توسع کی چیزیں حرام تو نہیں ہیں، اچھا لباس، اچھی خوراک، اچھا گھر، اچھی سواری سب اللہ کے انعامات ہیں مگر ان میں الجھ کر آخرت کو نہ بھول بیٹھو، اسی لیے صحابہ کرامؓ عام طور پر توسع سے گریز کیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بڑے دولت مند صحابی تھے اور آپ اخراجات بھی فراخدلی سے کرتے تھے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک مجلس میں موجود تھے کہ آپ کے سامنے اعلیٰ قسم کا کھانا لایا گیا۔ اتنا اچھا کھانا دیکھ کر آپ کو احد کا زمانہ یاد آگیا۔ جب بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ کے لیے پورا کفن بھی مہیا نہیں تھا۔ حضرت حمزہؓ کا سر ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں پر گھاس پھونس ڈال

کر کفن مکمل کیا گیا۔ آپ اُس زمانے کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے حتیٰ کہ کھانا بھی اٹھا دیا اور کھایا نہیں۔ آپ کہنے لگے۔ مجھے ڈر ہے کہ قیامت کو ہمارے ساتھ بھی اس آیت میں مذکورہ معاملہ نہ پیش ہو جائے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ الآیۃ کہ جاؤ تم نے دُنیا میں ہی کھا اڑا لیا تھا۔ اب یہاں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ بہرحال اسی احساس کا نام زہد ہے جو تمام خلفائے راشدینؓ عشرہ مبشرہؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ کی زندگیوں میں ملتا ہے۔

کفار کیلئے عذاب

فرمایا کہ کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا کے لوازمات سے دنیا کی زندگی میں ہی استفادہ حاصل کر لیا۔ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ پس آج کے دن تم کو ذلت ناک عذاب کا بدلہ دیا جائے گا بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اسی وجہ سے کہ تم دُنیا کی زندگی میں اس زمین پر ناحق تکبر کرتے تھے۔ تم جس زمین پہ تکبر کرتے تھے وہ تو خود عاجز اور انکساری والی ہے وہ پنے اُوپر ہر بسنے والے کی خدمت گزار ہے۔ اُس کو تمام ضروریات زندگی مہیا کرتی ہے اور پھر جب انسان مرجاتا ہے تو یہی زمین اُس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ بدبخت تم نے اس زمین سے سبق نہ سیکھا اور الٹا تکبر کرتا رہا، دوسروں کو حقیر سمجھتا رہا اور غریبوں پر ظلم کرتا رہا۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل - ۳۷) زمین پر اکڑ کر مت چلو، تم کتنا بھی مغرور ہے مگر اس قابل نہیں کہ زمین کو پھاڑ سکے یا اتنا لمبا ہو جائے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ جائے تم بہرحال پانچ چھ فٹ کے انسان ہی رہو گے۔ لہٰذا ناحق غرور و تکبر نہ کرو۔ اور آج تمہیں اس وجہ سے بھی ذلت ناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ کہ تم دنیا میں، وہ کہ نافرمانی کرتے تھے۔ فسق کا معنی اطاعت سے باہر نکل جانا ہے اس کا اطلاق کفر کے علاوہ تمام معاصی پر بھی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم دنیا میں کفر، شرک، کھیل تماشے اور لہو و لعب میں مصروف رہے۔

اللہ تعالےٰ اور اُس کے انبیاء کے احکام کو تسلیم نہ کیا اور نہ ہی وقوع قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لائے، لہذا آج ذلت ناک عذاب کا مزا چکھو۔

درس ششم — آیت ٢١ تا ٢٥

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ
خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا
إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾
قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا
إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ
وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾
فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا
عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ
فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا
فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :- اور آپ تذکرہ کریں قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام)
کا، جب کہ ڈرایا انہوں نے اپنی قوم کو احقاف کے اندر
اور تحقیق گزر چکے تھے آپ سے پہلے بھی ڈر سنانے
والے اور آپ کے بعد بھی (انہوں نے کہا) نہ عبادت
کرو سوائے اللہ کے کسی کی۔ بے شک میں خوف کھاتا
ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا ﴿٢١﴾ وہ لوگ

کہنے لگے، کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ تو ہمیں ہٹا دے ہمارے معبودوں سے۔ پس تو لا جو ہم سے وعدہ کرتا ہے، اگر تو سچا ہے ㉒ کہا اُس (ہود علیہ السلام) نے بیشک علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور میں پہنچاتا ہوں وہ چیز جو مجھے پیغام دیا گیا ہے، مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم نادان لوگ ہو ㉓ پھر جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادل کی شکل میں جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آرہا تھا تو کہنے لگے کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ (فرمایا نہیں) بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ㉔ یہ ملیامیٹ کرتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ پھر ہو گئے وہ لوگ کہ نہیں دیکھا جاتا تھا سوائے اُن کے ٹھکانوں کے (کچھ بھی) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو مجرم ہوتے ہیں۔ ㉕

حوامیم سبعہ کی اس آخری سورۃ میں بھی سابقہ سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت ہی کا تذکرہ ہے ابتدائے سورۃ میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا، پھر توحید کے عقلی اور نقلی دلائل اور ساتھ ساتھ شرک کا رد ہوا۔ عقیدہ توحید پر استقامت اور جزائے عمل کا بیان ہوا۔ پھر لوگوں کے دو گروہوں یعنی سعادتمند اور بدبخت لوگوں کا ذکر ہوا۔ فرمایا سعادتمند لوگ وہ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں اور اُس کے سامنے مناجات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا نیک انجام بھی بیان ہوا۔ پھر اللہ

نے بدبخت انسانوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ حقوق سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اور سرکشی
غرور اور تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب انہیں ایمان کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور
وقوع قیامت اور جزائے عمل سے ڈرایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں
کے قصے کہانیاں ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب جزائے عمل
کا موقع آئے گا تو ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم نے تو دُنیا کی زندگی میں ہی مزا
اُڑا لیا ہے۔ عیش و عشرت کر لی۔ لہٰذا آج تمہارے لیے اللہ کے ہاں کچھ حصہ
نہیں ہے۔ اب تمہیں ذلت ناک عذاب کا مزا چکھنا پڑے گا۔ یہ تمہارے
ناحق تکبر اور فسق و نافرمانی کا بدلہ ہے جو مل کر رہے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام

چونکہ مشرکین مکہ اور صنادید قریش بھی غرور و تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے، اس
لیے اللہ نے اُن کی عبرت کے لیے قوم عاد کا ذکر کیا ہے کہ تمہاری طرح وہ بھی
سرکش قوم تھی مگر جب اللہ کا عذاب آیا تو انہیں دُنیا سے نابود کر دیا گیا اور
اُن کا فرد واحد بھی باقی نہ بچا۔ ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ آپ تذکرہ
کریں قوم عاد کے بھائی یعنی حضرت ہود علیہ السلام کا جو اسی قوم کے ایک فرد تھے
اور اللہ نے آپ کو انہی کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ نے لوگوں کو خدا تعالیٰ کا
پیغام پہنچایا، توحید کا درس دیا اور کفر و شرک کی مذمت بیان کی مگر ان لوگوں نے
غرور و تکبر کی بنا پر اس دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اس قوم کی ہلاکت کے واقعہ کو اہل عرب
بھی جانتے تھے کیونکہ اُن کے قصے کہانیوں میں قوم عاد کا ذکر آتا تھا۔ لہٰذا اللہ
نے قوم عاد کا واقعہ اور اس کی ہلاکت کا ذکر کر کے مشرکین مکہ اور عرب کو عبرت
دلائی ہے۔

اخوت مختلف اعتبار سے ہوتی ہے۔ کبھی ملکی اعتبار سے، کبھی قومیت
کے اعتبار سے، کبھی زبان کی وجہ سے اور کبھی دینی اعتبار سے، جیسا کہ فرمایا
كُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں خود قرآن میں بھی موجود
ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات - ۱۰) تمام ایمان والے آپس میں بھائی ہیں حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو کہتے یَرْحَمُنَا

اللہُ وَاَخَا عَادٍ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی رحم فرمائے اور قومِ عاد کے بھائی ہود علیہ السلام پر بھی

حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے ہود ابن عبداللہ (یا شالخ) ابن رباح، ابن الخلود، ابن عاد، ابن اوس، ابن اِرم، ابن سام، ابن نوحؑ۔ آپ کی قوم کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ قومِ عاد عرب کے شمال کی طرف آباد تھی اور یہ عادِ اولیٰ کہلاتی ہے جب کہ قوم ثمود جنوب کی طرف آباد تھی اور عادِ ثانیہ کہلاتی ہے امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب "حسن المحاضرۃ فی احوال المصر والقاھرۃ" میں لکھا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام مصر کے حاکم مِصر ابن بیصر کے زمانے میں مبعوث ہوئے۔ ملک مصر اسی شخص کے نام سے موسوم ہوا اور یہ شخص طوفان نوح کے دو ہزار چھ سو سال بعد مرا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے چار سو اسی سال تک قوم کو تبلیغ کی مگر وہ ایمان نہ لائی اور کفر و شرک میں ہی مبتلا رہی۔ صرف چند لوگ ایمان لائے اور باقیوں کو اللہ نے ہلاک کیا۔ اس ہلاکت کے بعد بھی آپ ڈیڑھ سو سال تک زندہ رہے۔

قومِ عاد کا تذکرہ

قومِ عاد کا تذکرہ سورۂ اعراف، ہود، شعراء، الحاقہ، فجر اور بعض دیگر سورتوں میں بھی موجود ہے۔ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اس دنیا میں آباد ہوئی۔ بڑے قد آور اور طاقتور لوگ تھے۔ اللہ نے اس مقام پر اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ جب ڈرایا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو احقاف میں۔ احقاف حِقف کی جمع ہے جس کا معنیٰ ریت کا ٹیلہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس علاقہ میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے پائے جاتے ہیں اور طوفان کے دوران ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس پورے علاقے کو احقاف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی سرخ اور دیگر بڑے بڑے ریت کے ٹیلوں کی سرزمین۔ یہ لمبا چوڑا خطہ یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان واقع ہے جو صحرائے اعظم الدھنا یا ربع خالی کہلاتا ہے اس کا کل رقبہ تقریباً تین لاکھ مربع میل ہے۔ قوم عاد عمان سے لے کر یمن تک اور

نجد سے لے کر حضر موت تک کے اسی علاقہ میں آباد تھی۔ دیگر پرانی اقوام کی طرح
اس قوم میں بھی کفر و شرک، غرور، تکبر اور ظلم و جور جیسی بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ یہ لوگ
بڑے متکبر تھے کہ باقی دنیا کو چیلنج کیا کرتے تھے اور کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً
(حم السجدۃ ۱۵) کہ ہم سے زیادہ طاقتور دنیا میں کون ہے؟

فرمایا جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ
بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور تحقیق آپ سے پہلے بھی خدا کے ڈرانے والے
نبی گزر چکے تھے اور آپ کے بعد بھی آئے۔ آپ سے پہلے آپ کے جدِ امجد حضرت
نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تک قوم کو تبلیغ کی مگر
صرف ستر یا اسی افراد ایمان لائے اور باقیوں کو اللہ نے طوفان میں غرق کیا۔ حضرت
ادریس علیہ السلام کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہ بھی حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے ہوئے
ہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام کا ذکر اگرچہ قرآن میں نہیں ہے، تاہم تاریخ میں
ان کا نام بھی آتا ہے۔ ممکن ہے ان کے علاوہ اور نبی اور رسول بھی آئے ہوں جن
کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ملتا۔ جہاں تک ہود علیہ السلام کے بعد کا تعلق ہے۔
تو آپ کے بعد بھی اللہ کے عظیم المرتبت کئی رسول مبعوث ہوئے۔ حضرت
ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، لوط، یونس علیہم السلام غرضیکہ اللہ کے
ہزاروں نبی آئے اور پھر انبیائے بنی اسرائیل کی آخری کڑی کے طور پر حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ تو یہاں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ
ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد بھی بہت سے ڈرانے والے آئے جنہوں نے
بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، کفر و شرک سے منع فرمایا اور ان کو ان کے
بُرے انجام سے ڈرایا۔

دعوتِ توحید

سابقہ انبیاء علیہم السلام کے مشن کی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی قوم
کو درس دیا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ کہ لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت
نہ کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جن کے سامنے تم نذر و نیاز پیش کرتے ہو

چڑھاوے چڑھاتے ہو، منتیں مانتے ہو، اُن کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہو اور انھیں اپنی حاجتوں میں پکارتے ہو۔ وہ تمھارے کسی کام نہیں آسکتے اور نہ ہی انہیں کچھ اختیار ہے۔ ہود علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ تمھاری اِن کفریہ اور شرکیہ باتوں کی وجہ سے اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ مجھے خوف ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یومِ عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن لوگوں کی سزا یا جزا کے حتمی فیصلے ہوں گے۔ یومِ عظیم سے ایام اللہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جنکا ذکر سورۃ ابراہیم میں موجود ہے وَذَکِّرۡهُمۡ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ (آیت-۵) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو قومِ فرعون اور بنی اسرائیل کے پاس بھیج کر حکم دیا کہ اُن کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف لائیں اور انھیں اللہ کے دن یاد دلائیں۔ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نعمت عطا فرماتا ہے یا اُن کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ بہر حال ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اللہ کی گرفت میں نہ آجاؤ۔

اس کے جواب میں قَالُوۡۤا قوم کے لوگ کہنے لگے اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِکَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا اے ہود (علیہ السلام) ! کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیرنا چاہتا ہے۔ صرف ایک خدا کی عبادت کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم اُن تمام معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے آئے ہیں۔ کہنے لگے تو کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ ہود میں اس بات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے کہ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے ہود! تم تو ہمارے پاس کوئی واضح نشانی بھی لے کر نہیں آئے۔ اور ہم محض تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑیں گے اور نہ تم پہ ایمان لائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىکَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ (آیت-۵۴) ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ہم تو اپنی رسم و رواج اور باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ تو ہمیں عذاب کی دھمکی دیتا ہے فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب لے آجس سے ہمیں ڈراتا ہے۔ ہم خود ہی اس سے نپٹ لیں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ کسی قوم پر عذاب لانا میرا کام نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کی تاریخ وقوع سے واقف ہوں قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ فرمایا اس بات کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے۔ البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ نافرمان لوگ ضرور اس عذاب کا مزا چکھیں گے۔ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ آپ نے قوم کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ میرا کام تو یہ ہے وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ یہ کہ میں تم تک وہ چیز پہنچا دیتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ میں تمھیں خدا کا دین۔ شریعت اور اس کے احکام پہنچانے پر مامور ہوں۔ میں تو حتی الامکان اپنا فرضِ منصبی پورا کر رہا ہوں۔ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہی نادان لوگ ہو جو پیغامِ خداوندی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کفر اور شرک پر مصر ہو اور پھر الٹا چیلنج کرتے ہو کہ جو عذاب لانا ہے لے آ۔ یہ کتنی حماقت کی بات ہے کہ اپنے منہ سے عذاب طلب کر رہے ہو۔ جب وہ آگیا تو پھر تمھارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔

بالآخر قوم پر عذاب کا وقت آگیا۔ تین سال تک ایک قطرۂ آب بھی نہ برسا اور لوگ سخت قحط کا شکار ہوگئے۔ اس زمانے میں بیت اللہ شریف کی عمارت تو سیلاب کی وجہ سے منہدم ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی لوگ اس جگہ کا طواف کرتے تھے اور وہاں جاکر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے۔ جب قوم عاد قحط سالی سے سخت پریشان ہوگئی تو انھوں نے اپنا ایک وفد مکہ بھیجا تاکہ وہاں جاکر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر قحط کو دور کردے۔ یہ وفد مکہ پہنچا اور انھوں نے بیت اللہ شریف والے مقام پر جاکر دعائیں کیں۔ پھر ایک دن قوم نے دیکھا کہ آسمان پر سیاہ بادل گھر آئے ہیں۔ وہ بڑے

خوش ہوئے کہ کالی گھٹا چھائی ہے، اب بارش ہو گی۔ یہاں پر اللہ نے اسی بات کا ذکر کیا ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادلوں کی شکل میں جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آ رہا تھا۔ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ اُن لوگوں نے سیاہ بادل دیکھ کر بڑی خوشی منائی کہ تھوڑی ہی دیر میں جل تھل ہو جائیگی اور ہماری مراد بر آئے گی۔ مگر وہ بدبخت نہیں جانتے تھے کہ یہ بادل پانی کی بجائے ان پر آگ کی بارش کرنے والے ہیں۔ مگر اُدھر سے ارشاد ہوا کہ یہ بارش نہیں بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لے آؤ جس کا ہم سے وعدہ کرتے ہو۔ فرمایا رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ یہ ایک تند ہوا ہے جس میں دردناک عذاب پنہاں ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ نے انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا کو کھولنے کا حکم دیا۔ جس سے اُن پر شدید عذاب آ گیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ اللہ نے احزاب کے موقع پر میری مدد مشرقی ہوا سے فرمائی۔ ایسی ٹھنڈی اور تیز ہوا چلائی جس سے حملہ آور مشرکین کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ مدینہ کا محاصرہ ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے برخلاف اللہ نے قوم عاد کو مغربی ہوا کے ذریعے ہلاک کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے ایسی تند و تیز ہوا بھیجی تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا جو ملیا میٹ کرتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ سورۃ الحاقہ میں ہے کہ قوم عاد کا تیز آندھی کے ساتھ ستیاناس کر دیا گیا سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ جو ان پر متواتر سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی حتیٰ کہ فرمایا فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ اُن میں سے فرد واحد بھی باقی نہ بچا بلکہ سب نافرمان ہلاک ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ اپنے پیروکاروں کو لے کر فلاں چشمہ کے قریب چلے جائیں۔

آپ نے اللہ کے حکم سے اہل ایمان کے ارد گرد ایک لکیر کھینچ دی اور یہ لوگ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ باقی سب آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ہلاک ہو گئے۔ اور پھر اُن کی لاشیں زمین پر ایسے پڑی تھیں کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقہ ۔ ۷) گویا کھجوروں کے کھوکھلے تنے پڑے ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ عذاب اس قدر شدید تھا کہ اگر کوئی شخص اونٹ پر سوار جا رہا ہے تو ہوا اُسے زمین سے اٹھا کر پٹخ دیتی اور وہ ہلاک ہو جاتا۔ اور آخر اس قوم کی حالت یہ ہو گئی ۔ فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ کہ اُن کے ٹھکانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یعنی مکان تو بچ گئے مگر ان کے مکین حتیٰ کہ جانور تک فنا کر دیئے گئے ۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کبھی آسمان پر بادل چھاتے تو حضور علیہ السلام پریشان ہو جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایسے ہی ایک موقع پر پریشانی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا، عائشہؓ! مجھے ڈر ہے کہ یہ بادل ویسے ہی نہ ہوں جیسے قوم عاد پر آئے تھے اور انہیں تباہ کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے جب تیز ہوائیں چلتیں تو حضور علیہ السلام دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ اے اللہ میں اس ہوا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے۔ اس کی بہتری کا سوال کرتا ہوں اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اُس کے شر سے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے ۔

یہ حال فرمایا کہ قوم عاد کو ہلاک کر دیا گیا۔ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ہم مجرم لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ لہٰذا مکے والوں کو خبردار ہو جانا چاہیے۔ کہ اگر اللہ کی نافرمانی کرنے پر قوم عاد ہلاک ہو سکتی ہے۔ تو اسی جرم میں مشرکین مکہ بھی بچ نہیں سکتے۔ الغرض! اللہ نے قوم عاد کا حال بطور عبرت ذکر کر دیا ہے تاکہ اہل مکہ بھی اپنی فکر کریں ۔

درسِ ہفتم ۷ آیت ۲۶ تا ۲۸

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے اُن کو قدرت دی اُن چیزوں میں کہ نہیں ہم نے قدرت دی تم کو اُن میں۔ اور بنائے ہم نے اُن کے لیے کان، آنکھیں اور دِل پس نہ کام آئے اُن سے اُن کے کان، نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل کچھ بھی۔ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا۔ اور گھیر لیا اُن کو اُس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿۲۶﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا تمہارے اردگرد کی بستیوں کو، اور پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ہم نے آیتیں تاکہ وہ لوٹ آئیں ﴿۲۷﴾ پس کیوں نہیں مدد کی ان کی انہوں

نے جن کو بنا لیا انہوں نے اللہ کے سوا تقرب کے لیے معبود ، بلکہ وہ گم ہو گئے ان سے ۔ یہ ان کا جھوٹ تھا اور وہ جو یہ افتراء کرتے تھے ۲۸

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کے دینِ حق سے انکار اور اُن کے غرور و تکبر کا ذکر کر کے مشرکینِ مکہ اور عرب کو عبرت دلائی کہ اگر تم نے بھی قومِ عاد کی طرح اللہ کی توحید، اُس کے رسول اور معاد کا انکار کیا، شرک اور کفر سے باز نہ آئے، غرور و تکبر پر مصر ہے تو پھر تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام کے انجامِ ہلاکت سے مختلف نہیں ہوگا۔ اللہ نے قومِ عاد کو ہوا جیسی نرم و نازک چیز کے ذریعے ہلاک کیا جو انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی زندگی کا ذریعہ ہے تو جب اس قوم کے تمام نافرمان بچے بوڑھے، مرد، عورتیں سب ہلاک ہو گئے تو پھر اُن کی عمارات کے کھنڈرات کے سوا اُن کے علاقہ میں کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔

سابقہ اقوام سے تقابل

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے طریقے سے مشرکینِ مکہ اور عرب کو بات سمجھائی ہے کہ دیکھو! سابقہ مغرور اقوام کے مقابلے میں تمہارے پاس نہ قوت ہے، نہ مال و دولت اور نہ جتھہ، پھر تم کس چیز پر تکبر کر کے اللہ کے احکام کو ٹھکرا رہے ہو۔ اللہ نے اُن کو بھی اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ و برباد کیا، تو تم اُن کے نقشِ قدم پر چل کر کیسے بچ سکتے ہو؟ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ البتہ تحقیق ہم نے سابقہ اقوام عاد، ثمود، وغیرہ کو اُن چیزوں میں قدرت دی اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ جن میں تم کو قدرت نہیں دی گئی۔ تمکین کا معنی زمین میں جما دینا پختہ کر دینا، قوت کے اسباب مہیا کرنا ہوتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ تم کس بات پر اکڑ رہے ہو، ہم نے دنیاوی ترقی کے اسباب جتنے سابقہ اقوام کو عطا کیے ہیں وہ تمہیں نہیں دیے۔ سورۃ سبا میں فرمایا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (آیت - ۴۵) مکے کے مشرکین کس بات پر اکڑتے ہیں انہیں تو سابقہ اقوام کے عشرِ عشیر یعنی سویں حصے کے برابر بھی مال و دولت، طاقت، جتھہ اور وسائلِ رزق نہیں

عطا کیے گئے۔ سابقہ ادوار میں بڑی بڑی تہذیبیں گزری ہیں، آشوری اور کلدانی ہر لحاظ سے دنیا میں فوقیت رکھتے تھے۔ اللہ نے دُنیاوی اعتبار سے اُن کو بڑا ساز و سامان دیا تھا۔ برصغیر میں لوگ ٹیکسلا، گندھارا، ہڑپہ اور موہنجو دھارو کی تہذیبوں کو وہاں کے عجائب گھروں میں جا کر دیکھتے ہیں اور ان کی کاریگری، نقش و نگار اور صناعی پر حیران ہوتے ہیں۔ قومِ عاد کے پاس اقتدار بھی تھا اور جسمانی طاقت بھی۔ اللہ نے مصر کے قدیم باشندوں اور فرعونی خاندانوں کو بہت بڑی سلطنت اور ہر قسم کے وسائل دیا کیے تھے۔ قومِ ثمود کی صنعت و حرفت پر آج بھی لوگ انگشت بدنداں ہیں۔ قدیم چینیوں کی کاریگری اور ادھر اجنٹا اور الورا کی تہذیبیں اپنی شان و شوکت کی آج بھی گواہی دے رہی ہیں۔ اس کے برخلاف عربوں کے پاس تو کوئی باقاعدہ سلطنت بھی نہیں تھی۔ قبائلی نظام رائج تھا اور ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے مکے میں قریش کو بھی سیادت حاصل تھی، مگر اُن کے پاس نہ کوئی فوج تھی، نہ مال و دولت تھی، زراعت کا تو سرے سے نام تک نہ تھا۔ بلکہ وہ وادیٔ غیر ذی ذرع کے مکین تھے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سابقہ اقوام کو ایسی قدرت دی جو تمھیں نہیں دی گئی، پھر تم کیسے غرور کرتے ہو؟

اعضائے رئیسہ کی نعمت

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سابقہ اقوام کو قدرت دی وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً اور ہم نے اُن کو سُننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور غور و فکر کے لیے دِل عطا کیے۔ یہ تین چیزیں انسان کے اہم اعضا شمار ہوتے ہیں۔ دِل کے ساتھ دماغ بھی شامل ہے کیونکہ قوتِ عملی کا تعلق دِل کے ساتھ ہوتا ہے اور غور و فکر کا تعلق دماغ کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر دونوں آپس میں مربوط بھی ہیں۔ انسانی جسم کے اعضائے رئیسہ میں دِل، دماغ اور جگر آتے ہیں۔ اگر اِن میں سے کوئی ایک عضو بھی خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تینوں بھی آپس میں مربوط ہیں۔ اگر جگر خراب ہو جائے تو قلب اور دماغ بھی کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح قلب خراب ہو جائے تو جگر اور دماغ کسی کام کے نہیں رہتے۔ اور اگر انسان

کا دماغ ہی ماؤف ہو جائے تو پھر قلب اور جگر بھی بیکار ہو جاتے ہیں اور انسان کسی
کام کا نہیں رہتا۔ جس طرح انفرادی اور شخصی اعتبار سے اعضائے رئیسہ کا درست ہونا
ضروری ہے، اسی طرح نوعی اعتبار سے اللہ نے بقائے نسلِ انسانی کے لیے نظامِ
تولید و تناسل کو قائم کر دیا ہے۔

ان تین چیزوں یعنی کان، آنکھ اور دل کا ذکر قرآن کریم میں کثرت سے
آیا ہے۔ دل مرکزِ عقیدہ اور مرکزِ اخلاق ہے جسم کی درستی کا انحصار دل کی درستی
پر ہوتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ انسان کے جسم میں
ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے۔ اور اگر وہ
لوتھڑا خراب ہے تو سارا جسم خراب ہو گا۔ فرمایا اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ خبردار! وہ
لوتھڑا دل ہے۔ اخلاقِ حسنہ محبت، نفرت یا اخلاقِ سیئہ کا تعلق دل سے ہوتا
ہے۔ اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا کہ دوزخ کی آگ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ
(الہمزۃ)۔ وہ سب سے پہلے دلوں پر اثر انداز ہو گی اور اس کے بعد یہ ظاہری اعضا
پر پڑے گی۔

دیگر دو چیزوں کان اور آنکھوں کو انسانی جسم میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔
یہ دونوں اعضاء انسان کے لیے علم کا ذریعہ ہیں۔ انسان کانوں کے ذریعہ سن کر اور
آنکھوں سے دیکھ کر معلومات حاصل کرتا ہے البتہ کان کی اہمیت آنکھ سے
بھی زیادہ ہے کیونکہ آنکھ تو صرف نظر آنے والی چیز کا ہی احاطہ کر سکتی ہے۔ مگر
ہم ان سے ظاہر و باطن شنید چیز سے بہت سی معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ کان اور
آنکھیں کسی چیز کو سن کر یا دیکھ کر دماغ تک پہنچاتی ہیں اور اس طرح غور و فکر کے بعد
انسان کی معلومات میں شنید یا دید چیز محفوظ ہو جاتی ہے۔

اللہ نے یہ عظیم نعمتیں انسان کو عطا فرمائیں مگر اکثر انسانوں نے ان اعضاء کو
صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ فَمَآ اَغْنٰی عَنْھُمْ سَمْعُھُمْ

وَلَآ اَبۡصَارُهُمۡ وَلَآ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ کہ نہ فائدہ دیا اُن کو اُن کے کانوں نے، اور نہ اُن کی آنکھوں نے اور نہ اُن کے دلوں نے کچھ بھی۔ اور پھر یہ لوگ اندھے اور بہرے بن گئے، حق کو قبول کرنے کی بجائے انبیاء کی مخالفت شروع کر دی اور اس طرح ہمیشہ کی ناکامی کا شکار ہو گئے۔ اللہ نے انسان کو اِن اعضا سمیت عذاب میں مبتلا کر دیا اور کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت اُس کو جہنم کی آگ سے نہ بچا سکی۔ اسی لیے فرمایا کہ اُن کے کانوں، آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔

شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اِن اعضاء کے ذریعے دنیاوی امور کو تو خوب سمجھتے تھے مگر معاد کے معاملہ میں بالکل صفر تھے۔ سورۃ العنکبوت میں فرمایا کہ شیطان نے اُن کے اعمال کو انھیں مزین کر کے دکھایا اور انھیں سیدھے راستے سے روک دیا۔ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ (آیت - ۳۸) حالانکہ وہ دیکھنے والے لوگ تھے۔ مگر دنیا کے اعتبار سے۔ دنیا کے نفع نقصان اور اونچ نیچ کو خوب سمجھتے تھے، بڑے بڑے صنعتکار، تاجر، انجنیئر اور سائنسدان تھے۔ انہوں نے دنیاوی فائدے کے لیے بڑی بڑی ایجادات کیں، انسانی آرام و آسائش کے بڑے سامان پیدا کیے لیکن وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم - ۷) آخرت کے معاملہ میں یکسر غافل اور بے سمجھ تھے۔ انہوں نے نہ تو عالم برزخ پر یقین کیا، نہ آخرت کی منزلوں کا تعین کر سکے اور نہ جزا و سزا کے مسئلہ کو جان سکے۔ گویا وہ فکرِ معاش میں تو بڑے ماہر تھے مگر فکرِ معاد سے یکسر خالی تھے۔

فرمایا اُن کے اعضائے رئیسہ اُن کے کچھ کام نہ آئے کیونکہ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ اُن میں اندھا پن اور بہرہ پن پیدا ہو چکا تھا۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور پھر اُس چیز نے اُن کو گھیر لیا جس کے ساتھ وہ ٹھٹا کیا کرتے تھے۔ وہ بعث بعد الموت، حساب کتاب، جزائے عمل اور جنت دوزخ کا انکار کرتے تھے، بلکہ ان کا تمسخر اڑاتے تھے لہٰذا انہی چیزوں نے عذاب کی صورت میں اُن کو گھیر لیا اور وہ ان

سے نجات حاصل کرنے کے قابل نہ ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی توحید، اُس کی صفات، اور اُس کی تقدیر پر ایمان لے آتا ہے تو پھر اُس کے اور عالمِ بالا کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے، اُس کو باطنی طور پر بصیرت حاصل ہوجاتی ہے اور وہ اس وحدانی نظام کو سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ اگر وہ شخص اِن چیزوں پر ایمان نہیں لاتا تو مذکورہ دروازہ بند ہی رہتا ہے اور انسان حجابِ سوء معرفت کا شکار ہوکر دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اس میں ایمان کی روشنی پیدا نہیں ہو پاتی اور نہ دل میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

سابقہ اقوام کی ہلاکت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کے سامنے سابقہ اقوام کی ہلاکت کو بطورِ مثال پیش کرکے اُن کو عبرت دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو بھی ہلاک کیا۔ اِن بستیوں سے مراد قومِ عاد کی بستیاں نہیں کیونکہ وہ مکے سے دور تھیں اُن کا زمانہ بھی بہت پہلے کا تھا اور مکے والوں کی اُس کی طرف آمد و رفت بھی نہیں تھی۔ البتہ اِن بستیوں سے مراد قومِ ثمود اور قومِ لوط کی بستیاں تھیں۔ اِن قوموں کے واقعات اہلِ مکہ کے قصے کہانیوں میں بھی ملتے تھے، نیز جب یہ شام کے تجارتی سفر پر جاتے تھے۔ تو ان اقوام کی اجڑی ہوئی بستیوں پر سے گزرتے اور ان کا خود مشاہدہ کرتے تھے۔ بحرِ میت کے کنارے قومِ لوط کی بستیوں کے کھنڈرات تھے جب کہ وادیٔ تبوک میں قومِ ثمود کے آثار ملتے تھے فرمایا، یہ لوگ بھی تمہاری طرح نافرمان تھے، لہٰذا ہم نے ان کو بھی ہلاک کیا اور تم ان کے حالات سے باخبر بھی ہو فرمایا وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اور ہم آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ آیات سے مراد نشانیاں، معجزات، احکام، دلائل تمثیلات ہیں جو اللہ نے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت بیان کر دیے ہیں تاکہ یہ لوگ ان نقصانات سے عبرت حاصل کریں اور ہدایت کی طرف پلٹ آئیں۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی

توحید کا مسئلہ سمجھانے کے لیے اللہ نے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ جیسا کہ یہاں پر فرمایا فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً پھر کیوں نہ مدد کی اُن لوگوں کی ان معبودانِ باطلہ نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا تقرب کے لیے الٰہ بنا رکھا تھا۔ تمام پرانے اور نئے مشرکوں نے اللہ کے سوا بہت سے معبود بنا رکھے تھے جن کے متعلق اُن کا زعم تھا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر۔۳) ہم تو ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا تقرب دلا دیتے ہیں۔ بعض یوں کہتے تھے کہ ہماری عبادت اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی بلکہ اِن مقربین کی عبادت میں شامل ہو کر ہماری عبادت بھی قبول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم ان کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ جو بھی عبادت صحیح عقیدے، صحیح فکر اور خلوصِ نیت سے کی جائے اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرماتا ہے۔ وہ ہر ایک کی فریاد کو براہ راست سنتا ہے اور خدا اور بندے کے درمیان کسی واسطے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ واسطے کا مسئلہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کو دُنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے بنا رکھا ہے کہ جس طرح کسی حاکم یا بادشاہ تک پہنچنے کے لیے اُس کے امیروں وزیروں کا واسطہ ضروری ہے، اسی طرح خدا سے ملاقات کے لیے بھی درمیان میں بعض معبودان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری کی ساری مخلوق انسان، جن، فرشتے، درندے، پرندے، کیڑے مکوڑے غرضیکہ سب کا رب ہے اور اس کا تعلق اپنی ساری مخلوق کے ساتھ قائم ہے۔ اُس نے مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں دے رکھا کہ فلاں کام میری بجائے تم کر دینا، غرضیکہ ہر چیز کا رب مدبر اور متصرف تو خدا تعالیٰ ہے لہٰذا جو لوگ اللہ کی گرفت میں آ گئے اُن کو کون بچا سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے لات، منات، عزیٰ اور ہبل جن کی نذر و نیاز مانتے ہو، جن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہو، جن سے حاجات طلب کرتے ہو اور جن کے نام کی دہائی دیتے ہو مصیبت کے وقت انہوں نے تمہاری کوئی مدد نہ کی بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ بلکہ وہ تو اُن سے گم ہو

گئے۔ جب اُن میں سے کوئی نظر نہ آیا تو وہ مدد کیا کرتے؟ یہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید بیان کی جا رہی ہے۔

فرمایا وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ یہ اُن کا محض جھوٹ تھا کہ فلاں بھی ہماری مدد کر سکتا ہے اور فلاں کو بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ جنت کا ٹکٹ دے سکتا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مختارِ مطلق بنا دیا ہے وہ اپنے نام نہاد پیروکاروں کی حاجات پوری کرتے ہیں اور اُن کو جنتی بناتے ہیں اور پھر قیامت والے دن سب کو ساتھ لے کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ نجومی ستاروں کو متصرف خیال کرتے ہیں اور اُن کی پوجا کر کے اُن سے حاجات طلب کرتے ہیں۔ اُدھر آج کے نام نہاد مسلمان اہلِ قبور کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اُن کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور اُن سے اولاد، رزق اور دُنیا کی دیگر ضروریات طلب کرتے ہیں۔ فرمایا یہ نرا جھوٹ ہے۔ اللہ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ اللہ کی ساری مخلوق خواہ وہ انسان ہوں یا جن، ملائکہ ہوں یا انبیاء سب اُسی کے محتاج ہیں اور اُسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن - ۲۹) زمین و آسمان کی ہر مخلوق اُسی اللہ وحدہٗ لاشریک کے در کی سوالی ہے۔ نہ کوئی غیر اللہ فریاد رس ہے، اُس کے علاوہ کوئی کسی کی فریاد رسی کرنے والا نہیں ہے۔ نہ کوئی مافوق الاسباب پکار سکتا ہے اور نہ مدد کر سکتا ہے۔ فرمایا یہ اُن کا جھوٹ تھا وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اور جو کچھ یہ من گھڑت باتیں کرتے تھے سب جھوٹ کا پلندہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی قوم کو یہی کہا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (آیت ۲) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس کے سوا کوئی قادرِ مطلق، علیمِ کل، متصرف، مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرو۔

درس ہشتم ۸ — آیت ۲۹ تا ۳۲

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ:۔ اور جس وقت پھیر دیا ہم نے ایک گروہ آپ کی طرف جنات میں سے ، سنتے تھے وہ قرآن ۔ پس جب وہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے خاموش رہو پس جب وہ ختم کیا گیا تو پلٹے وہ اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے ﴿۲۹﴾ کہنے لگے ، اے ہماری قوم کے لوگو ! بےشک ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد ، وہ تصدیق کرنے والی ہے اُن کی جو اُس سے پہلے ہیں (کتابیں) وہ راہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو ! قبول کرو اللہ

کی طرف بلانے والے کی بات کو اور ایمان لاؤ اس پر وہ بخشے گا تم کو تمہارے گناہوں میں سے اور پناہ دے گا تم کو دردناک عذاب سے (۳۱) اور جو شخص نہیں قبول کریگا اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو ، پس نہیں وہ عاجز کرنے والے زمین میں ، اور نہیں اُس کے لیے اُس کے سوا کوئی مددگار ، یہی لوگ ہیں صریح گمراہی میں پڑے ہوئے (۳۲)

ربط آیات

سورۃ ہذا حوامیم سبعہ کی آخری سورۃ ہے ۔ ان تمام سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول ہی بیان کیے گیے ہیں ۔ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ان سورتوں کا خاص موضوع ہے ۔ اسی ضمن میں گذشتہ آیات میں اللہ نے قوم عاد کا ذکر کیا کہ وہ بڑے متکبر لوگ تھے ۔ اللہ کے نبی ہود علیہ السلام نے اُن کو احقاف کے مقام میں اللہ کی گرفت سے ڈرایا اور صاف فرمایا اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ (آیت - ۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ ۔ اللہ نے اس مغرور قوم کا ذکر اہل مکہ کو سمجھانے کے لیے کیا اور فرمایا کہ قوم عاد تو تم سے زیادہ طاقتور تھی ، اُن کے پاس سازو سامان بھی زیادہ تھا ، اُن کو اقتدار اور حکومت بھی عطا کی گئی تھی سورۃ سبا میں ہے کہ تمہیں تو اُن کا عشر عشیر بھی نہیں دیا گیا ۔ جب وہ اور اُن جیسی دوسری اقوام اپنے غرور و تکبر اور انکار توحید و رسالت اور معاد کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں تو یاد رکھو ! تمہارا حشر بھی اُن سے مختلف نہیں ہوگا ۔ لہٰذا سمجھ جاؤ اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آؤ ۔

اللہ نے قوم عاد کے علاوہ مکے کے گردونواح کی بعض اقوام کا بھی ذکر کیا ان اقوام سے مراد قوم لوط اور قوم ثمود ہیں ۔ مکے کے لوگ تجارتی سفر پر جاتے تھے تو ان ہلاک شدہ اقوام کی عمارات کے کھنڈرات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے ۔ پہلے بھی ان قوموں کے حالات مکے والوں کے قصے کہانیوں میں ملتے تھے ، اس

لیے اللہ نے ان اقوام کا تذکرہ کر کے بھی مشرکین مکہ اور عرب کو سمجھایا کہ کفر و شرک سے باز آجاؤ، غرور و تکبر کو چھوڑ دو اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور بالآخر انہیں بھی عذابِ الٰہی کا شکار ہونا پڑا۔

جنوں کا قرآن سننا

اب اسی ضمن میں اللہ نے جنوں کے ایک گروہ کا ذکر فرمایا ہے اور اہلِ مکہ کی توجہ دلائی ہے کہ اصلاً اور اولاً ہدایت کا سلسلہ تو اللہ نے انسانوں کے لیے قائم کیا تھا کہ مگر یہ انسانوں کی بدبختی ہے کہ انہوں نے تو اس کو قبول نہ کیا، اس کے برخلاف جنوں کے ایک گروہ نے اللہ کا کلام حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے سُنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ آج بھی صورتِ حال یہ ہے کہ جو شخص غرور و تکبر اور تعصب و عناد سے بالاتر ہو کر آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرے گا۔ وہ ضرور خدا تعالیٰ کی توحید کو پائے گا اور کفر و شرک سے باز آجائے گا۔ بہر حال اللہ نے جنات کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ اُس واقعہ کو اپنے دھیان میں لاؤ جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا یعنی متوجہ کر دیا۔ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ وہ جنات قرآن پاک سننے لگے۔ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا پس جب وہ اُس موقع پر پہنچے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش رہو یعنی قرآن پاک کو خاموشی کے ساتھ دل لگا کر سنو۔ فَلَمَّا قُضِيَ پھر جب وہ تلاوت ختم ہو گئی۔ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ تو وہ جنات اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے ایماندار، ہدایت یافتہ اور ڈرانے والے بن کر۔

جنات پر پابندی

جن خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہے۔ جن کا معنیٰ ہی پوشیدہ ہے کیونکہ یہ مخلوق انسانی نظروں سے مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جن کو کسی دیگر شکل میں دکھا دے تو یہ عین ممکن ہے مگر ان کی اصل شکل کو اللہ نے پوشیدہ ہی رکھا ہے۔ کیونکہ انسان ان کی اصلی شکل کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جنات کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہوئی اور یہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے جنات اور شیاطین

اُوپر آسمانوں کی طرف جاتے تھے اور فرشتوں کی کچھ نہ کچھ گفتگو سُن لیتے تھے مگر اِن پر اُس وقت بھی کسی حد تک پابندی عائد تھی اور فرشتے اِن کی آمد پر مزاحمت بھی کرتے تھے تاکہ یہ خدائی پروگرام میں دخل انداز نہ ہوں، تاہم یہ پابندی اتنی سخت نہیں تھی اور یہ عالمِ بالا کی کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ اس کی مثال ایسے سمجھیے کہ اگرچہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں آمد و رفت کے لیے پاسپورٹ اور ویزا کی پابندیاں ہر جگہ موجود ہیں مگر پاکستان اور افغانستان کے درمیان وہاں پر جاری جنگ کی وجہ سے بہت حد تک نرم ہیں اور وہاں کے باشندے پاکستان میں پناہ حاصل کر رہے ہیں اور یہاں سے بھی مجاہدین کی امداد و اعانت آسانی سے ہوتی رہتی ہے۔

بہر حال جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر پہرے بٹھا دیے تاکہ کوئی جن یا شیطان اوپر آکر وحیِ الٰہی میں خلل اندازی نہ کر سکے۔ چنانچہ جب کوئی جن اُوپر جانے کی کوشش کرتا تو اللہ کے حکم سے فرشتے اس پر شہاب پھینکتے جن کی زد میں آکر بعض جنات ختم ہو جاتے، بعض زخمی ہو جاتے اور بعض بھاگ جاتے۔ اس بات کا ذکر سورۃ جن میں خود جنات کی زبان سے اس طرح کیا گیا ہے۔ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (آیت ۸) ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اُس کو مضبوط پہریداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ بھی کہ پہلے ہم خبریں سننے کے لیے بہت سے مقامات پر بیٹھا کرتے تھے۔ اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے شہاب تیار پاتا ہے۔ اب اِن جنات اور شیاطین نے شمالی عراق میں واقع نصیبین کے مقام پر اس غرض سے ایک اجتماع منعقد کیا کہ پتہ چلایا جائے کہ انہیں اوپر جانے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں طے کیا فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا (صحیح بخاری شریف) یعنی زمین کے مشرق و مغرب میں جاکر تلاش کرو کہ کیا معاملہ ہے، ہمیں اوپر جانے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔ ؟

مقامِ وقوع

مفسرین کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ کہاں پیش آیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے طائف سے واپسی کے سفر

کے دوران پیش آیا۔ جب آپ مکے والوں سے بالکل مایوس ہو گئے۔ یہاں آپکی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے لوگوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ نے طائف کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں، شاید انہی کی سمجھ میں بات آجائے، مگر وہاں بھی آپ کو مایوسی ہوئی، بلکہ وہاں کے سرداروں کے ایما پر غنڈوں نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا، اور آپ وہاں سے واپس مکے کی طرف روانہ ہو گئے اور اس دوران یہ واقعہ پیش آیا۔

تاہم بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ طائف کے سفر والا نہیں بلکہ یہ اُس سفر کے دوران پیش آیا جب آپ تبلیغ حق کے لیے عکاظ کی منڈی میں تشریف لے جا رہے تھے۔ مکے کے اطراف میں کئی ایک سالانہ منڈیاں لگتی تھیں جو ایک ایک دو دو ماہ تک جاری رہتیں۔ اِن منڈیوں میں مختلف علاقوں سے لائی گئی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی۔ نیز اِن مواقع پر بعض ثقافتی پروگرام مثلاً شعر و شاعری اور خطابت کے مقابلے ہوتے۔ کھیل تماشے اور گانا بجانا ہوتا جن سے اِن میلوں میں شامل لوگ مستفید ہوتے۔ اس قسم کی منڈیوں میں عکاظ اور ذوالمجاز کی منڈیاں خاص طور پر مشہور تھیں۔ بہرحال حضور علیہ السلام عکاظ کی منڈی میں اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ جا رہے تھے تو راستے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ نے نخلہ کے مقام پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی اور حسب معمول اُس میں لمبی قرأت فرمائی کیونکہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بنی اسرائیل - ۷۸) فجر کا وقت فرشتوں کی تبدیلی کا وقت ہوتا ہے اور یہ اُس وقت حاضر ہوتے ہیں اور انسانوں کے اعمال لے کر اوپر جاتے ہیں۔ چنانچہ نماز کے دوران نصیبین کے جنات کا ایک گروہ وہاں آیا۔ اور انہوں نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے قرآن سنا۔ اِن جنات کی تعداد پانچ، سات یا نو تھی۔

جنات کا ایمان لانا

بہرحال اِن جنات نے حضور علیہ السلام کو نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے دیکھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو یہ جنات فوراً ایمان لے آئے اور واپس اپنے مقام

کی طرف چلے گئے۔ ان کو جنات کے آسمانوں کی طرف جانے پر پابندی کی وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ یہ وہ کلام ہے جس کی حفاظت کے لیے ان کا اوپر جانا بند کر دیا گیا ہے تو یہاں پر اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ جنات جب اپنی قوم کی طرف لوٹے تو منذر بن کر لوٹے۔ وہ خود تو ایمان لا چکے تھے، انہوں نے دوسرے جنات کو بھی گرفتِ الٰہی سے ڈرانے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ جو صحابہ کرامؓ حضور علیہ السلام کی مجلس میں آتے تھے وہ طالبعلم بن کر آتے تھے اور ہادی بن کر نکلتے تھے۔ ان جنات کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ وہ بھی منذر یعنی ہادی اور ڈرانے والے بن کر واپس پلٹے۔ اس موقع پر انہوں نے حضور علیہ السلام سے بات و ملاقات نہیں کی بلکہ صرف قرآن ہی سنا اور واپس چلے گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام کو تو علم بھی نہیں ہوا کہ جنات کا کوئی گروہ حاضر ہوا تھا، جو قرآن سن کر ایمان لا کر واپس چلا گیا ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ معجزانہ طور پر ایک درخت نے آپ کو اجمالی طور پر یہ بتلا دیا تھا کہ اس طرح جنات کا ایک گروہ آیا تھا اور وہ قرآن سن کر چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ جن نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل بیان فرما دی۔ الغرض! مطلب یہ ہے کہ غیر متمدن جنات نے قرآن سنا تو انہوں نے ایمان قبول کر لیا مگر ادھر مکے کے مشرکین کی حالت یہ ہے کہ انسان ہونے کے باوجود اور قرآن سننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ نبی علیہ السلام کے ہم جنس، ہم قوم اور ہم زبان ہونے کے باوجود ایمان سے محروم ہیں۔

جس طرح انسانوں کے مختلف خاندان، مذاہب اور فرقے ہیں، اسی طرح جنات بھی مختلف گروہوں، خاندانوں اور مذاہب میں منقسم ہیں۔ چونکہ جنات انسانوں

کے تابع ہیں۔ اس لیے اللہ نے اِن کی طرف کوئی مستقل رسول نہیں بھیجا بلکہ اِن کی طرف منذر آتے رہتے ہیں۔ جو انہیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے رہتے ہیں اِن کو واعظ، ہادی، مبلغ یا راہنما بھی کہہ سکتے ہیں جو جنات کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرا کر نیکی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ جنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بہت پہلے فرمائی تھی، لہٰذا مذکورہ منذر انسان کی تخلیق سے پہلے بھی آتے تھے اور اُس کے بعد بھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت اگرچہ قوی نہیں ہے مگر امام بیہقیؒ نے اسے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ کہیں سفر پر جا رہے تھے کہ بڑی تیز آندھی آئی اور طوفان برپا ہو گیا۔ یہ لوگ دبک کر بیٹھ گئے۔ جب وہ طوفان تھما تو آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت صفوان بن معطلؓ نے ایک سانپ مردہ پڑا پایا۔ انہوں نے اپنی چادر کو پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصے میں اُس مردہ سانپ کو لپیٹ کر دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو اِن لوگوں کے پاس دو عورتیں آئیں اور انہوں نے دریافت کیا کہ اُن میں سے عمرو ابن جابر کو کس نے دفن کیا ہے۔ جب انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اُن عورتوں نے وضاحت کی کہ جس مردہ سانپ کو تم نے دفن کیا ہے۔ وہ اُن جنات میں سے تھا جنہوں نے حضور علیہ السلام سے قرآن سن کر ایمان قبول کیا تھا واقعہ یہ ہوا کہ مومن اور کافر جنات کی آپس میں جنگ ہوئی تھی جس میں عمرو ابن جابر نے جام شہادت نوش کیا اور تم نے اِن کو چادر میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ آپ کو اس کا ضرور اجر ملے گا۔ اس قسم کا واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی منسوب ہے آپ کو خواب کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ اُن کے ایک ساتھی نے جس سانپ کو دفن کیا تھا۔ وہ ایک مومن جن تھا۔ غرضیکہ جنات کے ایمان لانے کی تصدیق اِن روایات سے بھی ہوتی ہے۔

کتاب الٰہی کی تصدیق

بہر حال جب جنات کا گروہ قرآن سُننے اور ایمان لانے کے بعد اپنی قوم

میں واپس گیا فَالُوْا یٰقَوْمَنَا تو وہ کہنے لگے اے ہماری قوم کے لوگو! اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے۔ بلاشبہ قرآن پاک موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات کے بعد نازل ہوا، مگر اس کے بعد انجیل بھی تورات نے نازل فرمائی ہے جس کا تذکرہ اُن جنات نے نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جنات یہودی ہوں اور صرف تورات پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس لیے انہوں نے صرف موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا ہی ذکر کیا۔ یا اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انجیل کی نسبت تورات کی شہرت زیادہ پائی جاتی تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عظمت اور جامعیت کے اعتبار سے کتب سماویہ میں قرآن کے بعد تورات کا نمبر ہے کہ اس میں شرائع الٰہیہ اور دیگر احکام زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ جو اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک دیگر تمام کتب سماویہ اور صحائف کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور برحق ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے جس کتاب کو سنا ہے اُس کی ایک صفت یہ بھی ہے یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ کہ وہ سچے دین اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

ایمان کی دعوت

جنات کا مذکورہ گروہ خود تو ایمان قبول کر چکا تھا، اب انہوں نے اپنی قوم کو بھی دعوت دی۔ کہنے لگے یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ اے ہماری قوم کے لوگو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو۔ اس سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے کہ آپ لوگوں کو دعوت توحید دیتے تھے کہنے لگے اُس دعوت کو قبول کرو۔ وَاٰمِنُوْا بِهٖ اور اُس پر ایمان لے آؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کی نبوت و رسالت کو دل سے قبول کر لو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں میں سے کچھ معاف کر دے گا۔ یہاں پر تمام گناہوں کی بخشش کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کے متعلق مفسرین کرام بیان کرتے

ہیں کہ انسان پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں قسم کے حقوق کی پابندی لازم ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہے تو وہ اپنے حقوق تو معاف کر دیتا ہے مگر حقوق العباد کی معافی اسی صورت میں ہوتی ہے جب کہ خود صاحب حق معاف کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر سارے گناہوں کی بجائے بعض کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نہ صرف گناہ معاف کر دے گا بلکہ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ تمہیں دردناک عذاب سے بھی پناہ دے دیگا۔

اس مقام پر مفسرین اور ائمہ دین اس مسئلہ میں بحث کرتے ہیں کہ کیا جنات بھی جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بعض فرماتے ہیں کہ جنات انسانوں سے کم تر مخلوق ہے، لہٰذا یہ جنت میں نہیں جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعض عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کو جانوروں کی طرح حکم ہوگا۔ کہ مٹی ہو جاؤ اور وہ ختم ہو جائیں گے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے توقف کی روایت بیان کی ہے کہ ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ بعض دوسرے مفسرین کا خیال یہ ہے کہ انسانوں کی طرح اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جنات بھی جنت یا جہنم میں جائیں گے۔

جنات کے گروہ نے ایمان کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی جزاء کا ذکر کیا اور ساتھ یہ بھی کہا وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وہ زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکے گا کہ عذاب الٰہی سے بچ جائے وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ اور نہ ہی اس کے لیے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار ہوگا۔ جو اُسے عذاب سے چھڑا سکے، مکے اور عرب کے مشرکوں کے متعلق پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فریادرس نہیں ہو گا۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ کہ یہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں انہوں نے عقیدۂ توحید کو تسلیم نہ کیا، رسالت اور قیامت کا انکار کیا۔ یہ لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ کر رہیں گے۔

درس نہم ۹ آیت ۳۳ تا ۳۵

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے پیدا کیے ہیں آسمان اور زمین اور وہ نہیں تھکا اُن کی تخلیق سے ۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے ؟ کیوں نہیں ۔ بیشک وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (۳۳) اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا دوزخ کی آگ پر (تو اُن سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں ہے ؟ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں اور ہمارے ربّ کی قسم ۔ اللہ فرمائے گا ، پس چکھو عذاب اُس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے (۳۴) (اے پیغمبر!) پس

آپ صبر کریں جیسا کہ صبر کیا بڑی ہمت والے رسولوں نے اور آپ جلدی نہ کریں ان لوگوں کے لیے۔ جس دن یہ دیکھیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی بھر دن میں ، یہ پہنچا دینا ہے ، پس نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر وہ لوگ جو نافرمان ہیں (۳۵)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے رد میں جنات کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے قرآن پاک سُنا تو ایمان قبول کر لیا اور وہ اپنی قوم کی طرف منذر بن کر لوٹے ۔ اس کے برخلاف مشرکین مکہ و عرب کی حالت یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کے ہم قوم ، ہم زبان اور ہم مجلس ہونے کے باوجود غرور و تکبر اور ضد و عناد کی وجہ سے ایمان قبول کرنے سے قاصر ہیں ۔

جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں ۔ اگرچہ وہ انسانوں سے کم درجہ رکھتے ہیں اُن کی تخلیق کے متعلق سورۃ الحجر میں موجود ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (آیت - ۲۷) انسانوں سے پہلے ہم نے جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جنات اللہ کی ایسی مخلوق ہے جس میں دیگر عناصر کے علاوہ آگ کا عنصر زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے جیسا کہ انسانوں کی تخلیق میں دیگر عناصر کی نسبت مٹی کا عنصر غالب ہے ۔ جنات غیر مرئی مخلوق ہیں اور اللہ نے انہیں شکلیں تبدیل کرنے کا اختیار بھی دے رکھا ہے انسانوں کی طرح ان کے بھی مختلف خاندان ہیں اور ان میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں ۔ انسانوں کی طرح ان کے بھی مختلف مذاہب اور فرقے ہیں ۔

حضور کی بعثت بطرف جنات

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اُن کو بھی وقتاً فوقتاً تبلیغ فرماتے تھے ۔ اس سورۃ میں مذکورہ واقعہ تو جنوں کا قرآن سُن کر از خود ایمان لانے کا ہے تاہم

آپ کی طرف سے جنات کو چھ دفعہ تبلیغ فرمانے کی روایت موجود ہے۔ آپ نے جنات کو چار مرتبہ مکی زندگی میں، ایک مرتبہ مدنی دور میں اور ایک دفعہ سفر میں خطاب فرمایا مذکورہ واقعہ کے بعد بھی جنات کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مکی دور کا ایک واقعہ بیان کیا کہ جنات نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کو تعلیم دیں، چنانچہ آپ رات کے وقت جنت المعلیٰ کے قریب شیخ الحجون میں تشریف لے گئے۔ جہاں ہزاروں کی تعداد میں جنات جمع تھے، آپ نے ان کو ساری رات تلقین کی۔ اب اس مقام پر مسجد جن کے نام سے خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور علیہ السلام کے ہمراہ تھے رات کے وقت آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو زمین پر ایک دائرہ کھینچ کر اس کے اندر بٹھا دیا اور آپ خود جنات کو تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ صبح کے وقت جب حضور علیہ السلام واپس آئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا، کیا تمہیں کچھ نظر آیا ہے؟ عرض کیا، ہاں! مجھے سانولی رنگت اور سفید لباس میں ملبوس کچھ لوگ نظر آئے جیسے عراق میں جاٹ لوگ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ یہاں سندھ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ عرض کیا کہ لوگ ادھر اُدھر پھرتے رہے مگر اس دائرے کے اندر کوئی نہیں آیا۔ یہ جنات تھے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے چھ مرتبہ جنات کو تلقین فرمائی ہے۔ آپ نے ان کو اسلام کی باقاعدہ دعوت دی اس کی بعض تفصیلات سورۃ جن میں موجود ہیں۔

ارض و سما کی تخلیق

بنیادی عقائد میں سے مشرکین وقوع قیامت اور جزائے عمل کا بھی انکار کرتے تھے، لہٰذا اس سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اسی مسئلہ کا ذکر فرمایا ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِھِنَّ مگر وہ انہیں تخلیق کرنے کی وجہ سے تھکا نہیں۔ قرآن پاک میں اس بات

کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی بڑے سے بڑا کام کر کے بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتی۔ سورۃ قٓ میں یہی مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی تمام اشیاء کو چھ دن میں پیدا کیا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (آیت - ۳۸) اور ہم کو ذرا بھی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تو ان تمام چیزوں کو ایک لمحہ میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مگر اُس نے انسانوں کی تعلیم کے لیے چھ دن کے وقفہ میں یہ کام کیا۔

ارض وسماء کی تخلیق کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر وہاں پر یہودیوں نے کچھ تحریف بھی کر دی ہے۔ چنانچہ جہاں چھ دن میں تخلیق کی بات ہے وہاں انہوں نے یہ اضافہ کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ساتویں دن آرام کیا، گویا اللہ تعالیٰ چھ دن کام کر کے تھک گیا تھا (العیاذ باللہ) تو ساتویں دن آرام (REST) کیا۔ وہ ہفتہ میں ساتویں دن چھٹی کا جواز اسی بات سے نکالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق تھکاوٹ کا نظریہ قائم کرنا کفریہ بات ہے اور قرآن نے اس کا بار بار رد کیا ہے۔

معاد اور جزائے عمل

فرمایا جس خدا تعالیٰ نے ارض وسما کو تخلیق کیا بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی کیا وہ اس کام پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے؟ یہ لوگ اپنے سامنے انسانوں کو روزمرہ پیدا ہوتے دیکھتے ہیں، جانور، کیڑے مکوڑے، درخت پھل، پھول، اناج اور سبزیاں بار بار پیدا ہوتی ہیں تو جو اللہ تعالیٰ ان اشیاء کو بتکرار پیدا کر سکتا ہے وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قدرت نہیں رکھتا؟ اللہ نے خود ہی جواب میں فرمایا بَلٰی کیوں نہیں؟ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، لہٰذا وہ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے، اور وہ اپنے مقررہ وقت پر ایسا ضرور کرے گا۔

آگے اللہ نے جزائے عمل اور مابعد کی کیفیت کے متعلق فرمایا وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اور جس دن کفر کرنے والوں کو آگ پر پیش

کیا جائے گا یعنی جب نافرمان، کافر اور مشرک اپنے عقائد و اعمال کی بدولت دوزخ کا سامنا کریں گے تو ان سے پوچھا جائے گا۔ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ کیا یہ حق نہیں ہے؟ تم دنیا میں کفر و شرک کا ارتکاب کرتے تھے مگر وقوع قیامت اور دوزخ جنت کا انکار کرتے تھے۔ اب دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، کیا اب بھی اس کو برحق مانتے ہو یا نہیں؟ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا اس وقت اقرار کریں گے کہ ہمارے پروردگار کی قسم یہ تو بالکل سچ ہے۔ یعنی دوزخ کا وجود اور اس کا عذاب بالکل برحق ہے۔ پھر اُدھر سے حکم ہوگا۔ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ پس اس عذاب کو چکھو اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے اپنے انکار اور تکذیب کے نتیجہ میں جہنم کا دائمی عذاب بھگتو۔

صبر کی تلقین

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دی ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں اور تکذیب پر صبر کریں جیسا کہ باہمت رسولوں نے صبر کیا۔ اللہ کے سارے رسول ہی باہمت اور صابر ہوتے ہیں مگر ان میں بعض کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے بہت زیادہ تکالیف اٹھائیں اور اسی لحاظ سے برداشت بھی زیادہ کیا۔ یہ پانچ اولو العزم رسول ہیں جن کا ذکر سورۃ احزاب میں یکجا کیا گیا ہے اور یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا اے نبی آخر الزمان یہ لوگ بلاشبہ آپ کو سخت تکالیف پہنچاتے ہیں اور آپ کے مشن کی ناکامی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھے ہیں مگر آپ کے لیے حکم یہی ہے۔ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ آپ ان کو سزا دلوانے میں جلدی نہ کریں۔ یہ لوگ اپنے مقررہ وقت پر ضرور پکڑے جائیں گے اور اپنے منطقی انجام کو پہنچیں گے۔

دنیا کی مختصر زندگی

آگے اللہ نے ان سزا یافتہ کفار و مشرکین کی ایک اور حالت کو بیان فرمایا ہے كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ جس دن یہ دیکھیں گے اس

چیز کو جس کا اِن سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اُس وقت خیال کریں گے لَمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ گویا کہ وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی بھر ٹھہرے۔ آج تو لوگ اس دنیا میں سو پچاس سال تک زندگی گزارتے ہیں مگر کافروں، مشرکوں، مغروروں اور نافرمانوں کو اُس دن ایسا محسوس ہو گا کہ اُن کی پوری زندگی ایک دن کی ایک ساعت سے زیادہ نہیں تھی۔ سورۃ النّٰزعٰت میں کہا گیا ہے کہ جب مجرم لوگ اپنے انجام کو دیکھیں گے تو کہیں گے لَمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (آیت۔ ۴۶) کہ ہم تو دنیا میں دوپہر یا پچھلے پہر کی مقدار ٹھہرے۔ فرمایا بَلٰغٌ یہ پہنچا دینا ہے یعنی حقیقت حال کو واضح کر دینا ہے، انسانوں کو اُن کے انجام سے خبردار کر دینا ہے تاکہ کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور کل کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ اُسے نیک و بد کے انجام سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ سورۃ ابراہیم میں بھی فرمایا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ (آیت۔ ۵۲) قرآن پاک اور خصوصاً اس سورۃ کے مضامین لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے تاکہ ان کو ان کے برے انجام سے ڈرایا جائے۔ اس میں دین کے تمام بنیادی عقائد کا ذکر آگیا ہے اللہ نے ہر چیز واضح کر دی ہے تاکہ بعد میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔

نافرمانوں کی ہلاکت

واضح پیغام پہنچا دینے کے بعد اللہ نے خبردار کر دیا ہے کہ جب حجت تمام ہو گئی فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر نافرمان لوگ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی قوم کے لیے نبی کی بعثت اُن کے لیے آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ جب نبی کی زبان سے ہر چیز کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ تو پھر نافرمان قوم کی سزا کا وقت آتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (آیت۔ ۱۵) ہم اس وقت تک کسی قوم کو سزا نہیں دیتے۔ جب تک اُن میں رسول بھیج کر اتمامِ حجت نہیں کر دیتے۔ جب ہر چیز کو واضح کر دیا جاتا ہے

ترجمہ: اللہ کا ارشاد ہوا ہے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال۔ ۴۲) اب جو ہلاک ہونا چاہتا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہنا چاہتا ہے وہ بھی کھلی دلیل کے ساتھ زندہ ہے اللہ نے تمام ایمانیات توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت کو واضح کر دیا ہے جو اب بھی ایمان نہیں لائے گا۔ وہ لازماً ہلاکت کے گڑھے میں گر ے گا۔

خطباتِ شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب و مقدمہ: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اپنے موضوعِ احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علماءِ حق کی فیصلہ کن جدوجہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ اب تک یہ یکجا نہیں تھے جمعیۃ علماءِ ہند کی کارگزاریوں کے مدنظر بعض محترم ہستیوں نے ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے اکابر کے خطبات یکجا مل جاتے ہیں، حضرت مدنیؒ کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ اگر آپ یہ کام کرا دیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہو سکی۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض احباب نے حضرت مدنیؒ کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے لا کر دیئے اور کچھ خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ بر دست یہ گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیوہارہ (۲) خطبہ زنجپور بنگال (۳) خطبہ دہلی (۴) کوکناڈا (۵) علی گڑھ (۶) جونپور (۷) لاہور (۸) سہارنپور (۹) بمبئی (۱۰) حیدر آباد دکن (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز ۲۲×۳۶/۱۶ ضخامت ۵۰۰ صفحات، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت /۸۰ روپے

ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کا پتہ: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (مکتبہ دروس القرآن)

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ